MAAR302DST

اندلس میں عربی ادب

(Arabic Literature in Andalus)

ایم۔اے،عربی

(سمسٹر-III)

پرچہ چہارم

نظامت فاصلاتی تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی،حیدرآباد

حیدرآباد،تلنگانہ،انڈیا-500032

© Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad

Master of Arts (M.A.)

ISBN: 978-93-80322-61-2

Second Edition: 2022

ناشر	:	رجسٹرار، مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، حیدرآباد
اشاعت	:	2020
تعداد	:	1200
سرورق	:	ڈاکٹر محمد اکمل خان، نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، حیدرآباد
مطبع	:	اریہنت آفسیٹ، نئی دہلی

Arabic Literature in Andalus

for

M.A. Arabic 3rd Semester

On behalf of the Registrar, Published by:

Directorate of Distance Education

Maulana Azad National Urdu University

Gachibowli, Hyderabad-500032 (TS), Bharat

Director: dir.dde@manuu.edu.in **Publication:** ddepublication@manuu.edu.in

Phone: 040-23008314 Website: manuu.edu.in

کورس کوآرڈینیٹر

پروفیسر سید علیم اشرف

مصنفین		اکائی نمبر
ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی	(مدیر معاون، مجلہ تحقیقات اسلامی، علی گڑھ)	1
حبیب الرحمان	(المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد)	2,4
مفتی عبدالخبیر مصباحی	(مدرسہ منظر الاسلام، التفات گنج، یوپی)	3
ڈاکٹر محمد طارق	(لکھنؤ یونیورسٹی)	5,6
ڈاکٹر فضل اللہ شریف	(عثمانیہ یونیورسٹی)	7
ڈاکٹر قمر اقبال	(لکھنؤ یونیورسٹی)	8,10,12
ڈاکٹر محمد شمس الدین	(مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی)	9
ڈاکٹر محمد ادریس	(لکھنؤ یونیورسٹی)	11,13,14
ڈاکٹر عرفات ظفر	(علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)	15,16

مدیران

ڈاکٹر محمد انظر ندوی (انگلش اینڈ فارن لنگویجز یونیورسٹی)

ڈاکٹر ثمینہ کوثر (مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی)

ڈاکٹر محمد عبدالعلیم (مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی)

ڈاکٹر سید محمد عمر فاروق (مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی)

ڈاکٹر محمد رحمت حسین (مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی)

فہرست

			صفحہ
پیغام		وائس چانسلر	**6**
پیغام		ڈائرکٹر، نظامت فاصلاتی تعلیم	**7**
کورس کا تعارف		کورس کوآرڈینیٹر	**8**
بلاک	**I**	**تاریخ اندلس**	
اکائی:	1	اندلس: فتح اسلامی سے پہلے اور بعد	11
اکائی:	2	اندلسی ادب کا ارتقا اور نشو و نما	29
اکائی:	3	اندلس میں اسلامی تہذیب کا ارتقا اور یورپ پر اس کا اثر	51
اکائی:	4	اندلسی ادب کی عمومی خصوصیات	74
بلاک	**II**	**اندلس میں نثر فنی**	
اکائی:	5	اندلس میں نثر فنی کا ارتقا: خصوصیات اور نمائندہ شخصیات	94
اکائی:	6	”ابن طاؤوس والمنصور“ از: ابن عبد ربہ	114
اکائی:	7	"وصف مجالس ابن الجوزي" از: ابن جبیر الاندلسی	125
اکائی:	8	ہذیل بن رزین کے نام ابوحفص ابن برد الاکبر کا خط	145
بلاک	**III**	**اندلس کی روایتی شاعری**	
اکائی:	9	اندلس میں عربی شاعری کا آغاز وارتقا، خصوصیات اور نمائندہ شعرا	157
اکائی:	10	روایتی شعری فنون (غزل اور مدح گوئی)	179

اکائی:	11	قصیدہ:''دعي عزمات المستضام تسير ''از:ابن دراج قسطلی	196
		قصیدہ:''إني ذكرتك بالزهراء مشتاقا'' از:ابن زیدون	
اکائی:	12	قصیدہ:''ألا ساجِل دُموعي يا غَمامُ'' از:ابن خفاجہ الاندلسی	220
بلاک	**IV**	**اندلس میں تجدیدی فنون**	
اکائی:	13	تجدیدی وتوسیعی شعری فنون (موشحہ،زجل،طبیعہ اور حنین)	233
اکائی:	14	موشحہ ابوبکر بن زہر	256
اکائی:	15	قصیدہ: ''أدِرِ الزُّجاجةَ فالنسيم قد انبرى ''از: ابن عمار الاندلسی	270
اکائی:	16	قصیدہ:''بِحُكمِ زمانٍ يا لهُ كيفَ يَحكُمُ'' از:ابن حمدیس الصقلی	278
ماڈل پیپر برائے امتحان			**287**

پیغام

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی 1998 میں وطنِ عزیز کی پارلیمنٹ کے ایکٹ کے تحت قائم کی گئی۔اس کے چار نکاتی مینڈیٹس یہ ہیں۔ (1)اردو زبان کی ترویج وترقی (2)اردو میڈیم میں پیشہ ورانہ اور تکنیکی تعلیم کی فراہمی (3)روایتی اور فاصلاتی تدریس سے تعلیم کی فراہمی اور(4)تعلیم نسواں پر خصوصی توجہ۔ یہ وہ بنیادی نکات ہیں جو اِس مرکزی یونیورسٹی کو دیگر مرکزی جامعات سے منفرد اور ممتاز بناتے ہیں۔قومی تعلیمی پالیسی 2020 میں بھی مادری اور علاقائی زبانوں میں تعلیم کی فراہمی پر کافی زور دیا گیا ہے۔

اُردو کے ذریعے علوم کو فروغ دینے کا واحد مقصد ومنشا اُردو داں طبقے تک عصری علوم کو پہنچانا ہے۔ایک طویل عرصے سے اُردو کا دامن علمی مواد سے لگ بھگ خالی رہا ہے۔کسی بھی کتب خانے یا کتب فروش کی الماریوں کا سرسری جائزہ اس بات کی تصدیق کردیتا ہے کہ اُردو زبان سمٹ کر چند ''ادبی'' اصناف تک محدود رہ گئی ہے۔یہی کیفیت اکثر رسائل واخبارات میں دیکھنے کو ملتی ہے۔اُردو قاری اور اُردو سماج دورِ حاضر کے اہم ترین علمی موضوعات سے نابلد ہیں۔ چاہے یہ خود ان کی صحت وبقا سے متعلق ہوں یا معاشی اور تجارتی نظام سے، یا مشینی آلات ہوں یا ان کے گرد وپیش ماحول کے مسائل ہوں،عوامی سطح پر اِن شعبہ جات سے متعلق اردو میں مواد کی عدم دستیابی نے عصری علوم کے تئیں ایک عدم دلچسپی کی فضا پیدا کردی ہے۔یہی وہ چیلنجز ہیں جن سے اُردو یونیورسٹی کو نبرد آزما ہونا ہے۔نصابی مواد کی صورت حال بھی کچھ مختلف نہیں ہے۔ اِسکولی سطح پر اُردو کتب کی عدم دستیابی کے چرچے ہر تعلیمی سال کے شروع میں زیرِ بحث آتے ہیں۔چوں کہ اُردو یونیورسٹی کا ذریعہ تعلیم اُردو ہے اور اس میں عصری علوم کے تقریباً سبھی اہم شعبہ جات کے کورسز موجود ہیں لہٰذا اِن تمام علوم کے لیے نصابی کتابوں کی تیاری اِس یونیورسٹی کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔

مجھے اِس بات کی بے حد خوشی ہے کہ یونیورسٹی کے ذمہ داران بشمول اساتذہ کرام کی انتھک محنت اور ماہرینِ علم کے بھرپور تعاون کی بنا پر کتب کی اشاعت کا سلسلہ بڑے پیمانے پر شروع ہو چکا ہے۔ایک ایسے وقت میں جب کہ ہماری یونیورسٹی اپنی تاسیس کی 25ویں سالگرہ منارہی ہے، مجھے اس بات کا انکشاف کرتے ہوئے بہت خوشی محسوس ہورہی ہے کہ یونیورسٹی کا نظامتِ فاصلاتی تعلیم ازسرِنو اپنی کارکردگی کے نئے سنگِ میل کی طرف رواں دواں ہے اور نظامتِ فاصلاتی تعلیم کی جانب سے کتابوں کی اشاعت اور ترویج میں بھی تیزی پیدا ہوئی ہے۔ نیز ملک کے کونے کونے میں موجود تشنگانِ علم فاصلاتی تعلیم کے مختلف پروگراموں سے فیضیاب ہورہے ہیں۔گرچہ گزشتہ دو برسوں کے دوران کووڈ کی تباہ کن صورتِ حال کے باعث انتظامی امور اور ترسیل وابلاغ کے مراحل بھی کافی دشوار کن رہے تاہم یونیورسٹی نے اپنی حتی المقدور کوششوں کو بروئے کار لاتے ہوئے نظامتِ فاصلاتی تعلیم کے پروگراموں کو کامیابی کے ساتھ روبہ عمل کیا ہے۔میں یونیورسٹی سے وابستہ تمام طلبا کو یونیورسٹی سے جڑنے کے لیے صمیمِ قلب کے ساتھ مبارکباد پیش کرتے ہوئے اس یقین کا اظہار کرتا ہوں کہ ان کی علمی تشنگی کو پورا کرنے کے لیے مولانا آزاد اردو یونیورسٹی کا تعلیمی مشن ہر لمحہ ان کے لیے راستے ہموار کرے گا۔

پروفیسر سید عین الحسن

وائس چانسلر

پیغام

فاصلاتی طریقۂ تعلیم پوری دنیا میں ایک انتہائی کارگر اور مفید طریقۂ تعلیم کی حیثیت سے تسلیم کیا جا چکا ہے اور اس طریقۂ تعلیم سے بڑی تعداد میں لوگ مستفید ہو رہے ہیں۔ مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی نے بھی اپنے قیام کے ابتدائی دنوں ہی سے اردو آبادی کی تعلیمی صورت حال کو محسوس کرتے ہوئے اِس طرزِ تعلیم کو اختیار کیا۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا آغاز 1998 میں نظامتِ فاصلاتی تعلیم اور ٹرانسلیشن ڈویژن سے ہوا اور اس کے بعد 2004 میں باقاعدہ روایتی طرز تعلیم کا آغاز ہوا اور بعد ازاں متعدد روایتی تدریس کے شعبہ جات قائم کیے گئے۔ نو قائم کردہ شعبہ جات اور ٹرانسلیشن ڈویژن میں تقرریاں عمل میں آئیں۔ اس وقت کے اربابِ مجاز کے بھرپور تعاون سے مناسب تعداد میں خود مطالعاتی مواد تحریر و ترجمے کے ذریعے تیار کرائے گئے۔

گزشتہ کئی برسوں سے یو جی سی۔ ڈی ای بی UGC-DEB اس بات پر زور دیتا رہا ہے کہ فاصلاتی نظامِ تعلیم کے نصابات اور نظامات کو روایتی نظامِ تعلیم کے نصابات اور نظامات سے کما حقہ ہم آہنگ کر کے نظامتِ فاصلاتی تعلیم کے طلبا کے معیار کو بلند کیا جائے۔ چوں کہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی فاصلاتی اور روایتی طرزِ تعلیم کی جامعہ ہے، لہٰذا اس مقصد کے حصول کے لیے یو جی سی۔ ڈی ای بی کے رہنمایانہ اصولوں کے مطابق نظامتِ فاصلاتی تعلیم اور روایتی نظامِ تعلیم کے نصابات کو ہم آہنگ اور معیار بلند کر کے خود اکتسابی مواد SLM از سرِ نو بالترتیب یو جی اور پی جی طلبا کے لیے چھ بلاک چوبیس اکائیوں اور چار بلاک سولہ اکائیوں پر مشتمل نئے طرز کی ساخت پر تیار کرائے جا رہے ہیں۔

نظامتِ فاصلاتی تعلیم یو جی، پی جی، بی ایڈ، ڈپلوما اور سرٹیفکیٹ کورسز پر مشتمل جملہ پندرہ کورسز چلا رہا ہے۔ بہت جلد تکنیکی ہنر پر مبنی کورسز بھی شروع کیے جائیں گے۔ متعلمین کی سہولت کے لیے 9 علاقائی مراکز بنگلورو، بھوپال، دربھنگہ، دہلی، کولکاتا، ممبئی، پٹنہ، رانچی اور سری نگر اور 6 ذیلی علاقائی مراکز حیدرآباد، لکھنؤ، جموں، نوح، وارانسی اور امراوتی کا ایک بہت بڑا نیٹ ورک تیار کیا ہے۔ ان مراکز کے تحت سرِ دست 144 متعلم امدادی مراکز (Learner Support Centres) اور 20 پروگرام سنٹرس (Programme Centres) کام کر رہے ہیں، جو طلبا کو تعلیمی اور انتظامی مدد فراہم کرتے ہیں۔ نظامت فاصلاتی تعلیم نے اپنی تعلیمی اور انتظامی سرگرمیوں میں آئی سی ٹی کا استعمال شروع کر دیا ہے، نیز اپنے تمام پروگراموں میں داخلے صرف آن لائن طریقے ہی سے دے رہا ہے۔

نظامتِ فاصلاتی تعلیم کی ویب سائٹ پر متعلمین کو خود اکتسابی مواد کی سافٹ کاپیاں بھی فراہم کی جارہی ہیں، نیز جلد ہی آڈیو۔ ویڈیو ریکارڈنگ کا لنک بھی ویب سائٹ پر فراہم کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ متعلمین کے درمیان رابطے کے لیے ایس ایم ایس کی سہولت فراہم کی جارہی ہے، جس کے ذریعے متعلمین کو پروگرام کے مختلف پہلوؤں جیسے کورس کے رجسٹریشن، مفوضات، کونسلنگ، امتحانات وغیرہ کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے۔

امید ہے کہ ملک کی تعلیمی اور معاشی حیثیت سے پچھڑی اردو آبادی کو مرکزی دھارے میں لانے میں نظامتِ فاصلاتی تعلیم کا بھی نمایاں رول ہوگا۔

پروفیسر محمد رضاء اللہ خان

ڈائرکٹر

کورس کا تعارف

عربی زبان دنیا کی اہم زبانوں میں سے ایک ہے۔ یہ زبانوں کے افرو-ایشیائی خاندان کے ایک بڑے لسانی گروہ سامی زبانوں کا حصہ ہے، دوسری سامی زبانوں میں عبرانی، آرامی اورامہری وغیرہ شامل ہیں۔عربی اقوام متحدہ میں استعمال ہونے والی چھ رسمی زبانوں میں سے ایک ہے، بائیس عرب ممالک کی سرکاری زبان اور کئی ملکوں کی دوسری سرکاری زبان ہے جیسے: مالی، چاڈ، اریٹیریا اور صومالیہ وغیرہ۔عربی زبان عہد وسطی میں علم و حکمت اور سائنس وٹکنالوجی کی زبان تھی، اس حیثیت کے سبب اس نے دنیا کی تقریبا سوزبانوں کو متاثر کیا ہے اور انھیں ہر دو علمی ولغوی اعتبار سے مالا مال کیاہے، جن میں سرفہرست فارسی ترکی اور اردوزبانیں آتی ہیں۔آج کے تناظر میں بھی عربی ایک اہمیت کی حامل زبان ہے۔شرق اوسط میں تیل کی دولت سے مالا مال ملکوں کی موجودگی نے اس زبان کی اہمیت کو دوبالا کر دیا ہے اور عربی زبان اور اس کے متعلمین و مکتسبین کے لیے کئی نئے امکانات کے دروازے کھول دیے ہیں۔

زیرنظر کتاب فاصلاتی نظام تعلیم کے ایم اے عربی سمسٹر -III کے طلبہ کے لیے تیار کی گئی ہے جو روایتی طرز تعلیم کے طلبہ کے لیے بھی یکساں طور پر مفید و معاون ہے، کیونکہ یہ بیورو برائے فاصلاتی تعلیم (DEB) کی ہدایات مجریہ 18-2017 کے مطابق ہے، جس کے بموجب فاصلاتی اور روایتی دونوں طرز تعلیم کا نصاب یکساں ہونا چاہیے۔ چنانچہ یہ کورس مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی میں جاری روایتی طرز تعلیم کے ایم اے کے نصاب کے عین مطابق ہے۔

یہ کتاب چار بلاک اور سولہ اکائیوں پر مشتمل ہے جو اندلس میں اسلامی تاریخ وتہذیب اور عربی ادب کے عروج وارتقا اور اس کے عمومی خصوصیات کو متضمن ہے۔اس کتاب میں اندلسی عربی نثر ونظم اور ان کی خصوصیات و امتیازات کو ذکر کیا گیا ہے اس لیے کہ عربی ادب کے ارتقا میں اندلس کو بہت اہمیت حاصل ہے۔اس سرزمین نے بہت سے نامور عربی شعرا و ادبا کو جنم دیا ہے جنھوں نے عربی ادب کو بام عروج تک پہنچایا۔

واضح رہے کہ یہ کتاب 18 اکائیوں پر مشتمل تھی جن میں سے بعض کو دوسری اکائیوں میں ضم کر دیا گیا ہے اور یہ تبدیلی بیورو برائے فاصلاتی تعلیم (DEB) کے اصول وضوابط کے مطابق کی گئی ہے۔جن اکائیوں کو ضم کیا گیا ہے ان میں بلاک نمبر 1 کی اکائی نمبر 1 (جزیرہ نما ایبیریا کا جغرافیہ) اور اکائی نمبر 2 (فتح اندلس سے سقوط غرناطہ تک) ان دونوں اکائیوں کو ملا کر ایک بنا دیا گیا ہے۔اسی طرح بلاک 3 میں ''قصیدہ ابن دراج'' اور ''قصیدہ ابن زیدون'' الگ الگ دو اکائیاں تھیں جنھیں باہم ضم کر دیا گیا ہے اور اختصار کے پیش نظر کچھ مواد کو حذف بھی کر دیا گیا ہے۔

کتاب کے پہلے بلاک میں اندلس کی جغرافیائی تاریخ اور فتح اسلامی کے بعد اندلس میں اسلامی تہذیب وتمدن کے ارتقا پر بالتفصیل روشنی ڈالی گئی ہے۔ نیز اندلس میں عربی ادب کے نشوونما اور یورپ پر مرتب ہونے والے اسلامی تہذیب وثقافت کو بھی مختصراً بیان کیا گیا ہے۔ دوسرا بلاک

اندلس میں عربی نثر کے ارتقا اور اس کی خصوصیات و امتیازات کو محیط ہے۔ اسی طرح اس بلاک میں ابن عبدہ ربہ، ابن جبیر اور ھذیل بن رزین وغیرہ کے نثری اقتباسات کو بھی قلم بند کیا گیا ہے۔ نیز اندلس کے بعض اہم نثر نگاروں اور ان کے علمی مقام و مرتبہ کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ تیسرے بلاک میں اندلس میں عربی شاعری کے آغاز و ارتقا کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔ نیز اس بلاک میں اندلس کے چند نمائندہ شعرا کا بھی ذکر ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ابن درید، ابن زیدون اور ابن خفاجہ کے قصائد کو بھی پیش کیا گیا ہے اور ان کی ادبی و فنی تحلیل بھی کی گئی ہے۔ چوتھے بلاک میں ان تجدیدی اور توسیعی شعری فنون کا تذکرہ ہے جو سرزمین اندلس میں ایجاد ہوئے اور پروان چڑھے جیسے فن موشحات، فن طبیعہ، فن حنین (اظہار شوق وطن) وغیرہ۔ نیز اس بلاک میں ابن عمار اندلسی اور ابن حمدیس صقلی کے قصائد کے اقتباسات کو مع ترجمہ ولغوی تحقیق تحریر کیا گیا ہے۔

چونکہ اس کتاب کو "خود اکتسابی مواد" (S.L.M.) کے طور پر تیار کیا گیا ہے لہٰذا ان اصولوں اور طریقوں کی پوری طور پر رعایت کی گئی ہے جن کی روشنی میں اس قسم کا تعلیمی مواد تیار کیا جاتا ہے، تاکہ فاصلاتی نظام کے طلبہ کو ان اسباق کے پڑھنے اور سمجھنے میں نہ کوئی دقت آئے نہ کسی بیرونی ذریعے یا خارجی مدد کی حاجت پیش آئے۔

پروفیسر سید علیم اشرف جائسی

کورس کوآرڈینیٹر

اندلس میں عربی ادب

(Arabic Literature in Andalus)

اکائی 1   اندلس: فتح اسلامی سے پہلے اور بعد

اکائی کے اجزا

1.1 تمہید
1.2 مقصد
1.3 نام اور وجہ تسمیہ
1.4 جغرافیۂ طبعی
1.5 قومیں اور مذاہب
1.6 علاقوں کی تقسیم
1.7 قدیم تاریخ
1.8 فتح اسلامی سے قبل سماجی حالات
1.9 اندلس پر مسلمانوں کے حملے
1.10 اندلس میں اموی حکومت
1.10.1 اموی ماتحت حکومت
1.10.2 اموی خود مختار حکومت
1.10.3 اموی خلافت
1.11 ملوک الطوائف کا عہد
1.12 مرابطین کا عہد
1.13 موحدین کا عہد
1.14 غرناطہ کی نصری حکومت

1.15 اندلس کی علمی خدمات

1.16 اکتسابی نتائج

1.17 کلیدی الفاظ

1.18 امتحانی سوالات کے نمونے

1.19 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

1.1 تمہید

اسلامی تاریخ میں اندلس کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ مسلمانوں کے ذریعے وہاں ایسی حکومت قائم ہوئی جس نے مشرق کو مغرب سے ملا دیا۔ مسلم فتوحات کے بعد یورپ علمی، ادبی اور تہذیبی و تمدنی اعتبار سے ایک نئے دور میں داخل ہوا۔ اس طرح اندلس نے ایک رابطہ کا کام کیا۔ مسلمانوں کے ذریعے مشرق میں ہونے والی علمی تحقیقات اندلس ہوتے ہوئے مغرب پہنچیں۔ خود اندلس میں مسلمانوں کے آٹھ سو (۸۰۰) سالہ دورِ حکومت میں تہذیب و تمدّن کا فروغ ہوا اور علمی تحقیقات انجام دی گئیں، جن سے اہلِ یورپ نے فیض اٹھایا۔ مسلمانوں کا علمی افادہ وہاں سے ان کے انخلا کے بعد بھی جاری رہا۔ اہلِ یورپ نے ان کی تصانیف سے استفادہ کیا، ان کا یورپی زبانوں میں ترجمہ کیا اور ان پر اپنی تحقیقات کی بنیاد رکھی۔

اندلس پر مسلمانوں نے تقریباً آٹھ سو (۸۰۰) برس تک حکومت کی۔ اس عرصے کو کئی ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(۱) اموی دور: ابتدا میں اندلس اموی خلافت کا ایک صوبہ تھا۔ بعد میں جب عباسی خلافت قائم ہوئی تو اندلس نے عباسی خلافت کو تسلیم نہیں کیا اور اس کی ماتحتی قبول نہیں کی، لیکن اس نے خود کو آزاد خلیفہ بھی نہیں کہلوایا۔ تیسرے دور میں اندلسی حکومت آزاد خلافت بن گئی تھی۔ یہ تینوں ادوار تین سو (۳۰۰) برس سے کچھ زائد عرصے پر محیط ہیں۔

(۲) عہدِ ملوک الطوائف: اندلس میں اموی خلافت کے زوال کے بعد چھوٹے چھوٹے خاندانوں کی بادشاہتیں قائم ہوگئی تھیں۔ مرکزی حکومت کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ ان حکومتوں کی پڑوس کے عیسائی حکمرانوں سے مسلسل جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔

(۳) مرابطین اور موحّدین کی حکومتیں: عیسائی حکومتیں آہستہ آہستہ مسلم علاقوں کو فتح کرتی چلی جا رہی تھیں۔ اس صورت حال میں پہلے افریقہ کے مسلم حکمرانوں نے، جو 'مرابطین' کہلاتے تھے، اندلسی مسلمانوں کی مدد کی اور عیسائیوں کے بڑھتے قدم روک دیے۔ بعد میں یہی کام ایک دوسرے افریقی خاندان نے کیا، جو 'موحّدین' کے نام سے معروف تھا۔ ان دونوں خاندانوں کی مرکزی حکومت افریقہ میں تھی اور اندلس کی حیثیت محض ایک صوبہ کی تھی۔

(۴) غرناطہ میں بنونصر کی سلطنت: اندلس کے علاقے ایک ایک کر کے مسلم اقتدار سے نکلتے جا رہے تھے اور ان پر عیسائی حکومتیں قابض ہوتی جا رہی تھیں۔ صرف جنوب میں بنونصر کی حکومت باقی رہ گئی تھی، جو صرف غرناطہ تک محدود تھی۔ یہ حکومت ڈھائی سو (۲۵۰) برس تک قائم رہی، یہاں تک کہ ۸۹۷ھ/ ۱۴۹۲ء میں اس کا بھی خاتمہ ہو گیا اور اندلس سے مسلم حکمرانی کی بساط لپیٹ دی گئی۔

آئندہ صفحات میں اندلس میں مسلم حکمرانی کے مختلف ادوار پر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی۔ لیکن اس سے پہلے یہ بھی ضروری ہے کہ اندلس کے بارے میں بنیادی معلومات حاصل کر لی جائیں اور یہ بھی جان لیا جائے کہ اس کا محلِّ وقوع اور جغرافیہ کیا ہے؟ اور مسلمانوں کے اندلس پہنچنے سے پہلے وہاں کے سیاسی و سماجی حالات کیا تھے؟

1.2 مقصد

اندلس میں عربی زبان و ادب کی تاریخ اور اس کے مختلف مراحل سے متعلق تفصیلی معلومات حاصل کرنے سے قبل ضروری ہے کہ اس کا

جغرافیہ معلوم ہو، اس کی قدیم تاریخ پر نظر ہو، یہ علم ہو کہ مسلم عہدِ حکمرانی سے قبل وہاں کے سیاسی وسماجی حالات کیا تھے؟ مسلمانوں کا اقتدار وہاں کب قائم ہوا؟ انھوں نے کتنا عرصہ وہاں حکومت کی؟ اپنے دورِ حکمرانی میں انھوں نے وہاں کا نظم کس طرح چلایا؟ اس عرصے میں وہاں تمدنی ترقی کیسے ہوئی؟ علوم وفنون کو کیوں کر فروغ ملا؟ اور عربی زبان وادب کا ارتقا کیسے ہوا؟ کیسے ان کی حکومتیں کمزور ہوئیں اور ان کے مقابلے میں عیسائی حکومتیں طاقتور ہوتی گئیں؟ سقوطِ غرناطہ اور مسلمانوں کی جلاوطنی کیسے ہوئی۔

1.3 نام اور وجہ تسمیہ

برِّ اعظم یورپ کے جنوب مغرب میں ایک جزیرہ نما ہے، جس میں دو ممالک واقع ہیں: ایک اسپین، دوسرا پرتگال۔ اس علاقے کو مختلف قوموں نے مختلف ناموں سے پکارا۔ سب سے پہلے یونانیوں نے اسے 'ایبیریا' (Iberia) کا نام دیا۔ یہ اصلاً ایک یونانی گروہ Iberi کی طرف منسوب ہے۔ رومانیوں نے اسے 'ہسپانیہ' (Hispania) کہا۔ اس لیے کہ یہ رومی سلطنت سے مغرب کی جانب کا ملک Hisperic تھا، جو عربوں کے یہاں 'اسبانیا' ہوگیا۔ بعد میں عرب اہلِ قلم نے اسے 'اندلس' کے نام سے موسوم کیا۔ اس لفظ کی اصل 'واندالس' (Vandalus) یا 'واندال' (Vandal) ہے۔ یہ جرمنی کی ایک قوم کا نام تھا، جو پانچویں صدی عیسوی میں کچھ عرصہ اس علاقے میں رہی تھی۔ اس کے نام سے اس علاقے کا نام 'واندلیسیہ' (Vandalicia) ہوگیا تھا۔ اسی سے لفظ 'اندلس' نکالا گیا۔ بعض حضرات اس کی اصل 'فندلش' یا 'قندلس' قرار دیتے ہیں، جو یونانی ایبیری گروہ کے بعد اندلس کے حکمراں بنے تھے۔ ان کی طرف منسوب کرکے اس علاقے کا نام 'اندلس' پڑا۔

1.4 جغرافیہ طبعی

اندلس یورپ کے جنوب مغربی کونے پر واقع ہے۔ اس کے تین جانب سمندر ہیں۔ (اسی وجہ سے اسے 'جزیرہ نما' کہا جاتا ہے۔) مشرق میں شام کے ساحل سے متصل بحر روم (Mediterranean Sea) کی ایک شاخ ہے، جسے بحر متوسط، بحر شام اور بحر مشرق بھی کہتے ہیں، جب کہ پورا بحر روم براعظم یورپ اور براعظم افریقہ کے درمیان پھیلا ہوا ہے۔ مغرب میں بحر اوقیانوس (Atlantic Ocean) ہے، جسے بحر محیط، بحر ظلمات، بحر مظلم اور بحر اعظم بھی کہا جاتا ہے۔ جنوب میں آبنائے جبل الطارق ہے، جسے بحر زقاق کہتے ہیں۔ اس کا محلِّ وقوع اندلس کا جنوبی گوشہ اور افریقہ کا شمالی گوشہ ہے۔ یہ یورپ کو افریقہ سے جدا کرتی ہے۔ اندلس کا صرف شمالی مشرقی حصہ خشکی سے ملا ہوا ہے۔ اس میں 'جبل برانس' (Pyrenees) واقع ہے۔ اس پہاڑی سلسلے کی وجہ سے یہ علاقہ صدیوں تک یورپ سے علیٰحدہ رہا۔ اس کا یورپ سے رابطہ آٹھویں صدی قبل مسیح میں اس وقت قائم ہوا جب بعض قبائل اس پہاڑی سلسلے کو عبور کرکے اس علاقے میں داخل ہوئے تھے۔

عرب جغرافیہ نویسوں میں سے ادریسی (م ۵۵۹ھ/ ۱۱۶۶ء) نے اندلس کا طول گیارہ سو (۱۱۰۰) میل اور عرض چھ سو (۶۰۰) میل بیان کیا تھا، لیکن دورِ جدید کے محققین نے اس کا طول مشرق سے مغرب کی جانب چھ سو پینتیس (۶۳۵) میل اور عرض پانچ سو دس (۵۱۰) میل بتایا ہے۔ اس کی زمین سطحِ سمندر سے تقریباً دو ہزار (۲۰۰۰) فٹ بلند ہے۔ یہ بلندی مشرق سے مغرب کی طرف کم ہوتی چلی گئی ہے، یہاں تک کہ بحر محیط کی سطح کو پہنچ جاتی ہے۔

اندلس کا طبعی جغرافیہ کافی متنوع ہے۔ اس کی زمین پر چھ (۶) چھوٹے بڑے پہاڑی سلسلے مشرق سے مغرب کی جانب پھیلے ہوئے ہیں:

(۱) جبل برانس (Pyrences): یہ پہاڑوں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ علاقوں کے حساب سے ان کے الگ الگ نام ہیں۔ یہ پہاڑ اندلس کو

فرانس کے علاقوں سے جدا کرتے ہیں۔

(۲) شارات (Sierras): یہ جبل برانس کے جنوب میں واقع ہے۔

(۳) جبال طلیطلہ (Toledo): یہ شارات کے جنوب میں واقع ہے۔

(۴) شارات مورینہ (Sierra Morena): یہ جبال طلیطلہ کے جنوب میں واقع ہے۔ اسی کی ایک شاخ قرطبہ تک آئی ہے، جس سے نہریں کاٹ کر قرطبہ میں شیریں پانی لایا گیا تھا۔

(۵) جبل الثلج (Mons Solorius): اندلس کے جنوب مشرقی گوشے میں واقع ہے۔

(۶) جبل بشارات (Alpwxarras): یہ پہاڑی سلسلہ غرناطہ میں جبل الثلج کے جنوب میں مشرق سے مغرب کی جانب پھیلا ہوا ہے۔

ایک اور پہاڑی سلسلہ 'جبل الطارق' کے نام سے موسوم ہے۔ یہ جنوبی اندلس کے صوبے 'قادس' کے جنوب مشرق میں ایک جزیرہ نما کی شکل میں ہے۔ اس کا طول شمال سے جنوب کی جانب تین (۳) میل اور عرض مشرق سے مغرب کی جانب ایک میل ہے۔ اس کے مغربی جانب ایک خلیج ہے، جسے 'خلیج جبل الطارق' کہا جاتا ہے۔ جبل الطارق کے سامنے پچیس (۲۵) میل کے فاصلے پر شہر 'سبتہ' آباد ہے۔

ان پہاڑوں سے جو دریا نکلے ہیں ان میں سے بعض بحر روم میں، بعض بحر محیط میں اور بعض آبنائے جبل الطارق میں سمندر سے جا ملے ہیں۔ بحر محیط میں گرنے والے دریاؤں کے نام یہ ہیں: وادی النساء، وادی آرو، وادی القرشی، وادی بلش، وادی شقورہ، وادی ابیض، وادی زیتون۔ آبنائے جبل الطارق میں گرنے والے دریا یہ ہیں: وادی لکہ، وادی کبیر، وادی آنہ، وادی مینہ، وادی یلہ۔

اندلس اصلاً زراعتی ملک تھا۔ وہاں مختلف اناج، سبزیاں، پھل پھول، نباتات وغیرہ کاشت کیے جاتے تھے۔ خاص طور پر مسلمانوں نے اپنے عہدِ حکومت میں وہاں زراعت کو خوب ترقی دی۔ زراعت کے لیے دو قسم کی زمینیں تھیں: ایک وہ جہاں دریاؤں اور نہروں سے آب پاشی کا نظم تھا۔ دوسری وہ جہاں کنوؤں سے رہٹ چلا کر پانی پہنچایا جاتا تھا۔ جن علاقوں میں قدرتی آب پاشی کا نظم تھا وہاں ہر قسم کا اناج، پھل، میوے اور خوشبودار نباتات پیدا ہوتی تھیں۔ وہاں بعض معدنیات بھی پائی جاتی ہیں۔ اس جزیرہ نما کے نصف حصے میں پہاڑ اور گھنے جنگلات ہیں، جن میں مختلف حیوانات پائے جاتے ہیں۔ نصف سے کم علاقے میں زراعت ہوتی تھی۔ مسلمانوں نے اپنے عہدِ حکمرانی میں اندلس کے قدرتی ذرائع سے خوب فائدہ اٹھایا، نباتات اور حیوانات میں انواع واقسام کے اضافے کیے اور صنعت وحرفت اور تجارت کی داغ بیل ڈال کر اندلس کو ترقی کے بامِ عروج تک پہنچایا۔

اسپین کے جنوبی حصے کی آب وہوا معتدل ہے، جب کہ شمالی اور مشرقی حصے بہت ٹھنڈے ہیں۔ درمیانی حصہ میدانی ہے، جس میں بعض علاقوں میں بارش کم اور بعض میں زیادہ ہوتی ہے۔ یہ پورا علاقہ کافی سرسبز وشاداب ہے۔ اسی علاقے میں اندلس کے مشہور دریا اور وادیاں ہیں، جیسے وادی کبیر (Guadale) اور وادی لکہ (Guadalete)۔

1.5 قومیں اور مذاہب

اندلس میں سب سے پہلے آباد ہونے والی قوم کا نام عرب مؤرخین کے یہاں 'اندلش' ملتا ہے۔ مغربی مورخین انھیں 'سلسٹ' کا نام دیتے ہیں۔ پھر ایبیری اور لگوری قومیں آئیں۔ اس کے بعد فینیقیوں نے افریقہ کی راہ سے داخل ہو کر اندلس کے جنوبی ساحل پر آبادیاں قائم کیں۔ پھر

قرطاجنی آئے۔ان کے بعد یونانیوں نے اپنی بستیاں بسائیں۔اس طرح مختلف قوموں کے درمیان زمین کے لیے کشمکش شروع ہوئی، الگ الگ حکومتیں قائم ہوئیں اورلڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ دوسری صدی قبل مسیح میں رومیوں نے قرطاجنیوں کوشکست دے کر اقتدار حاصل کیا۔انھوں نے کئی سو برس تک بڑی شان سے حکومت کی۔ رومی سلطنت کے کمزور ہونے کے بعد وہاں خودمختار حکومتیں قائم ہونے لگیں۔ چنانچہ ایک خودمختار حکومت قائم ہوئی جس کے بانی کا نام 'اشبان بن طیطس' تھا۔ یہ رومیوں کا مقابلہ کرتی رہی۔اس میں پچپن (۵۵) حکمراں گزرے۔اس کے بعد ایک دوسری قوم آئی، جس کے سربراہ کا نام 'طویش بن نبط' تھا۔اس کے ستائیس (۲۷) فرمانرواؤں نے حکومت کی۔قوطیوں کے آنے کے بعد ایک نئی قوم وجود میں آئی اوراسپینی قوم کہلائی۔اسپینی قوم میں سب قوموں کی اصل یا مخلوط نسل داخل تھی۔ یہ قومیں اندلس کی لاطینی قوموں سے مل گئیں اورانھوں نے عیسائیت قبول کرلی۔

اندلس میں مسلمانوں کے داخلے سے قبل وہاں تین مذاہب کے ماننے والے پائے جاتے تھے: یہودیت،عیسائیت اور بت پرستی۔قوطی ابتدا میں بت پرست تھے۔مگر رومیوں سے جب ان کی پہلی آویزش ہوئی تو ان میں عیسائیت کی تبلیغ شروع ہوئی۔ بائبل کا قوطی زبان میں ترجمہ کیا گیا، یہاں تک کہ چوتھی صدی عیسوی ختم ہوتے ہوتے پوری قوطی قوم عیسائیت قبول کرچکی تھی۔اس طرح جب مسلمان اندلس میں داخل ہوئے تو وہاں صرف دو مذاہب تھے: عیسائیت اور یہودیت۔ یہود اگرچہ مال ودولت کی وجہ سے اثر ورسوخ رکھتے تھے،لیکن انھیں حاکمانہ حیثیت حاصل نہیں تھی۔اس لیے اندلس میں مسلمانوں کا سابقہ تمام تر عیسائیوں سے پڑا۔

1.6 علاقوں کی تقسیم

جدید اندلس دوحصوں میں منقسم ہے: اسپین اور پرتگال۔قدیم جغرافیہ نویسوں نے اس کی تقسیم مختلف طریقوں سے کی ہے۔بعض نے اسے مشرقی اورمغربی دوحصوں میں تقسیم کیا ہے۔مشرقی اندلس سے مراد ملک کا وہ حصہ ہے جس کے دریا بحرروم میں ملتے ہیں اورمغربی اندلس اس حصے پر مشتمل ہے جس کے دریا بحرمحیط میں گرتے ہیں۔بعض نے اسے مشرقی،مغربی اور وسطی تین حصوں میں تقسیم کیا۔مشہور جغرافیہ داں ادریسی نے اس کی تقسیم دو حصوں میں کی۔ایک حصے کوانھوں نے اشبانیہ اوردوسرے کوقشتالہ کا نام دیا۔اشبانیہ میں وہ حصے شامل تھے جہاں مستقل طور پر اسلامی حکومت قائم ہوئی۔ انھیں اس نے چھبیس (۲۶) اقلیموں میں تقسیم کیا۔جن میں سے ہر حصے کوایک صوبہ سمجھا جاتا تھا۔قشتالہ میں وہ حصے تھے جو عہد اسلامی میں زیادہ تر عیسائیوں کے قبضے میں تھے اوران میں انہی کی مختلف حکومتیں قائم تھیں۔ان کی سرحدیں مسلمانوں کے قبضے اور بے دخلی سے گھٹتی بڑھتی رہتی تھیں۔

معلومات کی جانچ

۱۔ اندلس کو 'ایبیریا' کا نام کس نے دیا تھا؟

۲۔ اندلس کو 'جزیرہ نما' کیوں کہتے ہیں؟

۳۔ جدید محققین کی تحقیق کی روشنی میں نے اندلس کا طول وعرض بتائیے؟

۴۔ جبل الطارق کے سامنے کون سا شہر آباد ہے؟

۵۔ جغرافیہ داں ادریسی نے اندلس کو کتنے حصوں میں تقسیم کیا ہے؟

1.7 قدیم تاریخ

قدیم زمانے میں مختلف قوموں نے اندلس میں سکونت اختیار کی۔ مثلاً ایبیری،کلٹ ،فینیقی ، یونانی ، رومانی،شیوانی، الانی، واندال فرینک اورقوطی (Goths)۔فینیقیوں کے علاوہ دیگر تمام قوموں کا تعلق مشرقی اور وسطی یورپ سے تھا، جومختلف اوقات میں اندلس آئیں اور یہاں رہائش اختیار کیں۔

پانچویں صدی عیسوی کے اوائل میں ایک نئی قوم اندلس میں آئی ، جسے ' گاتھا' (Goths) کہا جاتا تھا۔عرب مصنفین انھیں 'قوطہ' کہتے ہیں۔ یہ لوگ ان قبائل میں سے تھے جنھیں روم کے زوال کے دور میں عروج حاصل ہوا۔ رومی سلطنت سے ان کی جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ گاتھ دو گروہوں میں منقسم تھے: مشرقی حصے میں رہنے والے 'اسٹروگاتھ' (Ostrogoths) کہلاتے تھے اور مغربی حصے میں رہنے والے 'وزی گاتھ' (Visigoths) کے نام سے معروف تھے۔ 'وزی گاتھ' نے سب سے پہلے اندلس کے شمال مشرقی علاقے پر قبضہ کیا، پھر دھیرے دھیرے وہ دوسرے علاقوں پر بھی قابض ہو گئے۔ ان لوگوں کا تعلق کیتھولک چرچ سے تھا، جو وہاں کی اصل آبادی کا مذہب تھا۔ انھوں نے ایک طاقتور سلطنت قائم کی اور تقریباً تین سو (۳۰۰) برس تک پورے اندلس پر حکمرانی کی۔ حکومتی استحکام کے لیے انھیں مذہبی طبقہ اور جاگیرداروں اور امرا سے بھی مدد لینی پڑتی تھی۔ اسی بنا پر وقتاً فوقتاً بادشاہت کے لیے محلاتی سازشیں اور جوڑ توڑ ہوتی رہتی تھی اور بغاوتوں اور شورشوں کا سلسلہ چلتا رہتا تھا۔ ساتویں صدی کے اواخر میں یہودیوں کے خلاف چرچ کی طرف سے سخت قوانین بنائے گئے۔ چنانچہ وہ ان کے خلاف ہو گئے اور ان کی حکومت کو کمزور کرنے کے لیے سازشیں کرنے لگے۔

وزی گاتھ خاندان کا آخری 'وٹیزا' (Witiza) تھا۔ جس نے نظمِ مملکت کو سنبھالا۔ مظالم اور ناانصافیوں کا خاتمہ کیا اور عوام کی فلاح و بہبود کے لیے بہت سے کام کیے۔ اس بنا پر اسے مقبولیت حاصل ہوئی۔ یہودی بھی اس کے نرم رویّے سے خوش تھے۔ لیکن جلد ہی وہ بھی عیش و عشرت میں مبتلا ہو گیا۔ چنانچہ مذہبی طبقہ نے اس پر بالادستی حاصل کر لی۔ حکومت پر بادشاہ وٹیزا کی پکڑ کمزور ہوئی تو ایک سپہ سالار ''رزریق (Rodorick)'' نے اسے معزول کر کے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح گاتھ خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ رزریق گاتھ نسل سے نہ تھا۔ اسے لوگوں میں ہر دل عزیزی حاصل تھی۔ اس نے کامیابی کے ساتھ زمامِ حکومت سنبھالی، لیکن وہ نظمِ مملکت صحیح طریقے سے نہیں چلا سکا۔ بادشاہ بننے کے بعد عیش و عشرت میں مبتلا ہو گیا اور عوام پر ظلم و ستم ڈھانے لگا۔ حکمراں طبقے کے افراد اور کچھ سپہ سالار بھی اس سے ناراض تھے۔ چنانچہ اس کے خلاف کئی بغاوتیں ہوئیں۔ سب سے آخر میں مسلم فوج نے حملہ کر کے ہمیشہ کے لیے اس کا اقتدار ختم کر دیا۔

1.8 فتح اسلامی سے قبل سماجی حالات

وزی گاتھ کے عہدِ حکمرانی میں مذہبی طبقے کو کافی اثر و رسوخ حاصل تھا۔ بشپ اور آرک بشپ امورِ سلطنت میں کافی دخل رکھتے تھے۔ بادشاہ اور ان کے وزرا و مشیرانِ کار مذہبی طبقہ کے ساتھ مل کر نظمِ مملکت چلاتے تھے۔ اس دور میں جاگیرانہ نظام قائم تھا۔ بڑے بڑے جاگیردار اور امرا اپنی فوج رکھتے تھے اور بادشاہوں کی طلب پر انھیں کمک فراہم کرتے تھے۔ شاہی فوج انہی جاگیردارانہ فوجی ٹکڑیوں پر منحصر تھی۔ مذہبی طبقہ کی سیاسی طاقت، جاہ پرستی اور اخلاقی انحطاط نے سماج میں انارکی پھیلا دی تھی۔ ان کے ساتھ حکمراں طبقہ بھی عیش و عشرت میں مبتلا ہو گیا تھا۔ یہودیوں کے ساتھ

دوسرے درجے کے شہریوں جیسا سلوک کیا جاتا تھا۔غلاموں کو جانوروں سے بدتر درجہ حاصل تھا۔عام عیسائیوں کی سماجی حالت بھی بہتر نہ تھی۔بڑھتے اخراجات کو پورا کرنے کے لیےعوام پر بھاری محصول لگائے جاتے تھےاوران کی وصولی کے لیےطرح طرح کے ہتھکنڈے اختیار کیے جاتے تھے۔

وزی گاتھ عہدِ حکومت میں تمدّن کوخوب ترقی ملی تھی اورتجارت کو بھی فروغ ہوا تھا۔اندرونِ ملک تجارتی سرگرمیوں کے ساتھ دوسرے ممالک سے بھی تجارتی تعلقات تھے۔زراعت اور باغبانی بھی خوب ہوتی تھی۔مختلف صنعتیں قائم تھیں۔مال و دولت کی کثرت کی وجہ سے حکمراں اورسر برآوردہ طبقہ عیش کوشی میں مبتلا اور محنت ومشقّت کی زندگی سے دور ہو گیا تھا۔

گاتھ تمدّن میں طرزِ تعمیر کواہمیت حاصل تھی۔گاتھ حکمرانوں نے بہت شاندارشہر بسائے تھے۔ان کی تعمیر کردہ عمارتیں مضبوطی اوراستحکام کے ساتھ خوب صورتی میں بھی بے مثال تھیں۔ان خصوصیات کی وجہ سے گاتھک طرزِ تعمیرفنّی اعتبار سے بلند مقام کا حامل تھا۔

عام آبادی کئی طبقات پر مشتمل تھی۔ہسپانوی اوررومی دوطبقات کے علاوہ ایک ایسا طبقہ بھی تھا جودونوں کے اختلاط سے وجود میں آ گیا تھا۔ایک بڑی تعداد کسانوں پر مشتمل تھی،جو بڑی کس مپُرسی کی حالت میں زندگی گزارتی تھی۔

1.9 اندلس پر مسلمانوں کے حملے

اندلس کے مختلف حصوں پر مسلمانوں کے حملے خلیفۂ سوم حضرت عثمان بن عفانؓ کے عہد ہی سے شروع ہو گئے تھے۔حضرت عثمانؓ نے حضرت عبداللہ بن نافع بن حصین اور حضرت عبداللہ بن نافع بن عبدالقیس کوافریقہ کی راہ سے اندلس پرحملہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ان لوگوں نے بحری راستے سے اندلس پرحملہ کیا،لیکن وہ وہاں زیادہ دنوں تک قیام نہ کر سکے۔دوسرا حملہ حضرت معاویہ بن ابوسفیانؓ کے زمانے میں ہوا۔تیسرا حملہ حضرت نافع بن عقبہ نے کیا۔لیکن یہ حملے عارضی تھے،جواندلس کوفتح کرنے اوراس پر قبضہ کرنے کی نیت سے نہیں کیے گئے تھے۔فتح کے ارادے سے کیا جانے والا حملہ اصلاً وہ ہے جو طارق بن زیاد کی سرکردگی میں کیا گیا تھا۔

مراکش سے متصل علاقہ 'سبتہ' (Ceuta) کاؤنٹ جولین (Count Julian) اسپین کی حکومت کے ماتحت تھا۔اس زمانے میں مرکزی سلطنت کے ماتحت امرا کے بچے تہذیب وادب سیکھنے کے لیے شاہی محل جایا کرتے تھےاور وہاں کچھ عرصہ گزارتے تھے۔اس عام رسم کے مطابق جولین کی لڑکی فلورنڈا،رزریق کے شاہی محل میں رہتی تھی۔رزریق اس کے حسن وجمال پرفریفتہ ہوگیااوراس سے بدکرداری کر بیٹھا۔بیٹی نے باپ کواس حادثہ کی اطلاع دی تواس کی غیرت نے جوش مارااوراس نے رزریق سے انتقام لینے کامنصوبہ بنایا۔اس نے شمالی افریقہ کی مسلم حکومت کو اندلس پرحملہ کرنے کی دعوت دی۔اس زمانے میں خلافت اموی کے تحت شمالی افریقہ پر موسیٰ بن نصیر حاکم تھا۔اس نے جولین کی دعوت قبول کرتے ہوئے پہلے اندلس پر چھوٹے چھوٹے حملے کیے،پھران مہمّات کو کامیاب ہوتا ہوا دیکھ کرایک بڑے حملے کی تیاری کی اور ۹۲ھ/ ۷۱۱ء میں اپنے آزاد کردہ غلام اور لائق اعتماد سپہ سالار طارق بن زیاد کوایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ روانہ کیا۔

طارق بن زیاد نے اپنے بحری جہاز اسپین کے جنوبی مغربی کنارے ایک پہاڑی پراتارے،جس کا نام بعد میں اس کے نام پر 'جبل الطارق' (Jibraltar) پڑ گیا۔اس نے اپنے ماتحت سپہ سالاروں کے ذریعے قرب وجوار کے کئی اہم شہروں پر قبضہ کرلیا۔جلد ہی رزریق کی فوج سے مسلم فوج کا تصادم 'وادی باربطہ' (Rio-Barbeta) میں ہوا،جس میں رزریق مارا گیااوراس کی فوج کو بدترین شکست ہوئی۔اس کے مرتے ہی اسپین کی مرکزی

حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ بعد میں بعض علاقوں میں مقامی طور پر مسلم فوج کا مقابلہ کیا گیا، ورنہ زیادہ تر علاقے بغیر مقابلہ آرائی کے فتح ہو گئے۔

موسیٰ بن نصیر نے اسپین کے مغربی حصے سے اپنی فتوحات کا آغاز کیا۔ مختلف علاقوں کو فتح کرتے ہوئے وہ طلیطلہ پہنچا تو وہاں طارق بن زیاد سے اس کی ملاقات ہوئی۔ بعد میں دونوں نے مشترکہ طور پر اپنی فتوحات جاری رکھیں۔ اس طرح گنتی کے چند علاقوں کو چھوڑ کر اسپین کے تمام وسطی اور مرکزی علاقے فتح ہو گئے اور اسپین اموی خلافت کا ایک صوبہ قرار پایا۔

معلومات کی جانچ

۱۔ گاتھ قبیلے پر تفصیل سے روشنی ڈالیے۔

۲۔ وزی گاتھ کے عہد حکمرانی پر ایک نوٹ لکھیے۔

۳۔ اندلس پر مسلمانوں کے حملوں کے بارے میں اپنے معلومات قلم بند کیجیے۔

۴۔ اندلس پر طارق بن زیاد کے حملے کی تفصیل بتائیے۔

۵۔ قدیم زمانے میں کن قوموں نے اندلس میں سکونت اختیار کی؟

1.10 اندلس میں اموی حکومت

موسیٰ بن نصیر اور اس کے ماتحت سپہ سالار طارق بن زیاد نے اندلس کے بڑے حصے کو فتح کر لیا تھا اور وہاں مسلم حکومت قائم کر دی تھی۔ یہ حکومت اموی خلافت کے ماتحت تھی۔ ان دونوں کو اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک نے واپس بلا لیا تو موسیٰ نے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو اندلس کا گورنر بنا دیا۔ اس کے دور میں حکومت کو استحکام حاصل ہو گیا تھا اور فتوحات کا سلسلہ بھی جاری تھا۔

1.10.1 اموی ماتحت حکومت

فتح اندلس سے خلافتِ اموی کے خاتمے (۱۳۸ھ/ ۷۵۴ء) تک اندلس خلافتِ اموی کا ایک ذیلی صوبہ تھا، لیکن اس پر گورنر افریقہ کی بالادستی قائم تھی۔ یعنی یوں تو اس کی تقرری مرکزی خلافت کے ذریعے ہوتی تھی، لیکن عملاً اسے گورنر افریقہ کی ماتحتی میں رکھا گیا تھا۔

یہ دور تقریباً نصف صدی پر محیط ہے۔ اس میں بیس (۲۰) سے زائد گورنروں نے اندلس کی زمامِ اقتدار سنبھالی۔ ان لوگوں کے عیسائی حکمرانوں کے ساتھ مسلسل جنگی معرکے ہوتے رہے، جن میں کبھی مسلم فوج کو فتح حاصل ہوتی اور اس کے نتیجے میں کچھ علاقے مسلم حدودِ مملکت میں شامل ہو جاتے، کبھی عیسائیوں کو فتح حاصل ہوتی تو کچھ علاقے خلافتِ اسلامی سے نکل جاتے۔ ساتھ ہی مسلمانوں کے باہمی اختلافات نے سر ابھارا۔ عربوں اور بربروں، اسی طرح عرب قبائل میں مضری اور یمنی قبیلوں میں منافرت بڑھتی چلی گئی، جس نے خانہ جنگی کی صورت اختیار کر لی۔ عیسائی حکمرانوں نے اس کا خوب فائدہ اٹھایا۔ مسلم خانہ جنگی سے اندلس کی اسلامی حکومت کمزور ہوتی چلی گئی۔ مرکزی حکومت کی جانب سے اس پر قابو پانے کی کوشش کی جاتی رہی، لیکن اس میں کامیابی نہیں مل سکی۔

اس عہد میں اندلس کے حکمرانوں نے جنگی مصروفیات کے باوجود زیر قبضہ علاقوں کا نظم ونسق درست کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ انھوں نے مختلف انتظامی، سیاسی، مالی اور تہذیبی ادارے قائم کیے۔ عدالت کا نظام مستحکم کیا، تعلیمی ادارے کھولے، شہروں کے گرد فصیلیں تعمیر کروائیں، زراعت

اور تجارت کو خوب ترقی دی، عیسائیوں، یہودیوں اور دیگر شہریوں کو مراعات دیں، سڑکوں اور پلوں کی تعمیر پر خاص توجہ دی، راستوں کی حفاظت کے لیے چوکیاں قائم کیں۔ الغرض اس عہد میں تمدّن کو خوب فروغ ملا۔

1.10.2 اموی خودمختار حکومت

خودمختار اموی حکومت کا آغاز مشرق میں اموی خلافت کے خاتمے اور عباسی خلافت کے قیام سے ہوا۔ اس عہد میں سات (۷) حکمراں ہوئے، جنھوں نے ڈیڑھ سو (۱۵۰) برس سے کچھ زائد عرصہ (۱۳۸ھ/ ۷۵۴ء۔ ۳۰۰/ ۹۱۲ء) تک حکومت کی۔

عباسی خلافت کے قیام کے بعد جب اموی خاندان کے افراد کی پکڑ دھکڑ شروع ہوئی تو ان میں سے بہت سوں نے راہِ فرار اختیار کی۔ ان میں سے ایک شہزادہ عبدالرحمٰن بن معاویہ تھا۔ وہ دمشق سے فرار ہو کر دشوار گزار راستہ طے کر کے شمالی افریقہ پہنچا، جہاں اس کی بربر ماں کا قبیلہ آباد تھا۔ پھر بعض قبائلی سرداروں کی مدد سے وہ اندلس پہنچا۔ چونکہ اس نے بہت سخت اور دشوار گزار حالات میں اندلس میں داخل ہونے کی جرأت کی تھی، اس بنا پر وہ 'الداخل' کہلایا اور یہ لقب اس کے نام کا جز بن گیا۔

اندلس میں مختلف قبائل کے سرداروں نے عبدالرحمٰن کا استقبال کیا اور اس کی اطاعت کر لی۔ چنانچہ اس کی امارت کا اعلان کر دیا گیا۔ تھوڑے ہی عرصے کے بعد اس کی فوج نے اندلس کے گورنر یوسف فہری کی فوج کو شکست دے کر قرطبہ پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح وہ متفقہ طور پر امیرِ اندلس بن گیا۔ ابتدا میں عبدالرحمٰن الداخل نے اسلامی خلافت کی مرکزیت کو تسلیم کرتے ہوئے دوسرے عباسی خلیفہ منصور کے نام کا خطبہ پڑھا، لیکن ایک برس کے بعد ہی اندلس کو آزاد حکومت قرار دیا اور خودمختار حکمراں بن گیا۔

عبدالرحمٰن الداخل کے زمانۂ حکمرانی میں کئی بغاوتیں ہوئیں، لیکن وہ ان سب کو فرو کرنے میں کامیاب ہوا۔ پڑوس کی عیسائی حکومتوں سے بھی اس کی کئی مرتبہ جنگیں ہوئیں، جن کا اختتام کبھی صلح تو کبھی جزیہ وصول کرنے پر ہوتا تھا۔ اندرونی بغاوتوں اور غیر ملکی حملوں سے نپٹنے کے ساتھ عبدالرحمٰن نے اپنی مملکت کے استحکام کے لیے مختلف انتظامی، سیاسی، فوجی اور اقتصادی اقدامات کیے۔ اس نے پوری مملکت کو صوبوں میں تقسیم کر کے انتظامی شعبے قائم کیے، فوجی نظام کی اصلاح کی، مجلسِ شوریٰ تشکیل دی، قرطبہ کی فصیل بنوائی، اس میں جامع مسجد اور قصرِ امارت کی تعمیر کروائی اور علوم و فنون کی بھی سرپرستی کی۔

عبدالرحمٰن الداخل کے جانشینوں کے زمانوں میں نظامِ حکومت میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی۔ اندرونی بغاوتوں اور عیسائی حکومتوں سے جنگوں کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ یہ حکمراں باصلاحیت اور علم و فضل کے قدرداں تھے۔ چنانچہ ان کے دور میں رفاہِ عام کے خوب کام ہوئے، زندگی کے تمام شعبوں میں ترقی ہوئی اور علوم و فنون کو بھی فروغ ہوا۔

1.10.3 اموی خلافت

تیسرے دور میں اندلس کی اموی حکومت خودمختار خلافت میں تبدیل ہو گئی تھی۔ یہ دور تقریباً سوا سو برس (۳۰۰ھ/ ۹۱۲ء-۴۲۱ھ/ ۱۰۳۱ء) پر محیط ہے۔ اس کا آغاز عبدالرحمٰن سوم سے ہوتا ہے۔ اس نے اپنے لیے خلیفہ اور 'الناصر لدین اللہ' کا خطاب اختیار کر لیا۔ اس نے اندلس کو آزاد ریاست بنا دیا۔ اس طرح اندلس کی اموی حکومت عباسی خلافت کے بالکل متوازی، آزاد اور خودمختار خلافت بن گئی تھی۔ عبدالرحمٰن نے پچاس (۵۰)

برس حکومت کی۔ اس کا عہد اندلس کی اسلامی تاریخ کا زرّیں عہد کہلاتا ہے۔ اس نے اندرونی بغاوتوں کا خاتمہ کیا اور عیسائی سلطنتوں کو باج گزار بنایا۔ اس کے دور میں انتظامی اداروں نے بھی خوب ترقی کی، ملک معاشی طور پر خوش حال ہوا اور تہذیب وتمدّن اور علوم وفنون کو بھی خوب فروغ ملا۔

عبدالرحمٰن کے عہد میں قرطبہ تہذیب وتمدّن کا گہوارہ اور علوم وفنون کا مرکز بن گیا تھا۔ اس کے شمال مغرب میں تین میل کے فاصلے پر اس نے مورینہ کی پہاڑیوں پر ایک نیا شہر مدینۃ الزہرا کے نام سے آباد کیا، جو اس کی چہیتی بیوی کے نام سے موسوم تھا۔ عبدالرحمٰن عظیم سیاست داں تھا۔ اس کے مثالی نظمِ حکومت کی بنا پر اندلس اس کے عہد میں عالمِ اسلام کا مرکز بن گیا تھا۔

عبدالرحمٰن سوم کے جانشین حکم دوم نے سولہ (۱۶) برس حکومت کی۔ اس کے دور میں مرکزی حکومت کا سابقہ وقار قائم رہا۔ حکومت کی سیاسی طاقت، معاشی مضبوطی، انتظامی قوت، علمی وفنّی ترقی اور تمدّنی عروج باقی رہا۔ اس نے عیسائی سلطنتوں کے خلاف کامیاب فوجی کارروائیاں کیں اور انھیں اپنا باج گزار بنا کر رکھا۔ اسے علوم وفنون سے خاص دلچسپی تھی۔ اس نے قرطبہ میں ایک عظیم الشان کتب خانہ قائم کیا، جس میں دنیا بھر سے لاکھوں کتابیں منگا کر جمع کیں۔ اسی طرح قرطبہ یونیورسٹی کو ترقی دی، اس کے لیے نئی عمارتیں تعمیر کرائیں، قابل اساتذہ کا تقرر کیا اور طلبہ کو گراں قدر وظیفے دیے، جس کی بنا پر اس یونیورسٹی کو اتنی شہرت حاصل ہوگئی تھی کہ طلبہ دور دور سے، حتّٰی کہ یورپی ممالک سے بھی اس کا رخ کرتے تھے۔

خلیفہ حکم دوم کے بعد اموی خلافت کی عظمت وسطوت برقرار نہ رہ سکی اور اس کا زوال شروع ہو گیا۔ اس لیے کہ اس کے بعد اس کا گیارہ (۱۱) سالہ فرزند ہشام دوم اس کا جانشین ہوا، جس کی پکڑ امورِ مملکت پر مضبوط نہ رہ سکی۔ اس کے دور میں محمد بن عامر نے درباری سازشوں کے ذریعے 'حاجب' (وزیر اعظم) بن کر تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں مرکوز کر لیے اور خلیفہ عملاً قیدی بن کر رہ گیا۔ ابن عامر نے اپنے لیے 'المنصور باللہ' کا لقب اختیار کیا۔ اس کا چوبیس (۲۴) سالہ عہد فوجی کارروائیوں کا زمانہ تھا، جس میں اس نے ستاون (۵۷) مہموں کی قیادت کی اور ہر ایک میں فتح حاصل کی۔ اس کے فرزند اور جانشین عبدالملک المظفر کے چھ (۶) سالہ دور میں بھی اسلامی حکومت کا اقتدار حسب سابق بحال رہا اور عیسائی سلطنتیں اس کی فوجی طاقت تسلیم کرتے ہوئے اس کی باج گزار بنی رہیں۔ لیکن اس کے انتقال کے بعد نظامِ مملکت اضمحلال اور افراتفری کا شکار ہو گیا۔ حکمراں آتے جاتے رہے، یہاں تک کہ ہشام سوم (م ۴۲۱ھ/ ۱۰۳۱ء) کے ساتھ اموی خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔

معلومات کی جانچ

۱۔ موسیٰ بن نصیر کے بعد کون اندلس کا گورنر بنا تھا؟

۲۔ اندلس میں خود مختار اموی امارت کس نے قائم کی؟

۳۔ مدینۃ الزہرا کس کے نام سے موسوم ہے؟

۴۔ قرطبہ میں عظیم الشان کتب خانہ کس نے قائم کیا تھا؟

۵۔ محمد بن عامر کی شخصیت پر روشنی ڈالیے۔

1.11 ملوک الطوائف کا عہد

اندلس کی سیاسی ابتری کا آغاز ۴۰۰ھ/ ۱۰۰۹ء ہی سے ہو گیا تھا۔ مرکزی حکومت ختم ہو گئی تھی اور ہر طرف افراتفری مچی ہوئی تھی۔ چھوٹی

چھوٹی تقریباً تین درجن سلطنتیں بن گئی تھیں، جن کے حکمراں 'ملوک الطوائف' کہلاتے تھے۔ قرطبہ، مالقہ، غرناطہ، سرقسطہ، طلیطلہ اور اشبیلیہ وغیرہ میں الگ الگ خاندانوں کی حکومتیں تھیں۔ یہ حکمراں خود کمزور تھے اور دوسروں کو کمزور کرتے رہتے تھے۔ ان میں آپس میں جنگیں ہوتی رہتی تھیں اور وہ اپنی حکومت کی برقراری کے لیے عیسائی حکمرانوں سے مدد لیتے تھے۔

ملوک الطوائف کا عہد تقریباً اسّی (۸۰) برس پر محیط ہے۔ اس عہد کے مسلم حکمراں عموماً عیسائی حکومتوں کے رحم وکرم پر رہتے تھے۔ ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر عیسائی حکمرانوں نے پیش قدمی کی اور کئی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔

1.12 مرابطین کا عہد

عیسائی حکمرانوں کے فوجی اقدامات اور اندلس کے مختلف علاقوں پر قبضہ سے گھبرا کر کئی مسلم حکمرانوں نے افریقہ کے ایک حکمراں خاندان سے مدد طلب کی، جو 'مرابطین' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس خاندان نے اندلس پر تقریباً ستّر (۷۰) برس (۴۷۹ھ/ ۱۰۸۶ء تا ۵۴۰ھ/ ۱۱۴۵ء) حکومت کی۔

خاندان مرابطین کا بانی حکمراں یوسف بن تاشفین تھا۔ عیسائی حکمرانوں، خاص طور پر الفانسو چہارم کی بڑھتی ہوئی طاقت کا مقابلہ کرنے کے لیے بعض مسلم حکمرانوں نے اسے اندلس آنے کی دعوت دی۔ یوسف بن تاشفین نے ان کی مدد کرنا اپنا دینی فریضہ اور ملّی تقاضا سمجھا۔ اس نے اندلس کی سرزمین میں اپنی فوج اتار دی اور زلاقہ کی جنگ (۴۸۰ھ/ ۱۰۸۷ء) میں الفانسو چہارم کو بدترین شکست دی اور مسلم اقتدار بحال کر کے واپس افریقہ چلا گیا۔

الفانسو کو اگرچہ یوسف بن تاشفین کے مقابلے میں ہزیمت اٹھانی پڑی تھی، لیکن اس کی طاقت اب بھی موجود تھی۔ وہ مسلم حکمرانوں کو اپنا ماتحت بنانے پر قادر تھا۔ اس نے اپنی طاقت کے بل پر مسلم علاقوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ ان علاقوں کے مسلم حکمرانوں نے ایک بار پھر یوسف بن تاشفین سے مدد کی درخواست کی۔ یوسف نے محسوس کیا کہ جب تک اندلس پر قبضہ کر کے ایک مرکزی سلطنت قائم نہ کر دی جائے، عیسائی خطرہ کا سدّ باب ممکن نہیں۔ چنانچہ اس نے ۴۸۳ھ/ ۱۰۹۰ء میں پھر اندلس کا رخ کیا اور یکے بعد دیگرے غرناطہ، قرطبہ، اشبیلیہ، باجہ، بلنسیہ اور سرقسطہ وغیرہ اس کے قبضے میں آتے گئے، یہاں تک کہ اندلس کے بڑے حصے پر اس کا اقتدار قائم ہو گیا۔ یوسف بن تاشفین کے بعد اس کے بیٹے علی بن یوسف نے حکومت کی، لیکن آہستہ آہستہ اس کے ہاتھ سے اندلس کا اقتدار پھسلنے لگا۔ کئی علاقوں پر عیسائی حکمرانوں نے قبضہ کر لیا۔ بعض علاقوں میں مسلم حکمرانوں نے بغاوتیں کر کے اپنی آزاد اور خود مختار سلطنتیں قائم کر لیں۔ اس طرح رفتہ رفتہ پھر طوائف الملوکی کا دور دورہ ہو گیا۔ دوسری طرف شمالی افریقہ میں مرابطین کو ایک نئی سیاسی اور فوجی قوت سے لڑنا پڑا۔ یہ 'موحدین' تھے، جنھوں نے ۵۴۲ھ/ ۱۱۴۷ء میں مرابطین کی سلطنت کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔

1.13 موحّدین کا عہد

اندلس میں جب مرابطین کو زوال ہوا تو ایک بار پھر وہاں طوائف الملوکی کا دور دورہ ہو گیا۔ اس سے فائدہ اٹھا کر عیسائی سلطنتوں نے اندلس کے مختلف علاقوں پر یکے بعد دیگرے قبضہ کر لیا۔ اس صورت حال میں اندلس کی بعض آزاد سلطنتوں کے حکمرانوں نے ایک بار پھر شمالی افریقہ

کے ایک حکمراں خاندان کو، جو 'موحّدین' کہلاتا تھا، مدد کے لیے پکارا۔

موحّدین کی قیادت عبدالمومن کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے اندلس کے معاملے میں ۵۴۰ھ/ ۱۱۴۵ء سے دلچسپی لینی شروع کردی۔ لیکن یہ دلچسپی ابتدا میں صرف سفارتی کارروائیوں تک محدود رہی۔ ۵۵۸ھ/ ۱۱۶۲ء میں اس نے فوجی حملے کا منصوبہ بنایا، لیکن جلد ہی اس کی وفات ہو جانے کی وجہ سے اس پر عمل نہ ہو سکا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ابو یعقوب یوسف اس کا جانشین ہوا۔ اس نے فوجی اقدامات کیے اور دھیرے دھیرے اشبیلیہ، قرطبہ، مالقہ، غرناطہ اور اندلس کے دیگر علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ ۵۸۰ھ/ ۱۱۸۴ء میں اس کی وفات کے بعد یعقوب المنصور حکمراں بنا۔ اس نے پندرہ (۱۵) برس تک حکومت کی۔ اندلس میں اس کے کامیاب فوجی اقدامات کے نتیجے میں عیسائی حکمرانوں کو شکست ہوئی اور وہ صلح پر مجبور ہوئے۔ منصور کے بعد اس کا جانشین محمد الناصر اندلس میں اپنے اقتدار کو سنبھال نہ سکا اور اس کا زوال شروع ہو گیا۔ عیسائی حکمرانوں نے اپنی فوجی طاقت مجتمع کی، اپنے اختلافات دور کر کے آپس میں اتحاد پیدا کیا اور باقاعدہ صلیبی جنگ کا اعلان کر دیا۔ کئی محاذوں پر موحّدین سے ان کی جنگ ہوئی، جن میں انھوں نے موحّدین کو زبردست شکست دی۔ موحّدین اپنے اقتدار کو سنبھال نہ سکے، یہاں تک کہ ۶۲۰ھ/ ۱۲۲۳ء میں اندلس سے ان کے اقتدار کا پوری طرح خاتمہ ہو گیا۔

1.14 غرناطہ کی نصری حکومت

اندلس میں موحّدین کے زوال کے ساتھ عیسائیوں کی طاقت برابر بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ عیسائی سلطنتوں نے متّحد ہو کر مسلم علاقوں پر حملے شروع کر دیے تھے اور کوئی مسلم حکمراں ایسا نہ تھا جو ان کی کچھ خاص مزاحمت کر سکے۔ چنانچہ عیسائی رفتہ رفتہ مسلم علاقوں پر قابض ہوتے جا رہے تھے۔ سیاسی افراتفری کے اس دور میں کئی قسمت آزماؤں نے مختلف علاقوں میں اپنی آزاد مملکتیں قائم کر لی تھیں۔ ان میں سے ایک عرب سردار محمد بن یوسف بن نصر، جس کا تعلق قبیلۂ بنو احمر سے تھا، وہ اندلس کے ایک چھوٹے سے شہر کا حاکم تھا۔ اس نے فوجی طاقت مجتمع کی اور غرناطہ پر قبضہ کر کے اسے اپنا دارالسلطنت بنایا۔

غرناطہ کی نصری حکومت ڈھائی سو (۲۵۰) برس تک قائم رہی۔ اس عرصے میں پچیس (۲۵) حکمراں بنے۔ اس کا دورِ عروج ابتدائی ستّر (۷۰) برس کا زمانہ ہے، جب اس کے بانی محمد اوّل اور اس کے جانشین محمد دوم نے حکومت کی۔ محمد اوّل نے سلطنت کی بنیاد رکھنے کے بعد بڑی دور اندیشی سے اس کو ترقی دی۔ اس نے ایک طرف عیسائی حکمرانوں سے دوستانہ تعلّقات قائم کر کے اپنی سلطنت کو بیرونی دشمنوں سے محفوظ رکھا اور دوسری طرف اندرونی طور پر اس کی ترقی اور استحکام کے کام کیے۔ اس نے مساجد، مدارس اور شفا خانے قائم کیے، سڑکیں اور پل بنوائے، تجارت و زراعت اور صنعت و حرفت کو ترقی دی، الحمرا شہر کی ابتدائی عمارتیں تعمیر کرائیں۔ اس کے جانشین محمد دوم نے بھی کامیابی کے ساتھ نظمِ مملکت سنبھالا۔ اس نے عرب سرداروں کی بغاوتیں فرو کیں اور عیسائی حکمرانوں کے حملوں کو پسپا کیا۔ علوم و فنون کی ترقی کے بھی کام کیے۔

غرناطہ کے بعد کے حکمراں صحیح جانشین ثابت نہیں ہوئے۔ ان میں سے زیادہ تر محلاتی سازشوں کا شکار رہے۔ اسی بنا پر ان میں سے کئی مقتول ہوئے، کئی زہر سے مار دیے گئے، کئی معزول اور مقیّد ہوئے اور کئی دوسرے طریقوں سے تخت سے ہٹا دیے گئے۔ ان سازشوں میں ہمیشہ عیسائی طاقتوں کا ہاتھ رہا۔ اسی وجہ سے یہ لوگ عیسائی حکمرانوں کے جائز و ناجائز مطالبات کے آگے بے چوں و چرا سر جھکائے رہتے تھے۔ عیسائی

حکمرانوں نے انھیں کبھی سکون سے نہیں رہنے دیا۔

قشتالیہ اور اراگون کی عیسائی سلطنتوں نے متحد ہو کر غرناطہ کی مسلم حکومت کو ختم کرنے کا تہیہ کر لیا۔ ان کی پیش قدمی کے نتیجے میں ۸۹۰ھ/ ۱۴۸۵ء میں روانداء، اس کے دوسال بعد مالقہ اوراس کے دوسال بعد المیر یا پران کا قبضہ ہوگیا اورغرناطہ کی حکومت صرف شہر تک محدود ہوکررہ گئی۔ بالآخر ۸۹۸ھ/ ۱۴۹۲ء کوغرناطہ پر قبضہ کر کے اس کے آخری حکمراں ابوعبداللہ کو جلاوطن کر دیا گیا۔اس طرح سقوطِ غرناطہ کے ساتھ اندلس سے مسلم حکمرانی کا خاتمہ ہوگیا۔

1.15 اندلس کی علمی خدمات

یورپ کی علمی تاریخ میں اندلس کا نام بڑی عزّت اور احترام سے لیا جاتا ہے۔اس لیے کہ وہاں مسلمانوں نے ایسی تہذیب اورتمدّن کو پروان چڑھایا،جس کے غیر معمولی اثرات یورپ کی علمی نشاۃ ثانیہ پر پڑے۔

اندلس میں علمی وفکری سرگرمیوں کا آغاز وہاں اموی امارت کے قیام (۱۳۸ھ/ ۷۵۴ء) سے ہوا۔عبدالرحمٰن الداخل بڑا علم دوست تھا۔اس نے اہلِ علم کی خوب سرپرستی کی۔عبدالرحمٰن دوم کوعقلی اورادبی علوم سے خاص دلچسپی تھی۔اس کے عہد میں سرکاری کتب خانے میں کتابوں کا غیر معمولی اضافہ ہوا۔ بعد کے حکمرانوں:عبدالرحمٰن ناصر اورحکم دوم کے ادوار میں بھی اندلس نے علمی میدان میں خوب ترقی کی۔سرکاری گماشتے مشرق کی اسلامی دنیا میں گھومتے پھرتے تھے اوروہاں منظرِ عام پرآنے والی کتابیں حاصل کر کے بھیجتے رہتے تھے،جنھیں قرطبہ کے شاہی کتب خانے میں جمع کر دیا جاتا تھا۔اس طرح اس میں مختلف علوم وفنون کی چارلاکھ سے زائد کتابیں اکٹھا ہوگئی تھیں۔قرطبہ یونیورسٹی میں دینی علوم کے ساتھ طبیعیات، ریاضی،فلکیات اور کیمیا کے مضامین بھی پڑھائے جاتے تھے۔

اندلس کے علمی روابط مشرقی ممالک سے بھی قائم تھے۔لوگ اندلس سے تحصیلِ علم کے لیے مشرق کے علمی مراکز جاتے تھے اور مشرق کے اہلِ علم اندلس میں علم کی قدردانی سن کر وہاں کا رخ کرتے تھے۔اسی طرح یورپی ممالک سے یہودی اورعیسائی طالبانِ علم بڑی تعداد میں اندلس کا قصد کرتے تھے اوروہاں اپنے مسلم اساتذہ سے کسبِ فیض کرتے تھے۔حکم دوم نے مسلمانوں کے ساتھ یہودی اورعیسائی اصحابِ علم کی بھی سرپرستی کی اوران کواپنے دربار میں جگہ دی۔اس طرح تمام مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان علمی تعلقات ہوگئے تھے۔قرطبہ،اشبیلیہ،طلیطلہ اندلس کے اہم علمی مراکز تھے،جن میں طلبہ ہزاروں کی تعداد میں قیام کر کے فیض اٹھاتے تھے۔اندلس کے شہروں میں عموماً مساجد کے ساتھ مدارس بھی قائم تھے۔تعلیمی میدان میں مردوں کے ساتھ خواتین بھی شریک تھیں۔اسلامی علوم میں تفسیر،حدیث،سیرت،فقہ،تصوّف اورعلم کلام وغیرہ میں اندلسی علما کی اہم خدمات ہیں۔علم تفسیر میں ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری (م ۶۷۱ھ/ ۱۲۷۲ء) کی **الجامع لأحكام القرآن**، جو'تفسیر قرطبی' کے نام سے بھی معروف ہے، قاضی ابوبکر ابن العربی المالکی (م ۵۴۳ھ/ ۱۱۴۸ء) کی **أحكام القرآن**،ابوحیّان (م ۷۴۵ھ/ ۱۳۴۴ء) کی **البحر المحيط**، ابن عطیہ (م ۵۴۶ھ/۱۱۵۱ء) کی **المحرر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز** جیسی اہم تفسیریں وہاں لکھی گئیں۔ابن عبدالبر (وفات ۴۶۳ھ/ ۱۰۷۱ء) کوحدیث، فقہ اورسیرت میں کمال حاصل تھا۔اندلس میں فقہ مالکی کوخوب فروغ ملا اور وہاں متعدد بڑے فقہا پیدا ہوئے۔علامہ ابن رشد (م ۵۹۵ھ/ ۱۱۹۸ء) کوفقہ،طب اورفلسفہ،تینوں علوم میں مہارت حاصل تھی۔ان کی تصانیف میں فقہ میں **بداية المجتهد و نهاية المقتصد**،

طب میں کتاب الکلیات اور فلسفہ میں تہافت التہافت غیر معمولی شہرت رکھتی ہیں۔ دیگر میدانوں میں بھی بہت سے ماہرین پیدا ہوئے، مثلاً فلسفہ میں ابن باجہ (م ۵۳۳ھ/ ۱۱۳۸ء)، تصوف میں ابن عربی (م ۶۳۸ھ/ ۱۲۴۰ء)، تاریخ میں ابن الخطیب (م ۷۷۶ھ/ ۱۳۷۴ء)، جغرافیہ میں شریف ادریسی (م ۵۵۶ء/ ۱۱۶۶ء) علم نباتات میں ابن جلجل (م ۳۸۴ھ/ ۹۹۴ء)، ابن بیطار (م ۶۴۶ھ/ ۱۲۴۸ء) اور طب میں ابو القاسم زہراوی (م ۴۰۴ھ/ ۱۰۱۳ء)، ابوالعلا ابن زہر (م ۵۵۷ھ/ ۱۱۶۱ء) اور ابن ابواصیبعہ (م ۶۶۸ھ/ ۱۲۷۰ء) کو عالمی شہرت حاصل ہوئی۔

اندلس میں عربی زبان وادب اور شاعری کو بھی خوب فروغ ملا۔ اس کا آغاز وہاں اموی حکومت کے قیام کے بعد ہی سے ہو گیا تھا۔ اس پر مشرقی عربی ادب وشاعری کے اثرات پورے طور پر پائے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ اندلس کے ادبا وشعرا مشرق ہی کو اپنا تہذیبی مرکز سمجھتے تھے۔ مشرق کے ادبا وشعرا نے اندلس میں قیام پذیر ہو کر اندلسی ادب وشعر کو ترقی کی بلندیوں تک پہنچایا اور اندلسی ادبا وشعرا نے ان سے برابر کسبِ فیض کیا۔ اس میدان میں جن حضرات کو شہرت ملی ان میں ابن عبد ربہ (م ۳۲۸ھ/ ۹۴۰ء)، ابن شھید (م ۴۲۷ھ/ ۱۰۳۵ء)، ابن زیدون (م ۴۶۳ھ/ ۱۰۷۰ء)، ابن حزم (م ۴۵۷ھ/ ۱۰۶۴ء)، ابن سیدہ (م ۴۵۸ھ/ ۱۰۶۶ء)، ابن مالک (م ۶۷۲ھ/ ۱۲۷۴ء) اور ابو حیان (م ۷۴۵ھ/ ۱۳۴۴ء) خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

معلومات کی جانچ

۱۔ خاندان مرابطین کا بانی حکمراں کون تھا؟

۲۔ اندلس میں سیاسی افراتفری کے زمانے میں جو لوگ مختلف علاقوں کے حکمراں بنے، انھیں کیا کہتے ہیں؟

۳۔ عبدالمومن کا تعلق کس حکمراں خاندان سے تھا؟

۴۔ غرناطہ کی نصری حکومت کتنے برس قائم رہی؟

۵۔ غرناطہ کا سقوط کس سنہ میں ہوا؟

1.16 اکتسابی نتائج

یورپ کے جنوب مغرب میں ایک جزیرہ نما 'اسپین' ہے۔ یہ زمانۂ قدیم میں 'ایبیریا' کہلاتا تھا۔ مسلمانوں نے اسے 'اندلس' نام دیا۔ اس کے تین جانب سمندر اور ایک جانب خشکی ہے۔ اس کی زمین بعض مقامات پر سطح سمندر سے دو ہزار (۲۰۰۰) فٹ بلند ہے۔ متعدد پہاڑی سلسلے مشرق سے مغرب کی جانب پھیلے ہوئے ہیں۔ ان پہاڑوں سے متعدد دریا نکلے ہیں۔ اندلس اصلاً ایک زراعتی ملک تھا۔ اس کے نصف حصے میں زراعت ہوتی تھی اور نصف حصے میں پہاڑ اور جنگل تھے۔ وہاں بعض معدنیات بھی پائی جاتی تھیں۔ اس کے جنوبی حصے کی آب وہوا معتدل تھی، جب کہ شمالی اور مشرقی حصے بہت ٹھنڈے تھے۔ درمیانی حصہ کافی سرسبز وشاداب تھا۔ وہاں مختلف قوموں نے سکونت اختیار کی۔ آخر میں قوطی آئے۔ وہاں تین مذاہب کے ماننے والے پائے جاتے تھے: بت پرستی، یہودیت اور عیسائیت۔ قوطیوں کے عیسائیت قبول کر لینے کے بعد بت پرستی ختم ہو گئی تھی۔ یہودیوں کو حاکمانہ حیثیت حاصل نہیں تھی، اس لیے مسلمان جب اندلس پہنچے تو ان کا سابقہ عیسائیوں سے پڑا۔ اندلس کے عوام کئی طبقات پر مشتمل تھے۔ مذہبی طبقے کو کافی اثر ورسوخ حاصل تھا۔ حکمراں طبقہ عیش وعشرت میں مبتلا رہتے تھے۔ عوام پر بھاری محصول لگائے جاتے تھے۔ وزی

گاتھ عہدِ حکومت میں تمدن کو خوب ترقی ملی تھی اور تجارت کو بھی فروغ ہوا تھا۔ دیگر ممالک سے تجارتی تعلقات تھے۔

آٹھویں صدی عیسوی کے اوائل میں اندلس کی زمامِ اقتدار 'رزریق' نامی حکمراں کے ہاتھ میں تھی۔ عہدِ اموی میں افریقہ کے گورنر موسیٰ بن نصیر نے اندلس پر حملے کی تیاری کی اور سپہ سالار طارق بن زیاد کو ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ روانہ کیا۔ رزریق کی فوج کے ساتھ اس کی جنگ ہوئی، جس میں رزریق مارا گیا۔ اس کے مرتے ہی اندلس کی مرکزی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ اندلس فتح ہونے کے بعد اس کی حیثیت اموی خلافت کے ایک صوبے کی ہو گئی۔

خلافتِ اموی کے عہد میں موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد کے ذریعے اندلس کا بڑا حصہ فتح ہو گیا تھا اور وہاں اسلامی حکومت قائم ہو گئی تھی۔ اس علاقہ کو گورنر افریقہ کی ماتحتی میں رکھا گیا تھا۔ وہاں کے مسلم حکمرانوں کے عیسائی حکمرانوں کے ساتھ مسلسل جنگی معرکے ہوتے رہتے تھے اور خود مسلمانوں کے مختلف قبائل کے درمیان بھی خانہ جنگی ہوتی رہتی تھی۔ اس کے باوجود مسلم حکمرانوں نے زیر قبضہ علاقوں کا نظم و نسق درست رکھا۔

خلافتِ اموی کے خاتمے کے بعد جب مشرق میں خلافتِ عباسی قائم ہو گئی تھی تو بھی اندلس میں اموی خلافت جاری رہی۔ اس لیے کہ ایک اموی شہزادہ عبدالرحمٰن عباسی حکمرانوں کی پکڑ دھکڑ سے بچ کر اندلس پہنچ گیا تھا اور وہاں اس نے اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ اس کے بعد بھی اموی امارت جاری رہی، لیکن بعد میں عبدالرحمٰن سوم نے خود کو خلیفہ قرار دے دیا تھا۔ اندلس میں اموی حکمرانوں کے دور میں زبردست تمدّنی ترقی اور علمی فروغ ہوا۔

بعد کے ادوار میں جب اندلس میں سیاسی افراتفری مچی تو چھوٹی چھوٹی بہت سی سلطنتیں قائم ہو گئی تھیں۔ یہ لوگ آپس میں لڑتے بھڑتے رہتے تھے اور ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر عیسائی حکمراں مختلف علاقوں پر قبضہ کرتے چلے جا رہے تھے۔ اس صورت حال میں افریقہ کے دو مسلم خاندانوں - مرابطین اور موحّدین - نے یکے بعد دیگرے اندلسی مسلمانوں کی مدد کی، لیکن ان کی مرکزی حکومت چونکہ افریقہ میں قائم تھی، اس لیے وہ اندلس پر زیادہ توجہ نہ دے سکے۔

عیسائی حکمرانوں نے آہستہ آہستہ اندلس کے بیش تر حصوں پر قبضہ کر لیا، صرف غرناطہ کا علاقہ بچا، جس میں قبیلۂ بنواحمر کے ایک عرب سردار محمد بن یوسف بن نصر نے اپنی حکومت قائم کر لی۔ یہ حکومت تقریباً ڈھائی سو (۲۵۰) برس تک قائم رہی۔ ستّر (۷۰) برس اس حکومت کا دورِ عروج تھا، جس میں تمدّنی، علمی اور رفاہی میدانوں میں بڑے کام ہوئے، لیکن بعد کے حکمراں نا اہل ثابت ہوئے۔ عیسائی حکمراں برابر آگے بڑھتے رہے، یہاں تک کہ پندرہویں صدی عیسوی کے اواخر میں غرناطہ کے سقوط کے ساتھ پورے اندلس سے مسلم حکمرانی کا چراغ گل ہو گیا۔

1.17 کلیدی الفاظ

الفاظ		معانی
براعظم	:	خشکی کا وہ حصہ جس میں بہت سے ممالک ہوں۔
جزیرہ نما	:	خشکی کا وہ قطعہ جس کے تین اطراف میں پانی اور ایک طرف خشکی ہو۔
موسوم کرنا	:	نام رکھنا
آبنائے	:	پانی کا وہ تنگ راستہ جو خشکی کے بڑے حصوں کو الگ کرے اور پانی کے دو حصوں کو ملائے۔

متنوّع	:	قسم قسم کا
خلیج	:	پانی کا وہ حصہ جو تین اطراف میں خشکی سے گھرا ہوا اور ایک طرف سمندر سے ملا ہوا ہو۔
زراعت	:	کھیتی
آب پاشی	:	سینچائی
رہٹ	:	وہ چرخ جس کے ذریعے کنویں سے پانی نکالتے ہیں۔
سکونت	:	رہائش
آویزش	:	لڑائی، چپقلش
زمامِ حکومت	:	حکومت کی باگ ڈور
بشپ	:	عیسائیوں کا ایک مذہبی عہدہ
آرک بشپ	:	عیسائیوں کا ایک مذہبی عہدہ
زمامِ اقتدار	:	حکومت کی باگ ڈور
طوائف الملوکی	:	بدنظمی، لاقانونیت
ملوک الطوائف	:	بدنظمی اور لاقانونیت کے دوران حکمرانی کرنے والے
فصیل، ج: فصیلیں	:	چہار دیواری، شہر پناہ
فرو کرنا	:	دبانا، ختم کرنا
جزیہ	:	اسلامی حکومت میں غیر مسلموں سے لیا جانے والا ٹیکس
مجلس شوریٰ	:	مشورہ کمیٹی
قصر	:	محل
رفاہ	:	وہ کام جس سے عام شہریوں کو آرام ملے
محیط	:	احاطہ کرنے والا، گھیرنے والا
زرّیں	:	سنہرا
باج گزار	:	ریاست کو محصول دینے والا
گہوارہ	:	مرکز
موسوم	:	نام رکھا گیا
سطوت	:	رعب، دبدبہ، شان وشوکت
فرزند	:	بیٹا
اضمحلال	:	سستی، پژمردگی
ہزیمت	:	شکست

سدّ باب	:	روک دینا
مزاحمت	:	روک ٹوک، مقابلہ
دارالسلطنت	:	راجدھانی
کسبِ فیض	:	استفادہ کرنا

1.18 امتحانی سوالات کے نمونے

1- اندلس کا طبعی جغرافیہ بیان کیجیے۔

2- قدیم اندلس میں کون سی قومیں آباد ہوئیں؟ وہ کن مذاہب کو ماننے والی تھیں؟

3- اندلس میں مسلمانوں کے داخلے سے قبل وہاں کے سماجی حالات پر روشنی ڈالیے۔

4- اندلس کی وجہ تسمیہ بیان کیجیے اور واضح کیجیے کہ جغرافیہ دانوں نے اسے کتنے حصوں میں تقسیم کیا تھا؟

5- اندلس میں مسلمانوں کے حملے کے اسباب بیان کیجیے۔

6- اندلس پر مسلم حکمرانی کو کتنے ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے؟ وضاحت سے لکھیے۔

7- عبدالرحمٰن الداخل نے اندلس میں کس طرح حکومت قائم کی؟ اس کے عہدِ حکمرانی پر روشنی ڈالیے۔

8- اندلس میں سیاسی افراتفری کے زمانے میں افریقہ کے کن حکمراں خاندانوں نے اندلس کے ملوک الطوائف کی مدد کی؟

9- غرناطہ میں نصری حکومت کے قیام اور اس کے عروج و زوال کی داستان بیان کیجیے۔

10- مسلم عہدِ حکومت میں اندلس میں مختلف علوم و فنون میں کیا کیا سرگرمیاں انجام پائیں؟

1.19 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

1- اندلس کا تاریخی جغرافیہ، محمد عنایت اللہ، طبع حیدرآباد، ۱۹۲۷ء

2- تاریخ اندلس، سید ریاست علی ندوی، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، طبع ۲۰۱۲ء

3- خلافت اندلس، نواب ذوالقدر جنگ۔ الایمان کتابستان دیوبند، ۱۴۲۶ھ، طبع اول

4- ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ، ثروت صولت، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی، جلد اول، طبع ۲۰۱۱ء

5- **الأندلس: التاريخ والحضارة والمحنة، محمد عبده حتاملة**

6- اندلس اور سسلی کی مسلم تاریخ وثقافت، ڈاکٹر محمد اسحاق، البلاغ پبلی کیشنز، نئی دہلی۔ ۲۵، ۲۰۰۹ء

7- اندلس کی اسلامی میراث (مجموعہ مقالات سمینار)، ترتیب وتدوین: ڈاکٹر صاحب زادہ ساجد الرحمٰن، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، پاکستان، ۱۹۹۶ء

8- اردو دائرہ معارف اسلامیہ، زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب، لاہور، ۱۳۸۸ھ/ ۱۹۶۸ء، طبع اول

9- **التاريخ الأندلسي، د. عبدالرحمان الحجي**

اکائی 2 اندلسی ادب کا ارتقا اور نشو و نما

اکائی کے اجزا

2.1 تمہید
2.2 مقصد
2.3 اہل اندلس کے اخلاق اور ان کے عادات و اطوار
2.3.1 صفائی ستھرائی اور نفاست
2.3.2 علما کا مقام و مرتبہ
2.4 اندلسی ادب میں خواتین شعرا کا حصہ
2.4.1 تیسری اور چوتھی صدی کی خواتین شعرا
2.4.2 پانچویں صدی کی خواتین شعرا
2.4.3 المریہ کی خواتین شعرا
2.4.4 غرناطہ کی خواتین شعرا
2.4.5 اشبیلیہ کی خواتین شعرا
2.4.6 قرطبہ کی خواتین شعرا
2.4.7 ولّادۃ اور ابن زیدون
2.4.8 چھٹی صدی کی خواتین شعرا
2.5 اندلسی شاعری میں فطری محاسن کا بیان
2.6 موشحات
2.7 زجل
2.8 اندلسی بحریہ

2.9 سقوط اندلس

2.10 اندلس میں فنی نثر

2.10.1 قصہ نویسی

2.11 اکتسابی نتائج

2.12 کلیدی الفاظ

2.13 امتحانی سوالات کے نمونے

2.14 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

2.1 تمہید

اندلس روئے زمین کا وہ خطہ ہے جہاں مسلمانوں نے آٹھ سو سال تک حکمرانی کی، یہ زمانہ قرون وسطیٰ کا زمانہ کہلاتا ہے، جب یورپ کے ممالک میں جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی اور اسی بنا پر اس دور کو تاریک دور کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، لیکن اسی دور میں جب اموی خاندان کا ایک شخص یعنی عبدالرحمن بن معاویہ الداخل بنوعباس کے مظالم سے بچ کر اندلس کی سرزمین پر قدم رکھا تو اندلس کی قسمت کا ستارہ چمک اٹھا، اموی خاندان سے تعلق رکھنے والے عبدالرحمن الداخل نے اندلس میں مسلم حکمرانی کی بنیاد رکھی اور پھر اس خطۂ زمین کو علم و سائنس اور معاشی ترقیات سے اس قدر مالا مال کر دیا کہ یہ سرزمین جنت ارضی کی تصویر پیش کرنے لگی۔ قرطبہ، غرناطہ، اشبیلیہ، طلیطلہ یہاں کے مشہور و معروف اور اہم شہر ہیں، اندلس کی سرزمین بہت خوب صورت ہے، سرسبز و شاداب میدانی علاقے، پہاڑ اور وادیاں، وسیع و عریض شاہراہیں، باغات اور نہریں، خوب صورت مساجد، شاہی قلعے اور محلات، مناسب فاصلوں پر مسافروں کے ٹھہرنے کے لیے سرائے کا انتظام، تمام شہریوں کے لیے علاج کے لیے ترقی یافتہ ہاسپٹل کا مفت انتظام، علم و ادب کے حصول کے لیے بڑی بڑی یونیورسٹیاں، شہریوں کے مسائل حل کرنے لیے مستعد اور چست انتظامیہ، ملک میں عدل و انصاف، امن و امان اور خوش حالی، یہ سب سرزمین اندلس کی اہم خصوصیات ہیں، اندلس کی علمی اور تمدنی ترقیات دیکھ کر یورپ کے نوجوان علم و سائنس کے لیے یہاں آیا کرتے تھے۔

اندلس میں آباد لوگ مختلف مذاہب و عقائد اور مختلف نسل و عادات کے حامل تھے۔ یہاں عرب، بربر، صقالبہ، یہود اور عیسائی بھی خاصی تعداد میں آباد تھے، مقامی باشندے بھی تھے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، الغرض اندلس کا معاشرہ فطری معاشرہ نہیں تھا بلکہ یہ ایک ایسا معاشرہ تھا جو مختلف مذاہب، نسل و قوم کے لوگوں کی اجتماعیت سے بنا تھا، یہی وجہ ہے کہ یہاں انسانی رویوں اور احساسات کے اظہار میں شدت پائی جاتی تھی، چنانچہ اندلسی شعرا نے وہاں کے باغات، تفریح گاہوں، نہروں اور وادیوں کی تعریف میں غلو سے کام لیا ہے، انہوں نے اپنی شاعری میں مزامیر، موسیقی، شراب اور مستی کے بارے میں اپنے خاص تعلق اور احساسات کی ترجمانی کی ہے، غلمان سے عشق اور تغزل یہاں کے سماج میں ایک عام سی بات تھی، اندلس کے شعرا ہجو میں غلو سے کام لیتے تھے اور شعرا کے مقابلہ میں خواتین شعرا سخت ہجو کرتی تھیں، حتی کہ ابن حزمون نے جب خود اپنی ذات پر ہجو کیا تو وہ اپنے سخت دشمن کو بھی مات دے گیا۔

اہل اندلس کے رویوں میں شدت صرف احساسات کے اظہار کی حد تک محدود نہ تھی بلکہ وہ زہد و تصوف میں بھی غلو کرتے تھے اور یہ گویا اہل اندلس کی مادیت پسندی اور تعیش پسندی کے ردعمل کے طور پر تھا، اندلس میں زہاد کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ ابن الاباّر کی روایت کے مطابق ابن بشکوال نے "زهّاد الأندلس و أئمتها" کے نام سے ایک کتاب لکھ ڈالی تھی، لیکن سوئے اتفاق یہ کتاب انقلابات زمانہ کے باعث ضائع ہوگئی، زہد فی الدنیا یعنی دنیا سے بے رغبتی انسان کو یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ اس کی زندگی کا آخری انجام کیا ہوگا اور مرنے کے بعد اس کا مسکن کیا ہوگا، چنانچہ ایسے متعدد شعرا ہیں جنہوں نے اپنی زندگی میں مادیت اور اسراف کو ترجیح دی تھی، جب انھیں یہ احساس ہوا کہ میری زندگی کا انجام کیا ہوگا، تو انہوں نے کچھ ایسے اشعار کہے جن میں وہ لوگوں کو وصیت کرتے ہیں کہ ان کی قبر پر کچھ ایسے نقوش کندہ کر دیں جن میں رحمت کی دعا، راستے سے گذرنے والوں کے لیے سلام اور صاحب قبر کے لیے رب غفور سے مغفرت کی دعا ہو۔

2.2 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلبہ وطالبات اندلس میں عربی ادب کے آغاز اور ارتقا کے بارے میں واقفیت حاصل کریں گے، وہ یہ جانیں گے کہ اندلس میں کس صدی میں عربی ادب اپنے ارتقا کے کس مرحلہ میں تھا، کس صدی میں کن کن شعرا اور ادبا نے ادبی خدمات پیش کیں۔

2.3 اہل اندلس کے اخلاق اور ان کے عادات واطوار

اندلس کا معاشرہ دیگر اسلامی معاشروں کے مقابلہ میں کچھ مختلف خصوصیات کا حامل نظر آتا ہے۔علم کی قدر و منزلت، دین اور اسلامی ثقافت کی اہمیت، صفائی ستھرائی، معیشت میں ترتیب وتوازن، عدل وانصاف اور محبت، لاقانونیت سے بیزارگی، علما وفضلا کی قدردانی وغیرہ، گرچہ یہ اوصاف حمیدہ دیگر اسلامی معاشروں میں بھی نظر آتے ہیں لیکن جب بات اندلسی معاشرے کی ہو، تو یہ دیگر اسلامی معاشروں سے فائق تر نظر آتا ہے اور انھیں اوصاف حمیدہ کی بدولت سرزمین اندلس ترقی اور عروج کی منزلوں پر جلوہ گر نظر آتی ہے۔ اندلس کا معاشرہ علم دوست معاشرہ تھا، لوگ محض علم کی عظمت کے پیش نظر علم سیکھتے تھے، علم سے بے پناہ محبت ہی انھیں علم سیکھنے پر آمادہ کرتی تھی اور اسی بنا پر یہاں اہل علم اپنے فنون میں کامل اور ماہر ہوا کرتے تھے، حصول علم کی خاطر لوگ اپنی ساری دولت خرچ کرنے سے بھی دریغ نہ کرتے تھے، جب کوئی شخص علم میں خاص مقام حاصل کر لیتا تھا تو معاشرہ میں اس کی عزت وعظمت میں اضافہ ہوجاتا تھا، اس پر مستزاد یہ کہ طلبہ کے لیے گراں قدر وظائف جاری کیے جاتے تھے، تاکہ وہ اپنی ضروریات زندگی کی تکمیل کر سکیں اور علمی مشاغل کے لیے یکسو ہوجائیں۔ اندلس میں مساجد حصول علم کے اہم مراکز ہوا کرتے تھے، مختلف دینی مضامین اور اسلامی ثقافت کے علوم مساجد میں پڑھائے جاتے تھے۔ حدیث، فقہ، علم اصول، علم قرأت، نحو، علوم اللغۃ اہم ترین فنون تھے، جن میں لوگ زیادہ دلچسپی رکھتے تھے، لیکن جب کوئی شخص نحو اور شاعری میں کمال حاصل کر لیتا تھا تو وہ خود پسندی میں مبتلا ہوجاتا تھا اور بسا اوقات فخر وتکبر میں مبتلا ہوجاتا تھا کیونکہ اہل اندلس شعر وشاعری سے غلو کی حد تک شغف رکھتے تھے، اندلس میں سارے مسلمان مسلکاً اہل سنت تھے، شروع میں یہ لوگ بلاد شام کے مشہور ومعروف فقیہ امام اوزاعیؒ کے مسلک کی اتباع کیا کرتے تھے، لیکن اقتدار جب تیسرے اموی حاکم حکم ابن ہشام کو منتقل ہوا جو ''الحکم الربضي'' کے نام سے معروف ہے تو اس نے امام مالک کے قول پر فتوی دینے کا فرمان جاری کیا۔ اس طرح اندلس میں امام مالک کا مسلک عام ہوگیا، اندلس میں امام مالک کا مسلک عام ہونے کے بارے میں ایک روایت یہ ملتی ہے کہ جب اندلسی علما کی ایک جماعت حج کے لیے حرم شریف آئی تو ان کی ملاقات امام مالکؒ سے ہوئی، وہ لوگ امام مالکؒ سے بہت متأثر ہوئے، ان کے تفقہ اور ان کے علمی فضل وکمال سے بہت متأثر ہوئے، پھر جب وہ لوگ حج سے اندلس واپس لوٹے تو یہاں امام مالک کے مسلک کو عام کرنے لگے۔

اہل اندلس کا ایک خاص امتیاز یہ تھا کہ ان کے اندر مذہبی تعصب نہیں تھا، انہوں نے یہود ونصاریٰ کو عقیدے اور عبادت کی پوری آزادی دے رکھی تھی، ان کے یہاں شعر وادب بہترین ذریعہ تھا حکمرانوں کے پاس قربت حاصل کرنے کا، قطع نظر اس سے کہ شاعر اور ادیب کا مذہب کیا ہے، چنانچہ کئی غیر مسلم شعرا نے شعر وادب میں خاص مقام حاصل کر لیا تھا، یہاں تک کہ بعض شعرا نے وزارت کا منصب بھی حاصل کیا، بلکہ بعض غیر مسلم خواتین شعرا نے بھی اپنے فن میں کمال پیدا کیا، جیسے قسمونة بنت اسماعیل یہودیہ۔ تین یہودی بھی وزارت کے منصب پر فائز ہوئے ہیں، ان میں سب سے پہلا وزیر شاعر کاتب حسدای بن یوسف تھا، وزیر بننے کے بعد اس نے اپنے لیے ابوالفضل کا لقب اختیار کیا، دوسرا یہودی جس نے اندلس

میں وزارت کا رتبہ حاصل کیا تھا ابن نغر الہ تھا، اس نے غرناطہ میں بادیس بن حیوس کے ماتحت وزارت کا عہدہ سنبھالا تھا، لیکن وہ وزارت کے منصب کے لیے خود کو موزوں ثابت نہ کرسکا، وہ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے لگا۔ ابراہیم بن سہل الاسرائیلی بھی ایک وزیر تھا جس کی شاعری لطافت اور رقت میں مثال سمجھی جاتی تھی، اس کے معاصرین کا اس کے بارے اختلاف تھا، بعض کا کہنا ہے کہ اس نے اسلام قبول کرلیا تھا اور وہ مخلص مسلمان بن گیا، جب کہ بعض دوسرے یہ کہتے ہیں کہ وہ یہودیت ہی پر قائم رہا لیکن دکھاوے کے لیے مسلمان بن گیا تھا، مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے اشعار عمدہ ہوتے تھے۔ اندلس میں یہود کی طرح نصاریٰ بھی عام و خاص زندگی میں آزاد تھے، وہ زندگی کے تمام شعبوں میں مراعات سے مستفید ہوتے تھے، وہ مذہبی تعصب سے محفوظ تھے، بڑی تعداد میں مسیحی لوگ اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے زندگی کی ترقیات سے لطف اندوز ہورہے تھے، ان میں سے بعض نام ادب و ثقافت کے شعبے میں بہت نمایاں نظر آتے ہیں، جیسے ابن المرعز الاشبیلی جس کی کنیت ابو اسحاق تھی، وہ بہت اچھا شاعر تھا، وہ معتمد بن عباد کے دور میں نمایاں طور پر سامنے آیا۔ الغرض اندلس کا معاشرہ خوش حالی محبت، عفو و درگذر کا معاشرہ تھا جہاں عصبیت دور دور تک نظر نہیں آتی تھی۔

2.3.1 صفائی ستھرائی اور نفاست

اگر اندلس کے سماج کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں کے لوگ معنوی پاکیزگی کے ساتھ ساتھ ظاہری طور پر بھی صفائی ستھرائی کو پسند کرتے تھے، وہ نفاست پسند لوگ تھے، قدرت نے ان کی سرزمین کو حسن و جمال کے مختلف انواع سے سجا رکھا تھا، اس لیے یہ طبعی بات ہے کہ وہ صفائی ستھرائی کے دلدادہ ہوں، اس پر مستزاد یہ کہ انہوں نے جس دین کو قبول کیا تھا وہ دین اسلام ہے، جس کی تعلیمات میں نفاست پسندی اور صفائی و ستھرائی کو بڑی اہمیت دی گئی ہے، خصوصاً عبادت کے موقع پر وضو اور غسل کے احکام تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں، اندلس کے لوگ اپنا لباس اور بستر وغیرہ بہت صاف ستھرا رکھتے تھے، وہ اپنی بعض دیگر ضروریات پر صفائی اور پاکیزگی کو ترجیح دیتے تھے۔

2.3.2 علما کا مقام و مرتبہ

اندلس کے معاشرے میں عالم کا لفظ عام طور سے فقہا سے عبارت تھا، لیکن فقیہ صرف علوم دینیۃ میں مہارت نہیں رکھتے تھے، بلکہ وہ دیگر علوم و فنون پر بھی دسترس رکھتے تھے، وہ مختلف علوم و فنون کے ساتھ ساتھ شعر و ادب کا بھی اچھا ذوق رکھتے تھے، اہل اندلس جب کبھی کسی بڑے امیر اور حاکم کی تکریم کرنا چاہتے تو انھیں فقیہ کے لقب سے یاد کرتے تھے اور اسی بنا پر امرا و حکام فقہ کی تعلیم سے زیادہ شغف رکھتے تھے، تاکہ وہ فقہا کی مجالس میں بیٹھنے کی اہلیت حاصل کرسکیں، اندلس کے امرا و حکام، علما اور فقہا کی خوب قدر دانی کرتے تھے، یہاں تک کہ وہ علما جو امرا و حکام کی کوتاہیوں پر نکیر کرتے تھے ان پر غضب ناک نہ ہوتے تھے اور نہ ان پر ظلم کرتے تھے، بلکہ وہ ان کی روک ٹوک پر تحمل اور بردباری کا مظاہرہ کرتے تھے۔ اندلس میں ایک شہر الزہراء کے نام سے موسوم ہے، یہ شہر بہت مشہور اور بہت خوب صورت بھی ہے، اس کی خوب صورتی دیکھنے والوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور انھیں مسحور کر دیتی ہے، حاکم وقت ناصر نے یہ شہر تعمیر کروایا اور اس شہر کی تعمیر اور تزئین میں وہ ایسا منہمک ہوا کہ مسلسل تین جمعہ جامع مسجد میں حاضر نہ ہوسکا، ان دنوں الزہراء شہر میں جمعہ کے خطیب قرطبہ کے قاضی منذر بن سعید البلوطی تھے، جو بہت زاہد و عابد تھے، انہوں نے چاہا کہ امیر شہر کو اس کی کوتاہی پر تنبیہ کی جائے، اس کے لیے انہوں نے یہ طے کیا کہ جمعہ کا خطبہ عمارت تعمیر کرنے اور اس کو سجانے کی مذمت پر دیا

جائے اور فضول خرچی کی قباحت پر دیا جائے اور لوگوں کو اتفاقی موت سے ڈرایا جائے، چنانچہ انہوں نے قرآن و حدیث کے نصوص کے ذریعہ زہد فی الدنیا اور دنیاوی لذتوں سے دور رہنے کی فضیلت بیان کی تو لوگوں پر رقت طاری ہوگئی، وہ رونے لگے اور صدق دل سے گناہوں سے تائب ہوگئے، حالانکہ خطبہ کا اصل مخاطب خلیفہ ناصر تھا، تاہم اس نے بھی توبہ استغفار کیا، لیکن پھر بھی وہ دل ہی دل میں خطیب شہر منذر بن سعید پر خفا تھا، اس نے اپنے بیٹے حکم سے اس کے بارے میں بات کی اور کہا کہ منذر نے جان بوجھ کر خطبہ میں مجھے نشانہ بنایا اور کچھ زیادہ ہی اس نے مجھے اللہ کا خوف دلایا اور ڈرایا، پھر ناصر نے پختہ عزم کرلیا کہ منذر کے پیچھے کبھی نماز جمعہ نہ پڑھے گا، چنانچہ وہ احمد بن مطرف کے پیچھے نماز پڑھنے لگا، لیکن اسے یہ احساس بھی تھا کے منذر بن سعید نصیحت کرنے میں حق بجانب تھا۔ اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اندلس کے حکام اپنے علما اور حاملین دین کے احتساب کو صبر وتحمل کے ساتھ قبول کرتے تھے اور بے جا انتقام لینے سے گریز کرتے تھے۔ اندلس میں ایسے متعدد علما تھے جو علم وفضل اور ورع و تقوی میں ممتاز تھے اور لوگ ایسے علما کی بڑی عزت کرتے تھے اور علما خود بھی اپنے وقار اور سنجیدگی ومتانت اور ورع وتقوی کے بلند مقام کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔

2.4 اندلسی ادب میں خواتین شعرا کا حصہ

اندلسی ادب کے فروغ میں خواتین نے اہم کردار ادا کیا ہے، انہوں نے شاعری کی مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی ہے، انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعہ اندلسی ادب کو مالا مال کردیا ہے، اندلسی ادب میں شاعری کے ذریعہ خدمات پیش کرنے والی خواتین کی تعداد کم نہیں ہے، یہ درست ہے کہ مشرق عربی میں بھی خواتین نے اپنی شاعری کے ذریعہ بڑا وقیع کام کیا ہے جیسے خنساء، لیلیٰ الاخیلیۃ، فضل، علیۃ بنت المھدی، نیران بنت جعفر بن موسی الھادی، سلمیٰ بنت القماطیسی، شاعرۃ مھزمیۃ، عریب المامونیہ وغیرہ، لیکن اگر اندلس کی خواتین شعرا کی تعداد سے تقابل کیا جائے تو ان کی تعداد کم نظر آتی ہے، کیونکہ مشرقی معاشرہ کی روایات کی پاسداری نے انھیں پابند کر رکھا تھا، جب کہ اندلس کے جدید معاشرے میں خواتین کو پوری آزادی حاصل تھی اسی بنا پر خواتین نے شاعری کے تمام فنون میں اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا، چنانچہ وہ مردوں کے بارے میں ویسا ہی غزل کہتی ہیں جیسے مرد عورتوں کے بارے میں غزل کہتے ہیں اور ان کے محاسن وغیرہ کو بیان کرتے ہیں، اسی طرح وہ تعریف کرتی ہیں، فخر کا اظہار کرتی ہیں، ہجو کرتی ہیں، لیکن وہ یہ سب کچھ نسوانی عفت وحیا کے دائرے میں رہ کر کرتی ہیں۔

اندلس کے اموی حکام ادبی ذوق رکھنے والی ان خواتین کو مشرق سے بلواتے تھے، جو اشعار کہتی تھیں اور خوب صورت آواز میں اشعار سنایا کرتی تھیں، اس طرح آہستہ آہستہ خواتین شعرا کی تعداد میں یہاں اضافہ ہونے لگا اور قصر صدارت سے ان خواتین شعرا کے لیے عزت افزائی میں بھی اضافہ ہونے لگا، سرزمین اندلس میں سب سے پہلی شاعرہ ہونے کا اعزاز ان باندیوں کو حاصل ہے جو مشرق سے لائی گئی تھیں، سب سے پہلی شاعرہ کا نام تو معلوم نہیں ہے، البتہ اسے صفاتی نام (جاریہ عجفاء) سے یاد کیا جاتا ہے، وہ بہت دبلی پتلی نحیف اور لاغر تھی، اس باندی کا آقا ایک غریب آدمی تھا، وہ باندی بہت اچھا شعر کہتی تھی، خصوصا وہ ایسے اشعار کہتی تھی جو انسانی جذبات کو برانگیختہ کردے۔ حسانۃ التمیمۃ اندلس کی سرزمین پر دوسری شاعرہ تھی، لیکن یہ اندلس ہی میں پیدا ہوئی، بیرون سے نہیں لائی گئی اور یہ کہ یہ آزاد تھی، شعری ذوق اسے وراثت میں ملا تھا کیونکہ اس کے والد ابو الحسین ایک شاعر تھے، اس کا زمانہ دوسری صدی کے اواخر اور تیسری صدی کے اوائل کا ہے، اس نے حکم بن ہشام کی تعریف میں اشعار کہے، جو اسے

بہت پسند آئے، اس نے عبدالرحمن کی بھی تعریف کی ہے۔ شعری خصوصیات کے اعتبار سے جاریۃ عجفاء کی طرح یہ بھی امویہ اور مشرقیہ ہے اور یہ دونوں اندلس میں نسوانی اشعار کے ابتدائی دور کی ترجمانی کرتی ہیں۔

2.4.1 تیسری اور چوتھی صدی کی خواتین شعرا

تیسری اور چوتھی صدی میں خواتین شعرا کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے، اس دور کی خواتین شعرا میں سے قمر، عائشہ بنت احمد القرطبیۃ، حفصہ بنت حمدون الحجاریۃ ہیں، اس دور کی خواتین شعرا ایک نئے رجحان کے ساتھ شاعری کرتی دکھائی پڑتی ہیں، وہ اپنے اندر خود اعتمادی اور آزادی کے احساسات جگاتی ہوئی نظر آتی ہیں، قمر عمدہ گانے والی خواتین شعرا میں سے تھی، وہ بغداد سے اندلس کی سرزمین پر وارد ہوئی تھی، قمر اشبیلیہ میں سکونت پذیر ہوگئی، وہ بہت خوب صورت باندی تھی، اس کا مالک ابراہیم بن حجاج تھا، قمر کے اشعار فصاحت اور بیان میں معیاری ہوا کرتے تھے، اس کے اشعار میں لطافت اور نزاکت پائی جاتی ہے، وہ اپنے آقا اور مالک ابراہیم بن حجاج کی تعریف میں اشعار کہا کرتی تھی، قمر اپنے وطن عزیز بغداد سے دور اپنے وطن کی یاد میں زندگی گذار رہی تھی، وہ بڑی حسرتوں کے ساتھ اپنے وطن عراق کو یاد کرتی ہے اور بے پناہ محبتوں کے ساتھ وطن واپسی کے شوق کا اظہار کرتی ہے، عائشہ بنت احمد القرطبیۃ کے زمانہ میں کوئی دوسری آزاد شاعرہ نہ تھی جو علم و ادب، فصاحت اور شاعری میں اس سے زیادہ معروف ہو، یہ پاک دامن، دلیر اور جری تھی، وہ بہت خوش خط بھی تھی، مصاحف بھی لکھا کرتی تھی، وہ بادشاہوں کی تعریف کیا کرتی تھی لیکن اس کی شاعری میں کہیں بھی لجاجت یا عاجزی اور پستی کا اظہار نہیں ہوتا تھا، وہ فی البدیہہ شعر کہتی تھی، وہ زندگی بھر کنواری ہی رہی، مگر اس نے شادی نہیں کی، وہ ایک باہمت، حوصلہ مند اور خود پسند خاتون تھی، بعض شعرا نے اسے نکاح کا پیغام بھی بھیجا تھا، لیکن اس نے یہ کہہ کر اسے نامنظور کر دیا کہ وہ اس کے برابر کا نہیں ہے۔ حفصہ بنت حمدون الحجاریۃ ایک معروف اور نازک خیال شاعرہ ہے، سرزمین اندلس کی یہ شاعرہ طلیطلہ سے قریب وادی الحجارۃ میں رہائش پذیر تھی، یہ ایک ایسا مقام ہے جہاں سے متعدد ادبا اور شعرا پیدا ہوئے، حفصہ کثرت سے اشعار کہا کرتی تھی، اس کا تعلق متمول اور خوش حال گھرانہ سے تھا، وہ اندلس کی غزل گو خواتین شعرا میں سب سے اونچا مقام رکھتی تھی، وہ ایک نازک خیال شاعرہ تھی، وہ الفاظ کی بناوٹ، ترکیب، معانی کے انتخاب میں ذوق سلیم رکھتی تھی، اس کی شاعری کی سب سے اہم خصوصیت یہ تھی کہ اس نے اندلسی خواتین شعرا کو غزل گوئی میں ایک نئی راہ دکھائی۔

2.4.2 پانچویں صدی کی خواتین شعرا

پانچویں صدی میں اندلس کے مختلف شہروں میں متعدد خاتون شعرا اپنی اپنی نئی ادبی کاوشوں کے ساتھ سامنے آئی ہیں، چنانچہ المریۃ شہر میں کئی اچھی خواتین شعرا موجود تھیں جیسے شاعرۃ الغسانیۃ، زینب المریۃ وغیرہ۔ غرناطہ میں حمدونۃ بنت زیاد، اشبیلیۃ میں مریم بنت یعقوب الانصاری، قرطبہ میں امیرۃ ولادۃ بنت المستکفی۔ یہ سب خواتین شعرا زیادہ تر غزل گوئی سے نسبت رکھتی تھیں، جب کہ دیگر اصناف سخن میں انہوں نے بہت کم طبع آزمائی کی ہے۔

2.4.3 المریۃ کی خواتین شعرا

المریۃ شہر اپنے اندر بڑی عظمت اور جلالت شان رکھتا ہے کیونکہ یہاں مسلمانوں نے فرنگیوں سے کامیاب بحری جنگیں لڑی ہیں، حالانکہ بحری قوت کے لحاظ سے فرنگیوں کو مسلمانوں پر برتری حاصل تھی، یہاں مسلمانوں نے پے در پے کئی معرکوں میں دشمنوں کو شکست دی ہے، المریۃ کے

لوگ صاحب ثروت تھے، ان کی تجارتیں تھیں، لباس فاخرہ کے کارخانے قائم تھے، یہاں ایک ہزار کے قریب ہوٹلس اور حمام تھے، البتہ یہ شہر ایک بے آب و گیاہ علاقے میں واقع تھا، المریۃ کی خواتین شعرا ناز ونعمت میں زندگی بسر کرتی رہیں، یہاں کی خوش حالیوں سے لطف اندوز ہوتی رہیں، لوگ دور دور سے یہاں آتے تھے، یہاں عورتوں اور مردوں کی یکساں عزت کی جاتی تھی، الغرض یہاں کی خواتین شعرا ایک سنہرے دور میں زندگی گذارتی رہیں۔ الغسانیۃ البجانیۃ اسی شہر میں رہتی تھی، الغسانیۃ شاعرہ کا نام ہے نہ کہ لقب، یہ المریۃ شہر کے ایک خطہ ''بجانۃ'' میں رہتی تھی، اس کے اشعار میں حقیقت پسندی اور گہرائی ہوتی ہے، اسے شعر گوئی میں بڑی قدرت اور کمال حاصل ہے، اس کے زیادہ تر اشعار غزل سے متعلق ہیں، یا پھر فراق اور جدائی سے متعلق المریۃ میں ایک اور شاعرہ زینب تھی جو زینب المریۃ کے نام سے معروف ہے، اس کے اشعار میں پختگی پائی جاتی ہے، وہ بلا تکلف صاف ستھرے اسلوب میں شعر کہتی تھی، شعر گوئی پر اسے اچھی قدرت حاصل تھی۔

باوجود اس کے کہ ام الکرم بنت المعتصم بن صمادح کا تعلق حاکم وقت کے گھرانے سے تھا، مگر وہ شعری ذوق بھی رکھتی تھی۔ اندلس کے حکمرانوں کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنی خواتین اور لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کے لیے معلمات رکھتے تھے، جو انھیں تعلیم و تربیت سے آراستہ کرتی تھیں اور انھیں شعر پڑھنے اور اسے یاد کرنے کے لیے اسباق دیا کرتی تھیں، چنانچہ جب معتصم نے دیکھا کہ اس کی بیٹی میں ذہانت ہے، تو اس نے اس کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا، یہاں تک کہ وہ خوب صورت اشعار کہنے لگی اور موشحات میں طبع آزمائی کرنے لگی، لیکن اس کے جو اشعار ہم تک پہنچے ہیں وہ کم ہیں اور وہ غزل سے متعلق ہیں، لیکن ام الکرم کی شہرت اس کی محبت کے سبب ہے، وہ اپنے عاشق سے خلوت میں ملنے کا شوق رکھتی تھی اور اس کا عاشق قصر شاہی کا ایک نوجوان ہے جو سمار کے نام سے معروف تھا، عام معاشرہ کی خواتین کے مقابلہ میں حکمرانوں کی خواتین میں جرأت اور بے باکی زیادہ ہوتی ہے وہ برملا اپنی محبت کا اظہار کرتی ہیں اور علانیہ اپنے عاشق سے ملاقات کا شوق ظاہر کرتی ہیں، ام الکرم کی شاعری میں لطافت ہے، وہ عمدہ غزل کہتی ہے اور حسن تعبیر پر قدرت رکھتی ہے۔

2.4.4 غرناطہ کی خواتین شعرا

غرناطہ شہر المریۃ کی طرح حسن و جمال کے فطری مظاہر سے خالی نہیں ہے، غرناطہ اپنے اطراف حسن و جمال کے تمام فطری مظاہر سے گھرا ہوا شہر ہے۔ زیادہ تر زائرین، غرناطہ کو ملک شام کے شہر دمشق سے تشبیہ دیتے ہیں، اس لیے کہ یہ دمشق سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے، شہر کے درمیان سے ایک نہر بہتی ہے، اس کے اطراف میں خوب صورت باغات اور تفریح گاہیں واقع ہیں اور ان باغات کی پشت پر برف پوش پہاڑیاں ہیں اور ان پہاڑیوں کی بلندیوں پر خوب صورت پھول کھلے ہوئے ہیں۔ ابن بطوطہ نے جب اس شہر کو دیکھا تو وہ اس کا گرویدہ ہو گیا، اس کے بارے میں اس نے کہا کہ یہ اندلس کی دلہن ہے اور یہ کہ اندلس سے باہر دنیا میں اس کی نظیر نہیں ہے، غرناطہ شہر کی یہ خوبیاں مناظر فطرت کی خوب صورتی کے لحاظ سے ہیں، مناظر فطرت کی یہ خوب صورتی یہاں کی خواتین شعرا کے کلام کو ایک نیا رنگ اور ایک نیا تخیل عطا کرتی ہیں، جو ہم المریۃ کی خواتین شعرا کے کلام میں نہیں دیکھتے اور اس کی ایک فطری وجہ بھی ہے کہ المریۃ شہر میں فطرت کی گلکاریاں اور مناظر فطرت کا حسن نظر نہیں آتا۔ غرناطہ شہر میں کئی مشہور خواتین شعرا ہیں، جیسے حمدونۃ بنت زیاد بن تقی الدین العوفی، اس کی بہن زینب بنت زیاد، نزھون القلاعیۃ، حفصۃ الرکونیۃ وغیرہ۔

حمدونۃ کی نشوونما غرناطہ سے قریب ہی ایک خوب صورت وادی میں ہوئی جسے وادی آش کہا جاتا ہے، یہ وادی فطرت کے حسین مناظر سے آراستہ ہے، غرناطہ اور اس کے اطراف چالیس میل کا علاقہ مناظر فطرت کے حسن سے مالا مال ہے، یہیں پر حمدونۃ اور اس کی بہن زینب دونوں نے

علم و ادب کی تعلیم و تربیت پائی، یہ دونوں اندلس کی مشہور خواتین شعرا ہیں، البتہ زینب کو وہ شہرت نہیں ملی جو حمدونۃ کو حاصل ہوئی ،حمدونۃ کو شاعرۃ الاندلس اور خنساء المغرب بھی کہا گیا، حمدونۃ اور زینب کے بہت ہی کم اشعار زمانہ کی دست برد سے محفوظ رہے ہیں، ان کے اشعار زیادہ تر مناظر فطرت کے حسن کو بیان کرتے ہیں، حمدونۃ فطری محاسن کی شاعرہ ہے، اس کی شاعری سے دور دور تک یہ محسوس نہیں ہوتا ہے کہ وہ پاکیزگی اور عفت سے منحرف ہوئی ہے غزل گوئی کے باوجود عفت کا دامن اس کے ہاتھ سے نہیں چھوٹتا۔

نزھون کا تقابل اگر حمدونۃ سے کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حمدونۃ گاؤں کی ایک بیٹی ہے جو تہذیب اور روایات کی پاسداری کرتی ہوئی نظر آتی ہے، جب کہ نزھون اس کے بالکل برعکس ہے، اس کے کلام میں فحش گوئی ہے، اس کے اشعار عفت کے جذبات کو پامال کرتے ہیں، خلاصہ یہ کہ وہ شہر کی بیٹی ہے، جو تہذیب و روایات کی پاسداری نہیں کرتی، نزھون کا پورا نام نزھون بنت القلاعی ہے، وہ غرناطہ سے منسوب ہے اور اسی لیے اس کو غرناطیۃ کہتے ہیں، نزھون کی پوری زندگی ادب کی خدمت میں گذری ہے، چنانچہ اسے غرناطہ کی شاعرہ کا لقب دیا گیا ہے، نزھون کی شاعری کے دو پہلو نظر آتے ہیں، ایک پاکیزہ مشرقی پہلو اور دوسرا بے باک، متشدد اور حیا سوز پہلو، قرطبہ کے شعرا کے ساتھ محبت پر مبنی شاعری اور بسا اوقات ان کی ہجو بیانی، یہی ان کی شعری مشغولیت رہتی تھی اور جہاں تک مشرقی پہلو کی بات ہے تو اس کی شعری زندگی کا حاصل وہ تحریریں ہیں جو اس کے درمیان اور وزیر ابو بکر بن سعید کے درمیان ہوتی رہی، سعید کے تمام بیٹے شاعر اور ادیب تھے اور ان میں سے اکثر نے وزارت کا منصب بھی سنبھالا، ان میں سے ایک ابن سعید ادیب ہے، اس کی ایک مشہور کتاب ''المغرب في حلى المغرب'' ہے، اندلسی اور مغربی ادبی تاریخی موضوع پر تحقیق کرنے والوں میں سے کوئی بھی اس کتاب سے مستغنی نہیں ہوسکتا، نزھون اپنی غزل میں بے باک نظر آتی ہے جیسے ام الکرم الصمادحیۃ، بلکہ اس سے بھی زیادہ بے باک، البتہ ان دونوں کی غزلوں میں وہی فرق ہے جو المریۃ شہر کی خشونت اور غرناطہ کی نزاکت کے درمیان ہے، نزھون کی شاعری فحش قسم کی ہجو سے پر ہے۔

2.4.5 اِشبیلیہ کی خواتین شعرا

اشبیلیہ اندلس کے خوب صورت شہروں میں سے ایک ہے، جو اس بڑی نہر پر واقع ہے جس پر قرطبہ شہر آباد ہے، یہاں کی فضا معتدل ہے اور یہاں کی عمارتیں خوب صورت ہیں، انجیر اور زیتون کے درخت بڑے علاقے پر پھیلے ہوئے ہیں، مصر اور شام کا مشاہدہ کرنے والوں میں سے ایک سے پوچھا گیا آپ نے کس شہر کو زیادہ خوب صورت پایا؟ تو اس نے کہا: اشبیلیہ۔ پانچویں صدی میں یہاں صرف دو خاتون شعرا کے نام ملتے ہیں: مریم بنت ابو یعقوب الانصاری اور بثینۃ بنت المعتمد بن عباد، ان دونوں خواتین شعرا میں تہذیب اور شائستگی پورے طور پر پائی جاتی ہے۔ چھٹی صدی میں یہاں صرف ایک شاعرہ کا نام ملتا ہے اور یہ اسماء العامریۃ ہیں، ان کی شاعری میں صرف حکام و امرا کے مظالم کی شکایت اور فریاد نظر آتی ہے۔

مریم بنت ابو یعقوب الانصاری بہترین ادیبہ اور شاعرہ تھی، یہ خواتین کو ادب کی تعلیم دیتی تھی،، اشبیلیۃ میں رہنے والی شاعرہ کے برعکس مریم باوقار اور دین دار تھی اور شاید اس کی اصل وجہ یہ ہو کہ وہ اصل میں مغربی اندلس کے شلب شہر سے تعلق رکھتی تھی، چنانچہ یہ اشبیلیۃ میں رہتے ہوئے بھی یہاں وہ ایک اجنبی کی طرح تھی، روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عبید اللہ بن محمد المھدی الاموی کی تعریف میں شعر کہتی تھی اور وہ مالی اعزازات سے اسے نوازتا تھا اور اس کے اشعار کو ضبط تحریر میں لاکر محفوظ کروا دیتا تھا۔ اسی طرح وہ اس شاعرہ کے لیے بہت احترام اور تعظیم کا اظہار کیا کرتا تھا، اس کو ورع اور تقوی میں حضرت مریم سے اور شاعری میں حضرت خنساء سے تشبیہ دیا کرتا تھا۔

بثینۃ بنت المعتمد بن عباد یہ قصر امارت کی پروردہ تھی، اس کے والد معتمد بن عباد اندلس کے ملوک الطوائف میں سب سے بڑا حاکم تھا اور

معرکہ الزلاقۃ کا ہیرو تھا، وہ شاعر الملوک اور ملک الشعرا تھا، بثینہ کو شاعری کا ذوق اپنے والد سے وراثت میں ملا تھا، بثینہ کے بہت سے اشعار تھے جو مغرب میں مشہور ہوئے لیکن صرف ایک قصیدہ ہی محفوظ رہ گیا، جب معتمد بن عباد کی حکومت زوال پذیر ہوگئی تو وہ خود اور اس کے گھر والے قید کر لیے گئے، جب اس کا قصر شاہی لوٹ لیا گیا تو قیدیوں میں بثینہ بھی تھی، چنانچہ اشبیلیہ کے ایک تاجر نے اسے خرید لیا اور وہ اس بات سے بالکل واقف نہ تھا کہ بثینہ ایک حکمراں کی بیٹی ہے، اس نے بس یہ خیال کیا کہ وہ دیگر بہت سی کنیزوں میں سے ایک کنیز ہے، اس نے بثینہ کو اپنے بیٹے کو تحفہ میں دے دیا، جب اس کا لڑکا بثینہ کے ساتھ خلوت میں ملنا چاہا تو اس نے ایک آزاد اور شریف لڑکی کی طرح منع کر دیا اور اسے بتایا کہ وہ ایک شریف گھرانے کی ایک شریف اور باعزت لڑکی ہے، نکاح کے بغیر اس کے ساتھ خلوت میں نہیں مل سکتی اور اس کے لیے اس کے والد سے اجازت لینی ہوگی، اس نوجوان اور اس کے والد نے اس بات پر رضامندی ظاہر کر دی، چنانچہ بثینہ نے اپنے والد کو خط میں ایک قصیدہ لکھا اور اس کو اپنا سارا حال سنایا اور اجازت طلب کی، اس نے اجازت دے دی، بثینہ کا یہ قصیدہ تاریخی حیثیت کا حامل بن گیا، بثینہ بہت ذہین اور نہایت شریف تھی، اس کے کلام میں پاکیزگی اور شرافت اور ناخوشگوار حالات کی عکاسی بہتر اسلوب میں پائی جاتی ہے۔

ام العلاء بنت یوسف وادی الحجارۃ سے نسبت رکھتی ہے، یہ وادی مشہور شہر طلیطلہ سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہے، حفصہ بنت حمدون الحجاریۃ بھی وادی الحجارۃ سے تھی، البتہ وہ چوتھی صدی کی شاعرہ تھی، وادی الحجارۃ سے یہ دونوں شاعرہ شہرت رکھتی ہیں، ام العلاء کی شاعری میں لطافت اور خیال کی ندرت پائی جاتی ہے، عاشق مزاج شعرا جب غزل گوئی کا لطف لیتے ہیں تو بجا طور پر وہ شکوہ بھی کرتے ہیں، خاتون شعرا بھی جب عشقیہ غزل کہتی ہیں تو وہ بھی شکایت کے احساس سے خود کو الگ نہیں کر پاتیں، لیکن دیگر خواتین شعرا کے مقابلہ میں ام العلاء جب غزل کہتی ہے تو وہ زیادہ حیادار بن جاتی ہے اور نہایت لطیف احساسات کے ساتھ شکوہ کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔

2.4.6 قرطبہ کی خواتین شعرا

ولادۃ بنت المستکفی قرطبہ کی شاعرہ ہے، قرطبہ شہر اندلس کی راجدھانی ہے، قرون وسطی میں اندلس اسلامی تہذیب کا بڑا مرکز تھا، اندلس میں اموی خاندان نے حکمرانی کی، یہاں وہ عظیم الشان جامع مسجد واقع ہے جس کی شہرت کی گونج پوری دنیا میں سنائی دیتی ہے، برصغیر سے جب علامہ اقبال اندلس تشریف لے گئے تو مسجد قرطبہ دیکھنے کے بعد سقوط اندلس کا غم ضبط نہ کر سکے اور مسجد قرطبہ کے نام سے ایک نظم کہہ گئے۔ قرطبہ کے مضافات میں الزہراء اور الزاہرۃ دو خوب صورت شہر آباد ہیں جو شاہی محلات کے لیے مشہور ہیں، ان ہی دونوں شہر کے بارے میں کسی نے کہا: **الزهراء والزاهرة قرطا قرطبة** (الزہراء اور الزاہرۃ دونوں قرطبہ کے کان کی بالیاں ہیں) قرطبہ شہر فطری محاسن سے سجا ہوا ہے۔ سرسبز کھیتیاں، پر رونق عمارتیں، خوب صورت باغات، بل کھاتی ہوئی نہریں، برف پوش پہاڑیاں اور ان سب کے بیچ شعر و ادب کی رعنائیاں، علم و ثقافت کے مراکز، عظیم الشان کتب خانے اور علوم و فنون کے مراکز۔

قرطبہ شہر کی ایک اہم شخصیت شاعرہ ولادۃ بنت المستکفی ہے، ولادۃ اندلس میں امرائے بنو امیہ کے گھرانہ کی ایک شاعرہ ہے، یہ اندلسی ادب میں خاتون شعرا کے درمیان بہت اونچا مقام رکھتی ہے۔ اس کی خوب صورتی، اس کی شخصیت کی سحر انگیزی، اس کے اشعار، اس کی ذہانت، اندلس کے ارباب ادب کو بہت متأثر کرتی تھی، ولادۃ کی شخصیت کی سحر انگیزی نے اندلس کے ایک بہت بڑے شاعر کو مسحور کر رکھا تھا، ابو الولید احمد بن زیدون ولادۃ کی محبت میں گرفتار تھا، اندلسی ادب میں ان دونوں کی محبت کے قصے بہت مشہور ہیں، مختلف زمانوں میں شعرا اور ادبا بڑے اہتمام سے اس کے

ادب وفن کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے رہے ہیں، اہل ادب کا اعتراف ہے کہ ولادۃ ایک بلند پایہ شاعرہ اور ادیبہ ہے اس کے اشعار معیاری ہوتے ہیں، وہ اپنے زمانے کے شعرا سے مسابقت بھی کرتی ہے، اس نے نوّے (90) برس کی طویل عمر پائی ہے، مگر اس نے عمر بھر کسی سے شادی نہیں کی۔

2.4.7 ولّادہ اور ابن زیدون

ولّادہ کا نام اکثر احمد بن زیدون کے نام کے ساتھ لیا جاتا ہے، ابن زیدون بڑا شاعر اور ادیب تھا، وہ ولّادہ سے بہت محبت کرتا تھا، اس نے ولّادہ کی محبت میں بہت سے اشعار کہے، ولّادہ اور ابن زیدون کی ملاقات اور گفتگو ہوتی رہتی تھی، ولادۃ نے اپنی شاعری میں اپنے محبوب سے جدائی اور فراق کا شکوہ بھی کیا ہے، ولادہ محض غزل گو شاعرہ نہیں ہے بلکہ اس نے ہجو گوئی بھی کی ہے اور وہ بھی نہایت سخت، بسا اوقات وہ ہجو گوئی میں مرد شعرا سے بھی ممتاز نظر آتی ہے، اس نے ابن زیدون کی کبھی ہجو نہیں کی، بلکہ وہ اکثر اس کی محبت میں شعر کہا کرتی تھی، ابن زیدون بھی اس سے بے حد محبت کرتا تھا، ولادہ سے عشق و محبت ہی کے سبب وہ پریشان کن حالات اور زندگی کی سختیوں سے گذرا، ابن زیدون کے علاوہ ابن عبدوس نے بھی ولادۃ کی محبت کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کی اور کچھ دنوں کے لیے ولادۃ اس سے قریب بھی ہوئی، لیکن بالآخر اس نے ابن عبدوس سے دوری اختیار کرتے ہوئے مستقل طور پر ابن زیدون کی محبت کو چن لیا، محبت کی اس رقابت نے ابن زیدون کو قید و بند کی صعوبتوں سے دو چار کر دیا، وہ کبھی راہ فرار اختیار کرتا، کبھی چھپتا پھرتا اور کبھی شہر چھوڑ کر چلا جاتا۔

ولادہ سے جدائی اور فرقت کے دنوں میں ابن زیدون نے جو اشعار کہے وہ بہت عمدہ ہیں، ان اشعار میں اس نے خیال آفرینی کی ہے، اس نے نہایت آسان، شیریں اور نئے معانی پر مشتمل اشعار کہے ہیں، اس نے اپنی عاجزی و انکساری، ولادہ کی عظمت و احترام کا اعتراف اور اس کی محبت میں ملنے والے غم و الم کا اظہار کیا ہے، ابن زیدون نے ولادہ کی محبت میں جو قصیدہ نونیہ کہا ہے وہ اس کی شاعری کا خاص نمونہ ہے جس میں اس نے اپنی ادبی صلاحیتوں اور ولادہ سے اپنی بے پناہ محبتوں کے جذبات کو سمو دیا ہے، چنانچہ ادب اندلسی میں ابن زیدون کے قصیدہ نونیہ کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔

قرطبہ میں ولّادہ کے زمانہ کی ایک شاعرہ مُھجۃ بنت التیانی القرطبیہ ہے، کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کی خوب صورت خواتین میں سے ایک تھی، اس کے والد انجیر کے ایک تاجر تھے اور اسی مناسبت سے انھیں التیانی کہا جاتا ہے اور شاعرہ مُھجۃ بنت التیانی کے نام سے معروف ہے، مُھجہ اور ولادہ کے درمیان تعلقات جلد ہی ناخوشگوار ہو گئے، چنانچہ مُھجہ نے ولادہ کی سخت ہجو کی، مُھجہ کے اشعار بہت کم دستیاب ہیں، مُھجہ کے اشعار میں ندرت خیال ہے، اس کے اشعار میں اس قدر فحش ہے کہ جس کے مطالعہ سے اس کی عفت پر حرف آتا ہے۔

2.4.8 چھٹی صدی کی خواتین شعرا

چھٹی صدی کی خاتون شعرائے غرناطہ میں سب سے نمایاں نام حفصۃ بنت الحاج کا ہے، اسے حفصۃ الرکونیۃ بھی کہا گیا ہے، یہ بہت خوب صورت، صاحب حسب و نسب اور اہل ثروت تھی، غرناطہ شہر کے معزز گھرانے سے تعلق رکھتی تھی، شاعرہ ہونے کی حیثیت سے غرناطہ میں حفصہ کا وہی مقام تھا جو ولادہ کا قرطبہ میں تھا، بلکہ حفصہ ولّادہ سے زیادہ بہتر شاعرہ تھی، حفصہ اپنی غزل میں عشق و محبت کی باتیں بڑی جرأت کے ساتھ کرتی ہے، ولادہ کی محبت کا رشتہ ابن زیدون سے قائم تھا جو وزیر اور شاعر و ادیب تھا، اسی طرح حفصہ کی محبت ابو جعفر احمد بن سعید کے ساتھ تھی جو ایک شاعر و

ادیب اور بنو عبد المؤمن کا وزیر بھی تھا، ولادہ کی محبت میں گرفتار ابن زیدون کا رقیب اسی کے مثل ایک وزیر تھا، ابو عامر بن عبدوس اور حفصہ کی محبت میں ابن سعید کا رقیب خود حاکم وقت ابو سعید عثمان بن عبد المؤمن بن علی تھا جسے امیر المؤمنین کہا جاتا تھا، ولادہ کی محبت میں گرفتار ابن زیدون زمانہ کی بڑی آزمائشوں سے گذرا، اسی طرح حفصہ کی محبت میں ابن سعید بھی حالات کی سختیوں کا شکار ہوا بلکہ اس کو ابن زیدون سے زیادہ بڑی آزمائشوں سے گذرنا پڑا۔

حفصہ نے غرناطہ کے مضافات میں پرورش پائی جہاں سے دیگر خاتون شعرا نزھون القلاعیۃ، حمدونۃ اور زینب پرورش پا کر اندلس کے ادبی افق پر نظر آتی ہیں، حفصہ برجستہ عمدہ اور اچھے اشعار کہتی تھی۔ حفصہ کے اندر نرمی اور لطافت، روح کی پاکیزگی اور اخلاق کی شائستگی پائی جاتی تھی، حفصہ کے سب سے لطیف اور باحوصلہ شعر وہ ہیں جو اس نے ابو جعفر بن سعید کے بارے میں غزل کے طور پر کہے، حفصہ اور ابو جعفر اکثر ایسے خوب صورت باغات میں ملاقات کرتے تھے جہاں پانی اور پرندے ہوتے۔

اس دور میں اشبیلیۃ میں ایک شاعرہ تھی، جس کا نام تھا اسماء العامریۃ، لیکن اس کے چند ہی اشعار محفوظ ہیں، قرطبہ میں پانچویں صدی کے بعد کے دور میں زیادہ بڑی تعداد میں خواتین شعرا کا ذکر نہیں ملتا، چھٹی صدی میں صرف ایک شاعرہ ام الھناء بنت القاضی ابو محمد بن عبد الحق بن عطیۃ کا ذکر ملتا ہے، اس کے والد اکابر علما میں سے تھے، ام الھناء نے اپنے والد سے علم وفن کا وافر حصہ حاصل کیا تھا، وہ عقل وشعور اور فہم وفراست کی مالک تھی، شیخ ابن عطیہ کو اپنے وطن قرطبہ سے خاص محبت اور الفت تھی، جب انھیں شہر المریۃ کا قاضی مقرر کیا گیا تو قرطبہ سے جدائی کے احساس سے متأثر ہو کر چند اشعار کہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قرطبہ سے جدائی کے وقت وہ کس قدر متأثر ہوئے تھے، ان کی بیٹی ام الھناء بھی اپنے والد کی خوشی اور غم کے ملے جلے ان جذبات کو محسوس کرتے ہوئے اپنے والد کے لیے چند اشعار کہے۔

اسی زمانے میں مغربی اندلس کے شہر شلب میں ایک شاعرہ کا ظہور ہوتا ہے جس کے نام کی تفصیلات کا پتہ نہیں چل سکا، اسی لیے اسے شہر شلب کی طرف منسوب کرتے ہوئے صرف الشلبیۃ کہا جاتا ہے، اس زمانہ میں حکام اور بلدی افسران کے مظالم میں اضافہ ہو گیا تھا، چنانچہ یہ شاعرہ ان مظالم کی شکایت اپنے اشعار کے ذریعہ کرتی ہوئی نظر آتی ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی شخصیت عالی ہمت اور صاحب استقامت تھی۔

2.5 اندلسی شاعری میں فطری محاسن کا بیان

اندلس قدرتی خزانوں سے لبریز تھا۔ جب مسلمانوں نے اندلس میں قدم رکھا اور زمام اقتدار سنبھالا تو ان خزانوں سے بھرپور استفادہ کیا اور اس طرح اندلس میں اسلامی ریاست ایک ترقی یافتہ ریاست کی شکل میں ظاہر ہوئی جس کا اثر وہاں کے علم وادب میں نمایاں طور پر مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ وہاں شعرا کی جماعت میں خواتین شعرا کی پیش قدمی اور فطری مناظر ومحاسن کو شعر وادب کا موضوع بنانا اور انسانی زندگی کے مسائل کو ادبی کاوشوں میں زیر بحث لانا اس کی واضح نشانیاں ہیں۔

اندلس میں عرب قوم اور امرا وخلفا کی علم دوستی کی وجہ عربی ادب پر اون چڑھتا رہا اسی وجہ سے اس میں مشرقی ادب کی چھاپ نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ یہ ادبی سفر مشرق ومغرب کے درمیان علمی، ادبی اور تجارتی مقاصد کے لیے کیے جانے والے اسفار کے دوش بدوش ترقی کے منازل طے کرتا رہا۔ تاریخی کتابیں اس پر شاہد ہیں کہ اہل اندلس مشرقی ممالک خاص کر بغداد کا سفر کیا کرتے تھے اور وہاں کے علما وشعرا سے استفادہ کیا کرتے

تھے اور اندلس کے بڑے شعرا کا کلام ان کی ادبی محفلوں میں پیش کیا کرتے تھے۔ اندلسی شعرا اکثر اپنے اشعار میں اپنے آباو اجداد کے تذکرے اور وطن سے لگاؤ و محبت اور اس کی یادوں کو موضوع بناتے تھے اور اپنے اشعار میں وطن عزیز کی یادوں کو متاثر کن انداز میں بیان کرتے تھے، اسی بنا پر اندلسی ادب پر مشرق کی چھاپ نظر آتی ہے اور اندلسی ادبا و شعرا مشرقی ادیبوں اور شاعروں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اندلسی شاعری میں فطری محاسن کو اہم مقام حاصل ہے چنانچہ وہ زہریات، ثلجیات اور مائیات وغیرہ کو شعر کا موضوع بناتے ہیں اور اپنے اشعار کو پھولوں، پھلوں، نہروں اور دیگر فطری مناظر سے دلکش و جاذب بناتے ہیں اور ان کی انوکھی تصویر کشی کرتے ہیں۔ یہ وہ موضوعات ہیں جسے بہت پہلے اہل مشرق نے موضوع سخن بنالیا تھا اور اہل حلب اس میں پیش رو تھے اور اپنی شعری پختگی کی وجہ سے کسی حد کامیاب بھی ہوئے تھے چنانچہ چوتھی صدی میں کسی قدر ایسے شعرا ملتے ہیں جو محاسن فطرت کو بیان کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، لیکن اسے ہم اس راہ میں ابتدائی کوشش قرار دے سکتے ہیں جسے اہل اندلس نے اوج کمال تک پہنچایا۔

اندلس کے فطری محاسن نے شعرا کے تخیل کو ایک نئی سمت دی اور وہ ان قدرتی مناظر کی خوب صورتی اور حسن و جمال سے نئے معانی نکالنے اور اسے ایک نئے انداز میں پیش کرنے میں کامیاب ہوئے۔ چنانچہ فطری مناظر کو موضوع سخن بنانے والا شاعر ان فطری مناظر میں محو خیال ہوئے بنا نہیں رہتا اور الگ الگ قدرتی ہیئت پر پھیلی ہوئی بہتی ہوئی نہر ہے اور اس کا صاف و شفاف پانی، انواع و اقسام کے درخت اور پیڑ پودے، نوع بنوع کے پھول، مختلف ناز و انداز میں درختوں سے چپکی ہوئی پتلی پتلی شاخیں اور ان پر مسکراتے ہوئے دعوت نظارہ دینے والے دلکش و خوب صورت رنگ برنگ کے پھول اور ان پر منڈراتی تتلیاں اور گنگناتے اور چہچہاتے پرندوں میں کھو جاتا ہے اور اس کے تخیلات بحر الفاظ کی گہرائیوں سے ان آبدار موتیوں کو نکال لاتا ہے جو اہل ذوق کو مسحور کر دے۔

اندلس ان تمام محاسن فطرت سے مالا مال ہے اور اندلسی شعرا ان تمام محاسن کو بڑی خوبی سے اپنے اشعار میں بیان کرتے ہیں اور اس کے لیے وہ خوب صورت تشبیہ اور استعارہ سے کام لیتے ہیں۔ شیریں الفاظ اور عمدہ ترکیب استعمال کرتے ہیں، سننے والے کان آواز کی مٹھاس اور موسیقیت سے لطف اندوز ہوتے ہیں ابوالصلت امیۃ بن عبدالعزیز اشبیلی پانچویں صدی کے وسط میں اشبیلیہ میں پیدا ہوتا ہے اور اندلس کے تمام اطراف کا سفر کرتا ہے، وہ شمالی افریقہ اور مصر کا سفر کرتا ہے، جمال فطرت اسے اس قدر برانگیختہ کر دیتا ہے کہ جب وہ اپنے اشعار میں فطری محاسن کو بیان کرتا ہے تو محسوس ہوتا ہے کہ وہ گویا ایک ماہر مصور ہے جس نے فطری محاسن کو الفاظ و ترکیب کے عروسی لباس سے آراستہ کر دیا ہے، فطری محاسن کو بیان کرنے والے شعرا میں اندلس میں سب سے نمایاں نام ابن خفاجہ کا ہے اور پھر اس کے بعد ابن الزقاق کا نام آتا ہے، بارش کے بعد پہاڑی ٹیلوں کو دیکھ کر ابن زقاق خود پر قابو نہیں رکھ پاتا ہے اور اس خوب صورت منظر کی عکاسی اپنے اشعار کے ذریعہ کرتا ہے اور فطری بات ہے کہ بارش کے بعد باغ کے خوب صورت منظر سے زیادہ خوب صورت منظر اور کون سا ہو سکتا ہے؟ ابن خفاجۃ ایک درخت کے نیچے ٹھہرتا ہے اور اس درخت کے محاسن اور ماحول کی خوب صورتی کو بڑے انوکھے اسلوب میں بیان کرتا ہے۔

اندلسی شعرا نے خوب صورت پھولوں کے بارے میں اشعار کہے، ان کے یہاں کسی مخصوص پھول کے بارے میں کثرت سے اشعار پائے جاتے ہیں جیسا کہ فطری محاسن کو بیان کرنے والے حلب کے شعرا کرتے ہیں۔ انہوں نے گلاب، نرگس، نیلوفر اور یاسمین وغیرہ کے محاسن بیان کیے ہیں، البتہ اندلسی شعرا نے پھولوں کے محاسن بیان کرنے کے لیے محفلوں کا انعقاد نہیں کیا ہے، یعنی اجتماعی طور پر پھولوں کے محاسن بیان کرنے کے

لیے کوئی مقابلہ کی مجلس منعقد نہیں کی ہے، ابن حمدیس ایک پھول کو مرجھا تا ہوا دیکھ کر اس پر افسوس کرتے ہوئے اپنے دلی جذبات کا اظہار کرتا ہے، جب وہ دیکھتا ہے کہ پھول خوب صورت تو ہے لیکن خوشبو سے خالی ہے تو وہ اس کی ہجو بھی کرتا ہے، اندلس میں گلاب کا پھول کثرت سے پایا جاتا ہے، اسی وجہ سے اندلسی شعرا نے جس قدر اشعار گلاب کے بارے میں کہے ہیں اتنے اشعار دوسرے پھولوں کے بارے میں نہیں کہے، حکمراں کا ایک بیٹا ابوالولید اسماعیل بن حبیب نے ایک گلاب اپنے والد کو بھیجا اور پھر اس گلاب کے محاسن بیان کرتے ہوئے اپنے ممدوح کے بھی محاسن بیان کیے، اندلسی شعرا نے نرگس کے بارے میں زیادہ اشعار نہیں کہے، البتہ یاسمین کے بارے میں یہاں زیادہ اشعار ملتے ہیں، شعرا کے یہاں نلوفر کی بڑی اہمیت ہے، اندلسی ادیبوں نے بھی اسے پسند کیا ہے، معتمد بن عباد اس کے محاسن بڑی مہارت کے ساتھ بیان کرتا ہے۔

یہ بات غیر فطری ہوگی کہ اندلسی شعرا باغات اور پھولوں کے محاسن کو بیان کریں اور میٹھے خوش رنگ اور شیریں پھلوں کا ذکر نہ کریں، اندلسی شعرا نے باغات اور پھولوں کے محاسن بیان کرنے کے ساتھ ساتھ خوش رنگ اور خوش ذائقہ پھلوں کے محاسن بھی بیان کیے ہیں۔ سیب، نارنگی اور انار وغیرہ جیسے پھلوں کا تذکرہ اندلسی شعرا نے اپنے اشعار میں کیا ہے، گو باغات اور پھولوں کے مقابلہ میں پھلوں کا تذکرہ کم ہی ملتا ہے، نارنگی کا رنگ بہت خوش نما ہوتا ہے جب وہ درخت کی شاخوں پر لگا ہوتا ہے تو دیکھنے والوں کو مسحور کر دیتا ہے اور اسی وجہ سے شعرا کی نظر میں یہ پھل زیادہ ہی پر کشش اور جاذب نظر مانا جاتا ہے ابن خفاجہ نے اپنے خاص اسلوب میں نارنگی کے اوصاف بیان کیے ہیں، شاعر احمد بن محمد نے انار کے اوصاف بیان کیے ہیں، ایک شاعر احمد بن شقاق کی نظر جب کالے انگور پر پڑی جو سبز پتوں میں چھپا ہوا تھا، تو اس نے اس خوب صورت منظر کو اپنے ذریعہ ادبی ذوق کے سانچے میں ڈھال دیا۔

اندلس کی خوب صورتی، اس کی شادابی اور خوش حالی ان نہروں کی مرہون منت ہیں جو اندلس کے شہروں کے اطراف سے گذرتی ہیں، یہ نہریں اندلس شہر کی خوب صورتی میں چار چاند لگا دیتی ہیں، مشرق و مغرب اور شمال و جنوب، ہر طرف پانی کی برکات نظر آتی ہیں، خوب صورت باغات اور ان میں قسم قسم کے پھولوں کا تبسم، نہر کے صاف و شفاف پانی کی بدولت ہی ہے، ترقی یافتہ اندلس میں حکمرانوں نے نہروں کے پانی کو اپنے محلات تک کھینچ لایا ہے جو محلات کے اطراف میں باغات کی خوب صورتی کو جاذب نظر بنا دیتا ہے۔ قرطبہ، اشبیلیہ اور غرناطہ کی سرسبز و شادابی ان ہی نہروں کی مرہون منت ہے۔ یہاں متعدد نہریں ہیں، جن سے چھوٹے چھوٹے تالاب و حوض نکلتے ہیں، جن سے مختلف باغات سینچے جاتے ہیں، جن کا پانی پرندوں کے لیے حیات بخش ہے اور جن سے اندلس کا سارا ماحول فطری محاسن سے معمور نظر آتا ہے۔ محمد بن صارۃ الشنتر ینی ایک تالاب کی دلفریبی بہت خوب صورت پیرائے میں بیان کرتا ہے۔ ابن حمدیس نے افریقہ میں متوکل بن اعلی الناس کے محل میں واقع ایک تالاب کے حسن کو بیان کیا ہے۔ ابوعبداللہ محمد بن غالب البلنسی الرصافی نے نہروں کے حسن کو بڑی خوب صورتی سے بیان کیا ہے۔

نہروں کے کنارے پر آباد لوگ جب نہروں میں مدو جزر کے حسین مناظر دیکھتے ہیں تو وہ ان سے بہت لطف اندوز ہوتے ہیں اور یہ مناظر ان کے لیے بہت دلفریب ہوتے ہیں، ہر نہر میں مدو جزر نہیں ہوتا، لیکن اندلس کے اکثر نہروں میں مدو جزر کے مناظر دیکھے جاتے ہیں، نہروں میں مدو جزر کے یہ حسین مناظر، شعرا کے ادبی ذوق کو برانگیختہ کرنے کے لیے کافی ہوتے ہیں، چنانچہ اندلس کے شعرا نے نہروں میں مدو جزر کے حسین مناظر کو اپنے انوکھے ادبی اسلوب میں بیان کیا ہے۔ ابوالحسن محمد بن سفر نے اشبیلیہ کی نہر میں مدو جزر کے دلفریب مناظر کو اپنی شاعری کے لطیف اور نازک اسلوب میں بیان کیا ہے، عبدالغفار بن ملیح الدوری نے بھی نہر میں مدو جزر کے حسین مناظر کو بیان کیا ہے اور اس نے کہا ہے کہ نہر کا

پانی جزر کی حالت میں گویا اس بارش کی طرح ہے جو اپنے محبوب سے جدائی کا الم جھیل رہا ہے، یعنی وہ باغات سے دور ہے اور مد کی حالت میں نہر کا پانی گویا ٹہنیوں سے ملاقات کرتا ہے، الغرض اندلس میں فطری محاسن بیان کرنے والے شعرا نے نہر کے پانی کی مختلف کیفیات کو بہت ہی اچھے اسلوب میں بیان کیا ہے جس سے ان شعرا کے خیالات کی عکاسی ہوتی ہے ان کی طبیعت کی فیاضی، ان کے معانی کی وسعت اور ان کی باوقار شخصیت کا اظہار ہوتا ہے۔

2.6 مُوشّحات

عربی شاعری میں یہ ایک نیا فن ہے، جو عربی غنائی شعر کی قسموں سے مختلف ہے، یہ وہ قصیدہ ہے جو کسی ایک قافیہ کی پابندی کے بغیر نظم کیا جاتا ہے اور جو عام طور پر سات شعروں پر مکمل ہوتا ہے۔ ابن سناء الملک نے کہا کہ موشحات ایک مخصوص وزن پر منظوم کلام کا نام ہے، جس میں زندگی کے مخصوص حالات کی عکاسی کی جاتی ہے۔ اس فن کا ایجاد اندلس میں ہوا، موشحات کا موجد ابن خلدون کے بقول مقدم بن معافی القبری ہے، ابن بسام نے لکھا ہے کہ موشحات کا موجد محمد بن محمود ہے، لیکن راجح یہ ہے کہ موشحات کا موجد مقدم بن معافی ہی ہے، انیسویں صدی کے وسط میں موشحات عربی ادبی ذخیرے میں شامل ہوا، ایک ترقی یافتہ سماجی زندگی میں موشحات نے اپنی قدر و قیمت اور پہچان بنائی ہے، موشحات کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اوزان وقوافی کی آزادی ہے، اس میں نئے اوزان وقوافی پیش کیے گئے ہیں جو روایتی قصیدوں کے قافیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں، شروع شروع میں موشحات کا اصل موضوع غزل گوئی ہی رہا ہے، لیکن بعد میں اس میں مدح، ہجا اور تعریف وتوصیف جیسے دیگر موضوعات بھی شامل ہو گئے۔ ایک موشح میں ایک سے زیادہ وزن اور ایک سے زیادہ قوافی ہوتے ہیں، موشحات کے شعرا میں سے چند نام یہ ہیں: ابوبکر عبادہ بن ماء السماء عبادہ القزاز جو معتصم بن صمادح کے دربار کا شاعر تھا، ابن لبانہ، اعمی التطیلی (جو مرابطین کے عہد کا موشحات کا سب سے بڑا شاعر تھا) ابن البقی، ابن باجہ وغیرہ۔ ہر موشح کی بناوٹ اور ترکیب میں بنیادی طور پر سات اجزا شامل ہوتے ہیں: ۱۔ مطلع یا مذہب ۲۔ دور ۳۔ سمط ۴۔ قفل ۵۔ بیت ۶۔ غصن ۷۔ خرجۃ، موشحہ میں شعر عوامی زبان کے الفاظ کے علاوہ بعض عجمی الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں۔

موشحات کے آغاز و ابتدا کے بارے میں اندلسی ادب کا مطالعہ کرنے والوں میں دو نقطۂ نظر پائے جاتے ہیں، ایک یہ کہ موشحات اپنی بناوٹ اور اپنے مضمون کے لحاظ سے اسپینی شاعری کا عکس ہے، جس سے جزیرہ نما ایبیریہ کے باشندے اچھی طرح واقف تھے، دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ موشحات دراصل عربی شاعری میں فطری ارتقا کا نتیجہ ہے پہلی رائے مستشرقین کی ہے، جب کہ دوسری رائے عربی ادب کے مشرقی اہل نظر کی ہے، حقیقت یہ ہے کہ اندلسی موشحات کی بنیاد مشرق میں پڑ چکی تھی اور یہ آہستہ آہستہ ترقی کرتی رہی، یہاں تک کہ اندلس میں شعرا نے اس میں فنی حسن و جمال کے کچھ پہلو شامل کر دیے، جس سے یہ ایک مخصوص قسم کی شاعری کی حیثیت سے ادب عربی میں متعارف ہوگئی اور اسی کو اندلسی موشحات کہتے ہیں۔

موشحات کا آغاز گیت کے لیے ہوا تھا، اسی وجہ سے شروع شروع میں موشحات کا مرکزی موضوع غزل ہی رہا، غزل اور گیت کو بہت حد تک شراب سے نسبت ہے، بلکہ شراب، غزل اور گیت کہنے والے شعرا کی اولین پسند ہے، چنانچہ غزل اور شراب گویا ایک ہی موضوع کے مثل ہو گئے، یہی وجہ ہے کہ اندلسی لوگ خوب صورت باغ میں یا بہتی ہوئی نہر کے ساحل پر غزل، گیت اور شراب کی محفل منعقد کیا کرتے تھے، اندلس فطری محاسن سے مالا مال سرزمین ہونے کے لحاظ سے وہاں کے لوگ جمال فطرت کے تذکرے سے لاتعلق نہیں رہ سکتے تھے، چنانچہ وہ موشحات میں

غزل اور گیت کہنے کے ساتھ ساتھ فطری محاسن بھی بیان کرنے لگے اور پھر غزل اور گیت کے ساتھ فطری محاسن کا بیان بھی موشحات کے موضوعات میں شامل ہو گیا اور جب اندلسی ادب میں موشحات کو ایک مخصوص شعری فن کی حیثیت سے قبول عام حاصل ہو گیا تو اندلسی شعرا دیگر تمام شعری موضوعات موشحات میں بیان کرنے لگے۔تعریف وتوصیف،عید کے موقع پر مبارکباد دینا،مرض سے شفا پانے کی تمنا،تصوف،رثاء،ہجو وغیرہ ان تمام مضامین کو موشحات میں جگہ ملنے لگی اور موشحہ گو شعرا کے لیے موشحات کے موضوع میں کافی وسعت پیدا ہو گئی۔

2.7 زجل

عوامی زبان میں کی گئی شاعری کو عربی ادب کی اصطلاح میں ''زجل'' کہا جاتا ہے، زجل ایک مخصوص قسم کی شاعری ہے جس کا ظہور اندلس میں ہوا،موشحات کے ذکر کے بعد زجل کا بیان اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ زجل کی ابتدا موشحات کے بعد ہوئی ہے، یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ موشحات میں بعض عامی الفاظ اور بعض عجمی الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں، اس رجحان نے زجل کے لیے اندلسی ادب میں راستہ ہموار کر دیا، زجل کے اشعار کا ظہور جب اندلسی ادب میں ہونے لگا تو اس سے پہلے موشحات اندلس کی سرزمین میں اپنی ارتقائی منزلیں طے کر رہا تھا۔

اندلس میں زجل کہنے والے بہت سے لوگ پائے جاتے ہیں، گو ان کی تعداد موشحات کہنے والوں کی تعداد سے نصف سے بھی کم ہے، زجل کہنے والوں میں سرفہرست ابوبکر محمد بن عیسی بن عبدالملک بن قزمان الاصغر ہے،اس نے جب شاعری کا سفر شروع کیا تو اس نے محسوس کیا کہ وہ بڑے شعرا کے مقام ومرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا،لیکن وہ عامی (یعنی عوامی) زبان میں خیالات کی ندرت کو پیش کر سکتا ہے تو اس نے زجل کہنا شروع کر دیا، زجل کے میدان میں اس کا مقام ومرتبہ وہی ہے جو عربی شاعری میں متنبی کا ہے،زجل کے بڑے شاعروں میں سے ایک احمد بن الحاج ہے جو مدغلیس کے نام سے مشہور ہے، اندلس والے اسے ابن قزمان کا جانشیں قرار دیتے ہیں اور زجل میں اس کا مقام ومرتبہ شاعری میں ابوتمام کے جیسا قرار دیتے ہیں، دیگر زجل کہنے والے شعرا میں سے ابن غرلہ، ابن جحدر اشبیلی ، ابوزید الحداد البکا زور البلنسی ، ابوعبداللہ محمد بن حسون الحلا ، ابوعمر والزاھد، ابوبکر الحصار، ابوعبداللہ بن خاطب، ابوبکر بن صارم اشبیلی اور حسن بن ابونصر الدباغ ہیں، آخر الذکر نے زجل میں بہت سے قصائد کہے ہیں،خصوصا ہجو گوئی میں، زجل کے بعض شعرا کے دیوان بھی ہیں،جس طرح دیگر شعرا کے بالعموم دیوان ہوا کرتے ہیں، البتہ وہ سب زمانہ کے دست برد سے محفوظ نہ رہ سکے،سوائے ابن قزمان کی دیوان اور زجل کے متفرق نمونوں کے، زجل کہنے والوں کا شعری ذخیرہ قابل قدر تعداد میں ہم تک نہیں پہنچ سکا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل اندلس نے جس طرح شعری دواوین اور موشحات کی حفاظت کا اہتمام کیا، اس طرح انہوں نے زجل کی حفاظت نہیں کی ، یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اہل اندلس کو فصیح شاعری اور موشحات میں زیادہ دلچسپی تھی نہ کہ زجل میں۔بعض ادیبوں نے تو اپنی کتابوں میں موشحات کی ایک بھی مثال دینے سے گریز کیا حالانکہ وہ اہل اندلس کے یہاں ایک بلند پایہ فن سمجھا جاتا ہے،صرف اس وجہ سے کہ موشحات میں عامی الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے اس قسم کی عوامی شاعری کو اہمیت نہیں دی ، جیسے ابن بسام نے ''الذخیرۃ'' میں اور فتح بن خاقان نے ''القلائد'' اور ''مطمح''میں، لہذا یہ فطری امر تھا کہ وہ زجل کو بھی نظر انداز کر دیں۔

زجل اپنے آغاز میں غزل، لہو اور تفریح کی حد تک محدود تھا،لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ تعریف وتوصیف، فخر، زہد، مرثیہ، ہجو وغیرہ مضامین اس کا حصہ بن گئے، زجل کی نشوونما جن حالات میں ہوئی وہ غیر طبعی حالات تھے، اندلس میں ملوک الطوائف کے زمانے کے بعد مرابطین کی

حکمرانی کا دور آیا تو یہ لوگ عربی زبان اچھی طرح نہیں جانتے تھے، چنانچہ عربی زبان کے شعرا اور ادیب کی عزت افزائی میں کمی واقع ہونے لگی، اس سبب سے بعض شعرا عوامی اور عجمی زبان میں شاعری پیش کرنے لگے، تاکہ انھیں حکمرانوں کی طرف سے اعزازات اور انعامات حاصل ہوں، زجل کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ اس دور میں زجل کو شعرا کی فصیح عربی زبان سے گویا نفرت سی ہونے لگی تھی، کیونکہ زجل گو شعرا نحو کے ایک ایک قاعدے کو توڑنے پر مُصر تھے، چنانچہ ابن قزمان اپنے دیوان کے شروع میں کہتا ہے کہ زجل میں اعراب لحن کے مانند ہے۔

2.8 شعر گوئی اور اسلامی بحریہ

اندلس میں شعر گوئی کا ایک اہم موضوع اسلامی بحریہ ہے اور دوسرا اندلس میں مسلمانوں کی حکمرانی کا انحطاط وزوال، اسلامی بحریہ کا موضوع فتح ونصرت اور جنگی محاذ پر کامیابیوں کے تذکرے سے عبارت ہے، جس سے دل خوش ہوتا ہے، جب کہ اندلس میں اسلامی حکومتوں کا زوال اور ہزیمت کا بیان دل کو غمزدہ کرنے والا ہے، اندلس کے شعرا ان دونوں موضوعات کو اپنی شاعری میں بیان کرتے رہے ہیں، مشرقی ادب میں اسلامی بحریہ کا ذکر ملتا ہے، لیکن اندلس میں اسلامی بحریہ کا ذکر کسی قدر مختلف انداز میں نظر آتا ہے، کہتے ہیں کہ بہت بڑی نعمت جب چھن جاتی ہے تو اس کا غم بھی بڑا ہوتا ہے، اندلس میں مسلمانوں کی حکمرانی ایک عظیم حکمرانی تھی جس نے دنیا میں مسلمانوں کی عظمت وشوکت بڑھادی تھی، علوم وفنون کے شعبہ میں ترقیات نے مسلمانوں کا سر فخر سے بلند کر دیا تھا، اس لیے طبعی بات ہے کہ ایسی عظیم الشان حکمرانی جب زوال سے دوچار ہو جائے، ایک کے بعد ایک ترقی یافتہ شہر ہاتھ سے نکلتا چلا جائے تو یہ ضرور باعث رنج والم ہوگا، مشرقی ادب میں یہ بات معروف رہی ہے کہ شہروں اور حکومتوں کے زوال کا مرثیہ کہا جائے، عبدالرحمن اوسط نے اندلس میں اسلامی بحریہ کا آغاز کیا اور عبدالرحمن ناصر اور اس کے بیٹے الحکم المستنصر نے اسے مستحکم اور طاقتور بنایا، عبدالرحمن ناصر کے عہد میں تین سو کی تعداد میں جنگی کشتیاں تھیں، عہد بہ عہد اسلامی بحریہ کی قوت میں اضافہ ہوتا رہا اور خطے میں اس کا دبدبہ بڑھتا گیا، ابن خلدون کے بقول بحر ابیض میں مغرب کا سارا خطہ اسلامی بحریے کے زیر اثر آ گیا تھا۔

مشرق میں سب سے پہلے ابونواس نے امین کی کشتیوں کے اوصاف بیان کیے جو بغداد کے قریب دجلہ میں چلتی تھیں، لیکن یہ کشتیاں جنگی مقاصد کے لیے استعمال نہیں ہوتی تھیں، بلکہ یہ کشتیاں تفریحی مقاصد کے لیے استعمال ہوتی تھیں، مشرق میں اب سے پہلے جنگی کشتیوں کے اوصاف بیان کرنے والا مسلم بن ولید ہے جس نے بحری جنگ کے دوران کشتیوں کے اوصاف بیان کیے۔ ابن ھانی، لسان الدین بن الخطیب، ابن حمدیس وغیرہ شعرا نے اندلسی بحریہ کے اوصاف اپنی شاعری میں بیان کیے ہیں۔

2.9 سقوط اندلس

اندلس کی سرزمین میں مسلمانوں کی عظمت وشوکت کی تاریخ آٹھ سو سال (۸۹۸۔ ۹۳ھ/ ۱۴۹۲۔ ۷۱۱ء) پر محیط ہے، یقیناً یہ عظمت و شوکت بہت بڑی ہے، لیکن یہ بھی المیہ ہے کہ جب اس کا سقوط ہوا اور ایک ایک کر کے تمام شہر میں ان کا اقتدار ختم ہو گیا تو اس سے بڑا کوئی زوال نہ تھا، کیونکہ اس زوال کے نتیجہ میں اندلس سے مسلمانوں کا تقریباً نام ونشان مٹا دیا گیا، اس لیے زوال پر غم والم کی داستان بھی اپنے اندر بہت وسعت اور گہرائی رکھتی ہے، اندلس کے شعرا نے بجا طور پر غم والم کی اس داستان کو محسوس کیا ہے اور اسے اپنی شاعری میں جگہ دی ہے، اندلس کے شہروں میں سے سب سے پہلے جو شہر مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکلا وہ طلیطلہ تھا، یہ مسلمانوں کے لیے پہلا بڑا صدمہ تھا، ان حالات کا تذکرہ شاعر عبداللہ بن

الفرج الیحصبی نے اپنی شاعری میں کیا ہے، بلنسیہ شہر اندلس کے خوب صورت اور ترقی یافتہ شہروں میں سے ہے، جب اس کا سقوط ہوا تو اس پر ابن خفاجہ، ابن اختہ المعروف بہ ابن الزقاق البلنسی ، الرصافی وغیرہ نے اپنے اشعار میں غم وحسرت کا اظہار کیا۔

2.10 اندلس میں فنی نثر

اندلس کا سب سے مشہور مصنف ابومحمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی القرطبی (وفات ۴۵۶ ھ) ہے، روایت ہے کہ انہوں چار سو تالیفات چھوڑی ہیں، ان کی سب سے مشہور کتابیں : **الفصل في الملل والأهواء والنحل ، الإحكام في أصول الأحكام ، جمهرة الأنساب ، لاناسخ والمنسوخ ، المحلى ، طوق الحمامة** وغیرہ ہیں، انہوں نے شعری آثار بھی چھوڑے ہیں، وہ روانی سے فی البدیہہ اشعار کہتے تھے، ان کے شاگرد حمیدی نے ان کی شاعری کو جمع کیا ہے، لیکن ان کے اشعار ہم تک بہت ہی کم پہنچے ہیں، ان کی شاعری کا بیشتر حصہ بیس سال کی عمر سے پہلے کا ہے اور یہ غزل اور رثاء کے موضوع پر ہے، شاعر نقفور کے قصیدہ کے جواب میں جو قصیدہ انہوں نے کہا، وہ بہت مشہور ہوا ہے، ان کے بعض قصائد میں علم حدیث کے حصول کی ترغیب دی گئی ہے، اپنے خاص حالات کے سبب وہ شاعری کے لیے خود کو فارغ نہ کر سکے، حالانکہ وہ شاعری کے رموز سے اچھی طرح واقف تھے۔

2.10.1 قصہ نویسی

اندلس کے بعض ادیبوں نے نثر میں افسانہ نویسی کا بڑا اہتمام کیا ہے، گرچہ اندلس میں جس قدر اہتمام موشحات اور قصیدوں کو ملا ہے اتنی اہمیت قصہ نویسی کو نہیں ملی، اندلس میں قصہ نویسی کرنے والوں میں سے شاعر وادیب ابو عامر بن شُھید اندلسی ہے، ابو عامر نے جو قصے لکھے ہیں انھیں اس نے ''التوابع والزوابع'' کا نام دیا ہے، یہ طویل قصہ ہے، لیکن اس کا اکثر حصہ محفوظ نہیں رہا، مشرق عربی میں مشہور قصہ نویس بدیع الزماں کے نزدیک قصہ نویسی کا اصل محرک معاشرتی زندگی کی تصویر پیش کرنا ہے، لیکن ابن شھید کے نزدیک اس کا محرک شخصی نوعیت کا ہے، جب اس نے دیکھا کہ اندلس میں بڑے ادیبوں کے درمیان اس کی خاطر خواہ پذیرائی نہیں ہو رہی ہے تو اس نے قصہ نویسی شروع کر دی اور بہت حد تک وہ اپنے مقصد میں اس وقت کامیاب بھی ہوا جب بڑے ادیبوں کی طرف سے اس کی ادبی کاوشوں کا اعتراف کیا گیا، ابن شھید مقامات بدیع الزماں سے موضوع، فکر اور اسلوب کے اعتبار سے بڑی حد تک متأثر نظر آتا ہے۔

ایک قصہ ''قصة حي بن يقظان'' کے نام سے مشہور ہے، یہ اہل فکر وفلسفہ کے یہاں قرون وسطی کی بڑی فکری کاوشوں میں سے ایک ہے، نہ صرف عربی ادب، بلکہ عالمی ادب کے لحاظ سے بھی اور یہ قصہ ادبی ہونے سے زیادہ فکری ہے، کیونکہ اس قصہ میں کچھ فکری اصول متعین ہیں اور اسی دائرے میں یہ قصہ آگے بڑھتا ہے، اس قصہ کو لکھنے والے ایک مکتبۂ فکر سے نسبت رکھتے ہیں، جس کا اپنا ایک فلسفہ ہے جس کے کچھ اصول ومبادی اور اغراض ومقاصد ہیں، قصۃ حی بن یقظان کے مؤلف ایک بڑے فلسفی ہیں جو اسلامی فلسفہ کے دائرے میں کام کرتے ہیں، ان کا نام ابوبکر محمد بن عبد الملک بن محمد بن محمد بن طفیل القیسی ہے، یہ قبیلہ قیس کی طرف منسوب ہیں، کبھی انھیں اندلسی اور کبھی قرطبی کہا جاتا ہے اور کبھی اشبیلی بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ انہوں نے ان تینوں شہروں میں سکونت اختیار کی تھی، ابن طفیل نے ابن سینا کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا اور ان کے افکار سے وہ متأثر ہوئے تھے، وہ سلطان ابویعقوب یوسف کے وزیر اور اس کے طبیب خاص تھے، جو موحدین کے حکمرانوں میں سے ایک ہیں۔

ابن طفیل نے ایک نوجوان مفکر یعنی ابن رشد کو دریافت کرلیا اور اسے سلطان کے دربار میں رسائی دے دی، سلطان نے چاہا کہ ارسطو کی کتابوں کا ترجمہ ہوجائے، چنانچہ ابن رشد نے ارسطو کی کتابوں کا ترجمہ عربی میں کردیا اور ان ہی کتابوں کی وجہ سے ابن رشد کو شہرت ملی اور دنیا میں ایک بڑے مسلم فلسفی کی حیثیت سے مشہور ہوگئے، مسلم فلاسفہ نے اہل یورپ کو فلسفہ کے مبادیات سکھلائے، ان مسلم فلاسفہ کی کتابیں کئی سو سال تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی رہیں، ابن طفیل صرف ایک ماہر طبیب اور ایک علم و فضل کا مالک فلسفی ہی نہیں تھے بلکہ وہ ایک بہت بڑے ادیب اور ایک اچھے شاعر بھی تھے، وہ اوراد با کی سرزمین وادی آش کے رہنے والے تھے۔

2.11 اکتسابی نتائج

سرزمین اندلس میں سب سے پہلی شاعرہ ہونے کا اعزاز ان باندیوں کو حاصل ہے جو مشرق سے لائی گئی تھیں، سب سے پہلی شاعرہ کا نام تو معلوم نہیں ہے، البتہ اسے صفاتی نام سے یاد کیا جاتا ہے، اسے جاریۃ عجفاء کہا جاتا ہے وہ بہت دبلی پتلی نحیف اور لاغر تھی، اس باندی کا آقا ایک غریب آدمی تھا، وہ باندی بہت اچھا شعر کہتی تھی، خصوصا وہ ایسے اشعار کہتی تھی جو انسانی جذبات کو برانگیختہ کردے، حسانۃ التمیمۃ دوسری شاعرہ تھی، لیکن یہ اندلس ہی میں پیدا ہوئی، یہ آزاد تھی، شعری ذوق اسے وراثت میں ملا تھا۔

تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں خاتون شعرا کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے، اس دور کی خواتین شعرا میں سے قمر، عائشہ بنت احمد القرطبیۃ، حفصہ بنت حمدون الحجاریۃ ہیں، اس دور کی خواتین شعرا ایک نئے رجحان کے ساتھ شاعری کرتی ہوئی اور اپنے اندر خود اعتمادی اور آزادی کے احساسات جگاتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

پانچویں صدی میں اندلس کی مختلف شہروں میں متعدد خاتون شعرا اپنی نئی ادبی کاوشوں کے ساتھ سامنے آئی ہیں، چنانچہ المریۃ شہر میں کئی اچھی خاتون شعرا موجود تھیں جیسے شاعرۃ الغسانیۃ، زینب المریۃ وغیرہ، غرناطہ شہر میں کئی مشہور خاتون شعرا تھیں، جیسے حمدونۃ بنت زیاد بن تقی الدین العوفی اور اس شاعرہ کی بہن زینب بنت زیاد، نزھون القلاعیۃ، شاعرۃ اللامعۃ الجریئۃ، حفصۃ الرکونیۃ اور حمدونۃ بنت زیاد، اشبلیۃ میں مریم بنت یعقوب الانصاری، قرطبہ میں امیرۃ ولادۃ بنت المستکفی، یہ سب خاتون شعرا، زیادہ تر غزل گوئی سے نسبت رکھتی تھیں، جب کہ دیگر اصناف سخن میں انھوں نے بہت کم طبع آزمائی کی ہے۔

پانچویں صدی میں اشبلیہ میں صرف دو خاتون شعرا کے نام ملتے ہیں: مریم بنت ابویعقوب الانصاری اور بثینہ بنت المعتمد بن عباد، ان دونوں خاتون شعرا میں تہذیب اور شائستگی پورے طور پر پائی جاتی ہے، چھٹی صدی میں یہاں صرف ایک شاعرہ کا نام ملتا ہے اور یہ اسماء العامریۃ ہیں، ان کی شاعری میں صرف حکام اور امرا کے مظالم کی شکایت اور فریاد نظر آتی ہے، وادی الحجارۃ سے ام العلاء بنت یوسف ہے، یہ جب غزلیہ شاعری کرتی ہے تو زیادہ حیادار بن جاتی ہے، یہ نہایت لطیف احساسات کے ساتھ شکوہ کرتی ہوئی نظر آتی ہے، ولادۃ بنت المستکفی قرطبہ کی مشہور شاعرہ ہے، مریم بنت ابویعقوب الانصاری بہترین شاعرہ اور ادیبہ تھی، یہ اشبلیہ میں رہتی تھی، باوقار اور دین دار تھی، کہا جاتا ہے کہ مُھجہ بنت التیانی اپنے زمانے کی خوب صورت خواتین میں سے ایک تھی، اس کے والد انجیر کے ایک تاجر تھے اور اسی مناسبت سے انھیں التیانی کہا جاتا ہے، اس کے اشعار میں اس قدر فحش ہے کہ اس کی پاک دامنی متاثر ہوتی ہے۔

چھٹی صدی کی خاتون شعرا میں سب سے نمایاں نام حفصہ بنت الحاج کا ہے، اسے حفصہ الرکونیۃ بھی کہا گیا ہے یہ چھٹی صدی میں غرناطہ کی شاعرہ تھی، یہ بہت خوب صورت تھی، اہل ثروت میں سے تھی اور غرناطہ شہر کے معزز گھرانے سے تعلق رکھتی تھی، قرطبہ میں پانچویں صدی کے بعد کے دور میں زیادہ خاتون شعرا کا ذکر نہیں ملتا، چھٹی صدی میں صرف ایک شاعرہ ام الھناء بنت القاضی ابومحمد بن عبدالحق بن عطیۃ کا ذکر ملتا ہے۔

اندلسی ادب پر مشرق کی چھاپ نظر آتی ہے اور اندلسی ادبا و شعرا مشرقی ادیبوں اور شاعروں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے نظر آتے ہیں، اندلس میں شعری فنون میں اس وقت پختگی آتی ہے جب کہ اس سے بہت پہلے مشرق میں فنون شعرا اوج کمال پر پہنچ چکے تھے۔

فطری محاسن کو بیان کرنے والے شعرا میں اندلس میں سب سے نمایاں نام ابن خفاجۃ کا ہے اور پھر اس کے بعد ابن الزقاق کا نام آتا ہے بارش کے بعد پہاڑی ٹیلوں کے دلفریب منظر کو دیکھ کر ابن زقاق بے خود ہو جاتا ہے اور اس خوب صورت منظر کی عکاسی اپنے اشعار کے ذریعہ کرتا ہے، اندلسی شعرا نے خوب صورت پھولوں کے بارے میں اشعار کہے، انہوں نے گلاب، نرگس، نیلوفر، یاسمین وغیرہ کے محاسن بیان کیے ہیں۔

موشحات عربی شاعری میں ایک نیا فن ہے، یہ ایک مخصوص وزن پر منظوم کلام کا نام ہے، اس میں زندگی کے مخصوص حالات کی عکاسی کی جاتی ہے، یہ فن اندلس میں ایجاد ہوا، موشحات کا موجد ابن خلدون کے بقول مقدم بن معافی القبری ہے، موشحات کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اوزان و قوافی کی آزادی ہے، اس میں روایتی قصائد کے قوافی کے برعکس جدید اوزان و قوافی پیش کیے گئے ہیں، موشحات کے شعرا میں سے چند نام یہ ہیں: ابوبکر عبادۃ بن ماء السماء عبادۃ القزاز جو معتصم بن صمادح کے دربار کا شاعر تھا، ابن لبانۃ، اعمی التطیلی جو مرابطین کے عہد کا موشحات کا سب سے بڑا شاعر تھا، ابن البقی، ابن باجۃ وغیرہ، ہر موشح کی بناوٹ اور ترکیب میں بنیادی طور پر سات اجزا شامل ہوتے ہیں: ۱۔ مطلع یا مذہب ۲۔ دور ۳۔ سمط ۴۔ قفل ۵۔ بیت ۶۔ غصن ۷۔ خرجۃ، موشحہ میں شعرا عوامی زبان کے الفاظ کے علاوہ بعض عجمی الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں۔

عوامی زبان میں کی گئی شاعری کو عربی ادب کی اصطلاح میں ''زجل'' کہا جاتا ہے، زجل ایک مخصوص قسم کی شاعری ہے جس کا ظہور اندلس میں ہوا، موشحات کے ذکر کے بعد زجل کا بیان اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ زجل کی ابتدا موشحات کے بعد ہوئی ہے، موشحات میں بعض عامی یعنی عوامی زبان کے الفاظ اور عجمی زبان کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں، موشحات میں عوامی اور عجمی الفاظ کے استعمال کے اس رجحان نے زجل کے لیے اندلسی ادب میں راستہ ہموار کر دیا۔ زجل گوئی کرنے میں سرفہرست ابوبکر محمد بن عیسی بن عبدالملک بن قزمان الاصغر کا نام سرفہرست ہے، اسی طرح زجل کے بڑے شاعروں میں سے ایک نام احمد بن الحاج کا بھی ہے جو مدغلیس کے نام سے مشہور ہے، زجل کہنے والے دیگر شعرا میں سے ابن غرلہ، ابن جحدر اشبیلی، ابوزید الحداد البکازور البلنسی، ابوعبداللہ محمد بن حسون الحلا، ابوعمرو الزاھد، ابوبکر الحصار، ابوعبداللہ بن خاطب، ابوبکر بن صارم اشبیلی اور حسن بن ابونصر الدباغ ہیں، آخر الذکر نے زجل میں بالخصوص ہجو گوئی میں بہت سے قصائد کہے۔

مشرق میں سب سے پہلے جنگی کشتیوں کے اوصاف بیان کرنے والا شاعر مسلم بن ولید ہے، جس نے بحری جنگ کے دوران کشتیوں کے اوصاف بیان کیے۔ ابن ھانی، لسان الدین بن الخطیب، ابن حمدیس وغیرہ شعرا نے اندلسی بحریہ کے اوصاف اپنی شاعری میں بیان کیے ہیں۔

اندلس کی سرزمین میں مسلمانوں کی عظمت و شوکت کی تاریخ آٹھ سو سال پر محیط ہے، یقیناً یہ عظمت و شوکت بہت بڑی ہے، لیکن یہ بھی المیہ ہے کہ جب اس کا سقوط ہوا اور ایک ایک کر کے تمام شہر سے ان کا اقتدار ختم ہو گیا تو اس سے بڑا کوئی زوال نہ تھا، طلیطلہ کا جب سقوط ہوا تو شاعر عبداللہ بن الفرج الیحصبی نے اس کا تذکرہ اپنی شاعری میں کیا، بلنسیہ شہر اندلس کے خوب صورت اور ترقی یافتہ شہروں میں سے ایک ہے، جب اس کا سقوط

ہوا تو اس پر ابن خفاجة، ابن اختة ابن الزقاق البلنسی، الرصافي وغیرہ نے اپنے اشعار میں غم وحسرت کا اظہار کیا ۔

سب سے مشہور ادیب ابومحمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی القرطبی (م ۴۵۶ھ) ہے، روایت ہے کہ انہوں نے چار سو تالیفات چھوڑی ہیں، سب سے مشہور کتابیں: **الفصل في الملل والأهواء والنحل، الإحكام في أصول الأحكام، جمهرة الأنساب، الناسخ والمنسوخ، المحلى، طوق الحمامة** وغیرہ ہیں۔

اندلس میں قصہ نویسی کرنے والوں میں سے ایک شاعر وادیب ابو عامر بن شُهید الاندلسی ہے، ابو عامر نے جو قصے لکھے ہیں انھیں کو ''**التوابع والزوابع**'' کا نام اس نے دیا ہے، یہ طویل قصہ ہے، لیکن اس کا اکثر حصہ محفوظ نہیں رہا۔

اہل فکر وفلسفہ کے یہاں ''**قصة حي بن يقظان**'' قرون وسطی کی بڑی فکری کاوشوں میں سے ایک ہے، نہ صرف عربی ادب بلکہ عالمی ادب کے لحاظ سے بھی۔ یہ قصہ ادبی ہونے سے زیادہ فکری ہے، کیونکہ اس قصہ میں کچھ فکری اصول متعین کیے گئے ہیں اور اسی دائرے میں یہ قصہ آگے بڑھتا ہے۔ ابن طفیل نے ایک نوجوان مفکر یعنی ابن رشد کو دریافت کیا اور اسے سلطان کے دربار میں رسائی دے دی، سلطان نے چاہا کہ ارسطو کی کتابوں کا ترجمہ ہو جائے، چنانچہ ابن رشد نے ارسطو کی کتابوں کا ترجمہ عربی میں کر دیا، چنانچہ ان ہی کتابوں کی وجہ سے ابن رشد کو شہرت ملی، وہ دنیا میں ایک بڑے مسلم فلسفی کے طور پر مشہور ہوئے، مسلم فلاسفہ نے اہل یورپ کو فلسفہ کے مبادیات سکھلائے، ان مسلم فلاسفہ کی کتابیں کئی سو سال تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی رہیں۔

2.12 کلیدی الفاظ

الفاظ	معانی
محاسن	خوب صورت مناظر
موشحات	یہ موشحہ کی جمع ہے، جس کا مطلب ہے ایسا منظوم کلام جس میں متعدد اوزان اور قوافی ہوتے ہیں
زجل	منظوم کلام جس میں عامی زبان استعمال کیا گیا ہو اور جس میں بعض عجمی کلمات کی بھی آمیزش ہو،
بحریہ	جنگی جہاز کا لشکر، جو سمندر میں جنگ کرتا ہے۔
مزامیر	مزمار کی جمع ہے، مطربوں کے ساز، باجے
مصاحف	واحد مصحف: آسمانی کتاب، قرآن مجید
مصر	اصرار کرنے والا

2.13 امتحانی سوالات کے نمونے

(۱) اندلس میں پانچویں صدی کی خواتین شعرا کی ادبی کاوشوں پر روشنی ڈالیے۔

(۲) قرطبہ میں شعر گوئی کا جائزہ لیجیے۔

(۳) اندلس میں موشحات کے آغاز وارتقا پر مختصر نوٹ لکھیے۔

(۴) اندلسی ادب میں زجل کی اہمیت پر مختصر نوٹ لکھیے۔

(۵) اندلس میں قصہ نویسی کا جائزہ لیجیے۔

2.14 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

ا۔	الأدب الأندلسي موضوعاته وفنونه	الدكتور مصطفى الشكع
۲۔	الأدب الأندلسي من الفتح إلى سقوط الخلافة	الدكتور أحمد هيكل
۳۔	تاريخ الأدب الأندلسي (عصر سيادة قرطبة)	الدكتور إحسان عباس

اکائی 3 اندلس میں اسلامی تہذیب کا ارتقا اور یورپ پر اس کا اثر

اکائی کے اجزا

3.1 تمہید

3.2 مقصد

3.3 اندلس میں اسلامی تہذیب کا ارتقا

3.3.1 اندلس میں اسلامی تہذیب کا عروج

3.4 اندلس میں علمی سرگرمیاں

3.4.1 عمومی جائزہ

3.4.2 علمی سرگرمیوں کی ابتدا

3.4.3 علمی سرگرمیوں کا عروج

3.4.4 مذہبی علوم کی اشاعت

3.4.5 طبی اور سائنسی علوم کی اشاعت

3.4.6 حکم ثانی کی لائبریری

3.5 اندلس میں اسلامی فن تعمیر کی جھلکیاں

3.5.1 عمومی جائزہ

3.5.2 قرطبہ

3.5.3 محل قصر الزہراء

3.5.4 مسجد قرطبہ

3.6 اندلس میں معاشی ترقیاں

3.6.1 عمومی جائزہ

3.6.2 کاشت کاری

3.6.3 پارچہ پانی

3.6.4 اشیائے لوہا و آلات جنگ سازی

3.6.5 برتن اور فرنیچر کی کاریگری

3.6.6 کاغذ سازی

3.7 اندلس میں معاشرتی ترقیاں

3.7.1 عمومی جائزہ

3.7.2 غذائی اشیا اور ان کا استعمال

3.7.3 لباس و پوشاک

3.8 عوامی فلاح و بہبود کی اسکیمیں

3.8.1 عمومی جائزہ

3.8.2 آبادی کی اکائیوں میں وحدت

3.8.3 معذوروں کی دیکھ بھال

3.8.4 علاج و معالجہ

3.9 یورپ پر اسلامی تہذیب کے اثرات

3.9.1 عمومی جائزہ

3.9.2 اسلامی تہذیب کے اثرات

3.10 اکتسابی نتائج

3.11 امتحانی سوالات کے نمونے

3.12 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

3.1 تمہید

پہلی صدی ہجری کی آخری دہائیوں میں اموی فوجیں موسیٰ بن نصیر کی قیادت میں شمالی افریقہ کے اکثر علاقوں میں قابض ہو چکی تھیں اور تھوڑی مدت میں بہت سے علاقوں کو اپنے زیر اثر کر چکی تھیں۔ اسی زمانے میں اندلسی حکمرانوں کے مظالم اور وعدہ خلافیوں کی وجہ سے وہاں کی عوام پریشان حال تھی، یہی وجہ ہے کہ جب ۷۱۰ء مطابق ۹۱ھ میں موسیٰ بن نصیر کا ایک سپہ سالار طریف اندلس کی طرف بڑھا تو وہاں کے بعض باشندے جن میں جولیان بھی تھا، نے نہ صرف مسلمانوں کو خوش آمدید کہا بلکہ ان کی مدد بھی کی۔

موسیٰ بن نصیر کا دوسرا سپہ سالار طارق بن زیاد ۷۱۱ء مطابق ۹۲ھ میں سمندر کو عبور کر کے ساحلی پہاڑی پر اترا، یہی پہاڑی بعد میں جبل طارق کے نام سے مشہور ہوئی۔ طارق بن زیاد نے ۱۹ جولائی ۷۱۱ء مطابق ۲۴ رمضان ۹۲ھ کو قوطی بادشاہ رزریق کو شکست فاش دی اور مسلم فوجوں کے ہمراہ بہت تیزی کے ساتھ آگے بڑھ کر اندلس کے دوسرے شہروں کو فتح کر لیا اور ۷۱۲ء مطابق ۹۳ھ میں اندلس اموی خلافت کا باقاعدہ حصہ بن گیا۔

مسلمانوں کی آمد سے قبل نہ صرف اندلس بلکہ پورے یورپ میں گندگی اور غلاظت کے ڈھیر جمع رہتے تھے، نالیوں کا گندہ پانی سڑکوں، گلیوں اور بازاروں میں بہتا رہتا تھا، لوگوں کو پینے کا صاف پانی میسر نہ تھا۔ پورے یورپ میں ہسپتالوں کا وجود ہی نہ تھا۔ خطرناک بیماریوں کا علاج جادُو، ٹونے اور عملیات کے ذریعے کیا جاتا تھا۔ لوگ توہمات کے اِس قدر شکار ہو چکے تھے کہ معالج کے بجائے عامل کی طرف رُجوع کرنے میں ہی عافیت سمجھتے تھے۔ کھانے اور پہناوے میں نفاست کا فقدان تھا۔ علمی حالت سب سے بڑھ کر قابل رحم تھی۔ لاکھوں کی آبادی کے شہروں میں گنتی کے چند پادریوں کے سوا کوئی لکھنا پڑھنا نہیں جانتا تھا، تعلیم، علاج اور تہذیب و ثقافت غرض عملی زندگی کا ہر شعبہ قابلِ رحم حالت کو پہنچا ہوا تھا۔ اندلسی مسلمانوں نے یورپ کو ایک نئی تہذیب سے متعارف کرایا۔

اندلس میں والیوں کے دورِ حکومت یعنی ۷۱۱ء مطابق ۹۲ھ تا ۷۵۶ء مطابق ۱۳۹ھ تک مقامی ثقافت و تہذیب اور اسلامی شامی ثقافت و تہذیب کی روایات سے مذہبی رواداری کی داغ بیل پڑی، اسلامی اور غیر اسلامی تہذیب و ثقافت کے آئینے میں ایک نیا اندلس تاریخ کے اوراق میں جگہ پایا۔ تجارت، زراعت اور آب پاشی کی نشوونما ہوئی، اندلس کے اصل باشندے ان میدانوں میں شامی طریقے سے متعارف ہوئے۔ لوگوں کی رہن سہن اور بود و باش میں بھی ایک نمایاں تبدیلی رونما ہوئی۔

اندلس میں اسلامی تہذیب و ثقافت کا دور باقاعدہ طور پر امرا و خلفا کے دور سے شروع ہوا جس کی ابتدا ''۷۵۶ء مطابق ۱۳۹ھ'' سے ہوتی ہے۔ اس دور میں بربروں، عربوں اور مولدین کی بغاوتیں ختم ہو گئیں، ہر طرف امن و امان کا پرچم لہرا اٹھا، اندلس کا باضابطہ تہذیبی تشخص اجاگر ہو کر سامنے آیا۔ زبان و ادب اور علم و فن کو ترقی ہوئی، ادبا و شعرا کی مجلسیں سجنے لگیں، شہری گلی کوچوں سے لے سرحدی علاقوں تک ایک نئی تہذیب نے اپنی نشانات کے جھنڈے گاڑے، پرانی تہذیب و ثقافت کا تقریباً خاتمہ ہو گیا۔ اسی دور میں سرکاری سطح پر مالکی مذہب متعارف ہوا۔ مالکی فقہا نے بہت جلد اندلس کی سیاسی معاشرت میں مقام حاصل کر لیا۔ صنعت و حرفت، زراعت و تجارت کو بے پناہ فروغ حاصل ہوا۔ عمارات و کتب خانے، مساجد و مدارس اور خانقاہیں تعمیر ہوئیں الغرض زندگی کے ہر شعبے میں اندلس نے نمایاں مقام حاصل کیا۔ عبد الرحمان ثانی (متوفی ۸۵۲ء مطابق

۲۳۸ھ) کے دور میں شامی روایات اور نظام حکومت کمزور ہوئی اور عباسی طرز کے نظام کو رواج ملا، بغداد اور غرناطہ کی طرز زندگی یکسانیت کی طرف قدم بڑھانے لگی۔

اندلس کی تاریخ میں اموی حکمراں عبدالرحمان ناصر (وفات:۹۶۱ء مطابق ۳۵۰ھ) کا دور اندلسی تہذیب وثقافت کا نقطۂ عروج تھا، اس دور میں امارت کی جگہ خلافت نے لے لی۔ باغ بانی، کاشت کاری، آب پاشی، صنعت وحرفت اور ہر علمی وتہذیبی شعبہ نے ترقی کی۔ اس دور میں اندلس یورپ کا سب سے بڑا ترقی یافتہ ملک بن گیا تھا، ہم سایہ یورپی بادشاہ اس ملک سے روابط قائم کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ مستنصر باللہ (وفات: ۹۷۶ء مطابق ۳۶۶ھ) کے دور میں ادب وثقافت کو خوب فروغ ملا، وہ خود عالم تھے اور علم وفن کے دل دادہ بھی تھے، اس دور کے قرطبہ کو ''عروس عالم کا زیور'' کہا جاتا تھا۔ مختصر یہ ہے کہ اس دور میں اندلس کے اصل باشندے ایک فکر تازہ سے رُوشناس ہوئے۔ زندگی کے نئے اَسالیب عملی طور پر اُن کے سامنے آئے۔ مستنصر باللہ کے بعد اموی خلافت کا زوال شروع ہوا اور ۱۰۲۳ء مطابق ۴۱۴ھ میں خلافت کا دور ختم ہو گیا، اسی کے ساتھ اندلس کی سنہری ثقافت وتہذیب بھی زنگ آلود ہونے لگی۔

جس زمانے میں اندلس تہذیب وثقافت کے اعلی معیار کو پہنچ کر دنیا کو اپنی طرف تکنے کے لیے مجبور کر رہا تھا اس زمانے میں یورپ وحشت وبربریت اور جہالت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کے شہروں میں ہر طرف کوڑے کرکٹ سے بھری ہوئی گلیاں تھیں، جگہ جگہ گندگی کے انبار لگے رہتے تھے، گندی نالیاں تعفن پھیلا رہی تھیں۔ گھنے اور بے راہ جنگلوں میں ڈاکوؤں نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ تہذیب وثقافت، سیاست وتمدن اور علوم وفنون کا کوئی تصور نہیں تھا۔ ان ناگفتہ بہ حالات میں اندلسی تہذیب نے مشعل راہ کا کام کیا اور یورپ کو اندلس سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا۔ حقیقت یہ ہے کہ یورپ کے پاس تہذیب وثقافت کا جو کچھ سرمایہ ہے اس کا بیشتر حصہ مسلمانوں کا عطا کردہ ہے۔

3.2 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلبہ اندلس میں اسلامی تہذیب کے ابتدائی دور سے واقف ہوں گے۔ اندلس میں والیوں اور اموی امرا وخلفا کے عہد کی تہذیبی وتمدنی حالات بھی ان پر منکشف ہوں گے۔ اسی طرح اسلامی تہذیب وتمدن کے دورِ عروج میں علمی، مذہبی، تعمیراتی، معاشی اور معاشرتی تہذیبوں کا انہیں بحسن وخوبی علم ہوگا۔ اسلامی تہذیب کا یورپی ممالک پر کس قدر گہرا اثر ہوا یہ اکائی انھیں اس بات سے بھی باخبر کرے گی۔

3.3 اندلس میں اسلامی تہذیب کی ابتدا

۷۱۱ء مطابق ۹۲ھ تا ۷۵۶ء مطابق ۱۳۹ھ تک اندلس میں والیانِ عرب کا نظم ونسق رہا، اس دور کو والیوں کا دور کہا جاتا ہے، اس مدت میں عسکری حملے برابر جاری رہے، اسلامی اندلس کی توسیع وتکمیل بھی ہوتی رہی۔ مختلف گورنر آتے اور جاتے رہے یہاں تک کہا جاتا ہے کہ ۴۶ سال کی مدت میں ۲۴ گورنر یکے بعد دیگرے تبدیل ہوئے اور اندلس کا نظم ونسق اپنے اپنے انداز میں چلاتے رہے، جب بھی کوئی گورنر آتا وہ فوجوں کا دستہ اپنے ساتھ لاتا، اس لیے اس مدت میں اندلس میں داخل ہونے والے لوگوں کا بڑا حصہ فوجوں پر مشتمل رہا۔ ظاہری بات ہے کہ فوجوں اور والیوں کو زیادہ تر دلچسپی سیاسی امور سے رہا کرتی ہے۔ ان سے معاشرہ کی بہت بڑی تبدیلی کی امید نہیں کی جاسکتی۔

مذکورہ بالا سطور سے اندازہ لگا پانا مشکل نہیں ہے کہ اندلس کا ابتدائی دور سیاسی عدم استحکام کا رہا، والیان اندلس بار بار تبدیل ہوتے رہے،

فوجوں اور حاکموں کا آنا جانا جاری رہا۔ اندلس کی معاشرتی زندگی کی طرف بہت زیادہ توجہ نہیں دی جاسکی، لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اندلس کے سابقہ معاشرہ میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ اس دور میں اندلس کی مقامی ثقافت اور اسلامی شامی تہذیب کے امتزاج سے مذہبی رواداری بڑھی اور تجارت کو بھی فروغ حاصل ہوا، البتہ معاشرت کی بنیاد قبائلی تقسیم پر رہی، اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب ایک طرف شامی اور غیر شامی تفریق کا شکار تھے تو دوسری طرف بربر قوم کے ساتھ ان کی رقابت تھی۔ مقامی مسلمان بلادیون کہلاتے تھے اور قبائلی منافرت کے شکار تھے۔ یہ عہد بحیثیت مجموعی سیاسی انتشار اور مہم جوئی کا زمانہ تھا جو جنگ ''بلاط الشھداء'' کی فتح پر ختم ہوا، جس میں مسلمانوں کا نامور سپہ سالار عبدالرحمان غافقی شہید ہوا اور مسلمان فوج اندلس سے نکل کر فرانس کی سرحدوں کو عبور کرتے ہوئے فرنک سپہ سالار چارلس مارٹل کو بہت دور تک پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔

والیوں کا عہد اندلس میں عربی تہذیب وثقافت کی خشت اول کا درجہ رکھتا ہے کیونکہ اس عہد میں اسلامی فوجوں کے ہمراہ صحابہ وتابعین کی ایک بڑی جماعت داخل اندلس ہوئی، تعلیمات وصحبت نبوی کی برکت سے ان لوگوں نے عسکری حملوں (ملٹری آپریشن) کے دوران اور اس کے بعد عوام کے ساتھ رفق ونرمی سے کام لیا، جہاد کے بعد ان بزرگوں نے عوام کو دین ومذہب سمجھانا اپنا فرض منصبی سمجھا، اس لیے انہوں نے اولاً علوم دین اور علوم لغت کی تعلیم کی طرف اپنی توجہ مرکوز کیا، تعلیم گاہوں کی کمیابی کے سبب مساجد اور عبادت گاہوں میں بساط درس بچھایا۔ والیوں کے عہد میں اندلس میں کئی طرح کی تہذیبیں پروان چڑھیں۔

عموماً دیکھا یہ جاتا ہے کہ انسان جس علاقہ میں نقل مکانی کرتا ہے وہیں کی تہذیب وثقافت اختیار کرتا ہے، لیکن اندلس میں ایسا کچھ بھی نہیں ہوا، اندلس کی تہذیب وثقافت نہایت کمزور تھی بلکہ حقیقی تہذیب وہاں موجود ہی نہیں تھی، اگر کچھ تھی بھی تو وہ علاقائی حدود تک محدود تھی، اس لیے اندلس میں داخل ہونے والے مسلمانوں پر اس تہذیب وثقافت کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا۔ اسلامی اندلس کی تہذیب ان ہی عرب مسلمانوں کی مرہونِ منّت تھی، جو ترکِ سکونت کر کے اندلس میں آباد ہوئے تھے۔ وہ اِسلامی تہذیب کی خوشنما روایات بھی اپنے ساتھ اندلس لے گئے تھے، جس سے اندلس کی سرزمین تہذیبی کمال کے عروج کو پہنچی۔ داعیان اسلام اپنی اخلاقی برتری اور حسن سلوک کی بنیاد پر لوگوں کے دلوں پر گہرا اثر چھوڑ رہے تھے، ان کی نرم خوئی اور شیریں کلامی لوگوں کو اپنی طرف مائل کر رہی تھی اور اندلسی باشندے اسلام کو آگے بڑھ کر گلے لگانے پر مجبور ہو رہے تھے۔

والیوں کے عہد میں عربی ادب کو اندلس میں فروغ حاصل ہونا شروع ہوا، فوجوں اور عسکری جماعتوں سے والیان اندلس کا خطاب عربی زبان وبیان میں ہوتا تھا، مفتوح قوم کے لیے معاہدات اور ضمانتی کاغذات عربی زبانوں میں لکھے جاتے تھے، خط وکتابت کی زبان بھی عربی تھی، چنانچہ اسلامی سپہ سالار طارق بن زیاد کی طرف چند خطبات منسوب ہیں جو انہوں نے وقت بوقت فوجوں کو دیے تھے، اسی طرح موسی بن نصیر کے خطوط کا ذکر ملتا ہے جو انہوں نے وقتاً فوقتاً اہل کاران اندلس کو لکھے تھے۔

والیوں کے عہد میں انتشار وافتراق کے باعث اہل اسلام علوم وفنون کی طرف زیادہ توجہ مبذول نہیں کر سکے، خصوصاً علم طب میں وہ عیسائی طبیبوں کی کتابوں پر اعتماد کرتے تھے، البتہ کاشت کاری اور صنعت وحرفت میں ان کی پیش قدمی ہوئی، اہل اندلس شامی طریقۂ حرفت سے آگاہ ہوئے اور زمین داروں کی مفتوحہ زمینیں وہاں کے غریب باشندوں کو ملنے کی وجہ سے کاشت کاری کو فروغ حاصل ہوا۔

والیوں کے عہد میں اندلس اموی سیاست کے زیر اثر تھا، اموی سیاست کا مرکز شام تھا یا پھر اندلس کے والیان کے ہاتھوں میں اس کی لگام تھی اس لیے شامی تہذیب وکلچر کا اثر اس دور میں اندلس پر بہت نمایاں تھا، شامی تہذیب وثقافت کا اثر جبری نہیں بلکہ طبعی تھا کیونکہ رعایا اپنے

والیوں کے ماتحت ہوا کرتی ہے۔

مذہبی اعتبار سے اگر والیوں کے عہد پر نگاہ کریں تو یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اندلسی مسلمان اس وقت امام عبدالرحمان اوزاعی (۸۸-۱۵۷ھ) کے پیروکار تھے۔ان کے مذہب کی پیروی کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت امام اوزاعی بیروت پر حملہ آور مجاہدین کے ساتھ تھے،جنگی مسائل واحکام میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا تھا اور عسکری جماعتیں ان کی پیروی کرتی تھیں جس کا سلسلہ فتح اندلس کے بعد بھی جاری رہا اور لوگ ان کے مذہب کے پیروکار بن گئے۔

والیوں کے عہد میں تجارت کو اندلس میں بڑھاوا ملا، بیرون اندلس سے آئے ہوئے مسلمان قریبی مفتوحہ مسلم علاقوں سے مال تجارت لے کر اندلس آتے تھے اور اندلس کی مارکیٹ میں فروخت کرتے تھے،اسی طرح اندلس کی چیزوں کو بیرون اندلس فروخت کرنے کے لیے جایا کرتے تھے۔ ہمسایہ ممالک جن میں اسلامی حکومت نہیں تھی وہاں کے تاجروں کا رخ بھی عربی ساز وسامان خریدنے کے لیے اندلس کی طرف ہوتا تھا اس طرح سے اندلس ایک بڑی تجارتی منڈی کی طرف قدم بڑھا چکا تھا جو بعد کے ادوار میں عروج کی آخری منزل حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

اندلس ابھی ترقی کی راہوں پر گامزن ہی تھا کہ بغداد میں اموی خلافت کا خاتمہ ہوگیا اور اس کی جگہ عباسی خلافت نے لے لی، یہ ۷۵۶ء مطابق ۱۳۹ھ کی بات تھی جب اندلس میں یوسف بن عبدالرحمان فہری (۷۴۷-۷۵۶ء مطابق ۱۳۰ھ-۱۳۹ھ) والی تھے۔اسی دوران اموی خلیفہ ہشام کا پوتا عبدالرحمان بن معاویہ عباسیوں سے بچتا بچاتا شمالی افریقہ پہنچ گیا، یہاں اس نے فوج جمع کی اور اندلس پر حملہ کر دیا۔قرطبہ کے باہر یوسف بن عبدالرحمان فہری کو شکست دے کر ۱۰ مئی ۷۵۶ء مطابق ۳۰ ربیع الآخر ۱۳۹ھ کو اس نے امیر اندلس ہونے کا اعلان کر دیا۔اس طرح اندلس میں امارت کے دور کا آغاز ہوگیا۔

طارق بن زیاد سے لے کر یوسف بن عبدالرحمان تک یعنی ۷۱۱ء مطابق ۹۲ھ تا ۷۵۶ء مطابق ۱۳۹ھ تک کے عرصے میں اندلس صحیح معنوں میں اسلامی اندلس بن گیا،اس نصف صدی کا زیادہ تر وقت گو کہ خانہ جنگی میں گزرا،لیکن پھر بھی اس دور کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ:

’’اندلس اسلام کے زیر سایہ پچاس سال کے اندر اندر تہذیب کے اس نقطہ پر پہنچ گیا جہاں تک اٹلی کو پوپ کی حکومت کے ماتحت پہنچنے میں ایک ہزار برس لگے‘‘۔

3.3.1 اندلس میں اسلامی تہذیب کا عروج

اندلس میں اموی امرا اور خلفا کا دور ۷۵۶ء تا ۹۱۲ء مطابق ۱۳۰ھ تا ۳۰۰ھ تک رہا۔اندلس میں اس دور میں زبان وادب،علم وفن، صنعت وحرفت اور زراعت وتجارت کو غیر معمولی ترقی حاصل ہوئی۔عمارات وکتب خانے اور مساجد ومدرسے تعمیر ہوئے،علم وفن کے بڑے بڑے مراکز قائم کیے گئے، دنیا بھر کے علما وحکما اندلس میں جمع کیے گئے، یونانی ورومی علوم عربی زبان میں منتقل کیے گئے،شفا خانے بنائے گئے،سڑکیں اور نہریں نکالی گئیں، باغات اور درخت لگائے گئے، رات کو روشنی کا انتظام کیا گیا، پل اور تالاب بنائے گئے اور اندلس کو حسین اور دل کش تعمیرات سے بھر دیا گیا۔اسی عہد ہمایوں میں سرکاری سطح پر امام مالک کا مذہب متعارف ہوا اور بے حد وحساب معاشی ومعاشرتی ترقیاں ہوئیں۔ہم ذیل میں ان میں سے بعض امور پر قدرے تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

3.4 اندلس میں علمی سرگرمیاں

3.4.1 عمومی جائزہ

علمی آگہی اور بصیرت جو تعلیم کے ذریعہ حاصل ہوا اسلامی تہذیب کا لازمی حصہ ہے۔جس شہر یا ملک میں علمی سرگرمیاں تیز ہوتی ہیں اور معاشرہ کا ہر فرد تعلیم یافتہ ہوتا ہے وہاں کی تہذیب وثقافت معیاری ہوا کرتی ہے۔اندلس میں اسلامی تہذیب کے ارتقا میں وہاں کے علمی ماحول کا بہت بڑا کردار رہا ہے،اس لیے طلبہ کے لیے وہاں کی علمی سرگرمیوں کی معلومات حاصل کرنا از حد ضروری ہے تا کہ اندلس کی علمی تہذیب وثقافت کا انھیں صحیح طور پر اندازہ ہو سکے۔

اسلامی اندلس میں تعلیم عام ہو چکی تھی،وہاں ہر طرح کی تعلیم دی جاتی تھی۔خطوط نویسی،انشا پردازی اور عربی گرامر وغیرہ کی تعلیم پرائمری درجات ہی میں دے دی جاتی تھی۔اندلس کی ہر بستی میں ثانوی تعلیم کے کئی مدارس ہوا کرتے تھے۔صرف قرطبہ میں حکم ثانی نے ستائیس ایسے مدارس قائم کیے تھے جن میں مفت تعلیم دی جاتی تھی۔قرطبہ،اشبیلیہ،ملاغہ،سرقسطہ اور جیان میں اعلی تعلیم کی یونیورسٹیاں قائم تھیں جہاں بالعموم بلا معاوضہ تعلیم دی جاتی تھی۔یونیورسٹیوں میں حدیث،تفسیر،ادبیات،تاریخ،سائنس اور فلسفہ وغیرہ کی تعلیم سے طلبہ اور طالبات کو آراستہ کیا جاتا تھا۔

اسلامی اندلس میں رفتہ رفتہ تعلیم کا گراف اس قدر اونچائی پر پہنچ چکا تھا کہ بیرون ممالک کے لوگ علم حاصل کرنے وہاں جایا کرتے تھے۔علمی تشنگی کی سیرابی کے لیے اندلس کی طرف قدم بڑھانے والوں میں زیادہ تر افراد عیسائی تھے،ان میں سب نمایاں نام جربرٹ آف آریلیک (Gerbert of Aurillac) کا ہے،اس نے قرطبہ سے عربی زبان،ریاضیات اور فلسفے کی تعلیم حاصل کی،پھر یورپ میں ان علوم کو فروغ دیا۔اسی طرح پیٹر محترم(Peter the Venerable)،(۱۰۹۲ء-۱۱۵۶ء مطابق ۴۸۵-۵۵۱ھ)اور جیرارڈ دے کریمونا(Gerard de Cremona)،(۱۱۱۴ء-۱۱۸۷ء مطابق ۵۰۸-۵۸۳ھ) نے بھی اعلی تعلیم کے لیے اندلس کا رخ کیا تھا،اول الذکر نے اسلام اور عقائد اسلام پر کتابیں لکھ کر یورپ میں عام کیا اور ثانی الذکر نے متعدد عربی کتابوں کا اطالوی زبان میں ترجمہ کیا۔

3.4.2 علمی سرگرمیوں کی ابتدا

اسلامی اندلس میں علمی سرگرمی تاخیر سے شروع ہوئی،مقامی حالات اور نزاعی کیفیات نے حکمراں طبقہ کو اس طرف توجہ کرنے کا موقع نہیں دیا،اس کے باوجود عبد الرحمان داخل(۶۵۶-۷۸۸) لوگوں میں علم و ادب کا شوق بیدار کرنے کے لیے مشاعروں اور مناظروں کی مجلسیں منعقد کراتا تھا اور وہ بذات خود ان مجلسوں میں شرکت بھی کرتا تھا۔

اندلس میں مسلمانوں کے آٹھ سو سالہ دَور میں مذہبی علوم کے ساتھ ساتھ سائنسی علوم بھی اِرتقا کے عمل سے گزرے۔اِسلامی اندلس کے اِبتدائی دوسو سالہ دَور میں مختلف حکمرانوں نے اپنے اپنے زمانے میں علمی وفکری مجالس کے اِنعقاد اور دُنیا کے تمام علوم وفنون پر کتابیں جمع کرنے کے کام کا آغاز کر دیا تھا اور اندلس علمی تہذیب وثقافت کی طرف قدم بڑھانا شروع کر دیا مگر اُس کی رفتار تیز نہیں تھی،سست روی کا شکار تھی۔اُس دوسو سالہ دَور کی علمی سرگرمیوں کے مشاہدے کے بعد یہ کہنا بے جا نہیں ہوگا کہ اندلس میں علمی وفکری اِرتقا اور ادبی وفنی تہذیب وتمدن مشرق کے مسلم ممالک کی نسبت تاخیر سے شروع ہوئے۔اس تاخیر کا بڑا سبب سلطنت کا سیاسی عدم اِستحکام تھا،البتہ عبدالرحمن سوم کا دَور جہاں تمدّنی حوالے سے قابلِ رشک

ہے، وہیں سیاسی اِستحکام کی بدولت علوم وفنون کی ترویج میں بھی سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

3.4.3 علمی سرگرمیوں کا عروج

اندلس میں حقیقی علمی تہذیب وثقافت کا عروج عبد الرحمان ثانی کے عہدِ حکومت (۸۲۲-۸۵۲) سے ہوا۔ بادشاہ خود فنون لطیفہ اور تعمیرات کا دلدادہ تھا، وہ ادبیات اور علوم عقلیہ کی سرپرستی کرتا تھا، اس نے اپنے دربار میں فضلا اور عقلا کی ایک بڑی جماعت کو جمع کر لیا تھا۔ یحییٰ بن یحییٰ، عبد الما لک بن حبیب، ابن الماجشون، اصبغ بن الفرج، محمد بن مزین، یحییٰ بن حکم بن الغزال اور تمام بن علقمہ جیسی بڑی شخصیتیں اس کے دربار میں علوم وفنون کی نشرواشاعت میں مصروف رہا کرتی تھیں۔ اس نے علمی اور ادبی کتب کی فراہمی کے لیے اہل کار مقرر کر رکھے تھے جو بلاد شرق سے کمیاب کتابیں حاصل کر کے اندلس پہنچاتے تھے۔ اس نے سائنس اور فلسفہ کی کتابوں کی خریداری کے لیے عباس بن ناصح کو عراق کتب فروشوں کے یہاں بھیجا تھا۔ اس نے اپنے زمانے میں قرطبہ کی سرکاری لائبریری کو کتابوں سے بھر دیا تھا، اس کے دور میں سائنس کی مختلف شاخوں میں تصنیف وتالیف کا آغاز ہوا۔ شاہ قسطنطنیہ نے جب اس کے پاس ادویہ کی کتاب ''الأدوية المفردة'' ۳۳۷ھ مطابق ۹۴۸ء کو تحفہ میں بھیجی تو اس نے ۳۴۰ھ مطابق ۹۵۱ء کو نقولا راہب کے پاس ترجمہ کے لیے بھیج دیا، راہب نے متعدد اطبا کی مدد سے اسے یونانی زبان سے عربی زبان میں ترجمہ کرایا۔

یہی وہ دَور تھا جب اندلس کے مسلمانوں کو صحیح معنوں میں آزادیِ اَفکار نصیب ہوئی اور اُنہوں نے علوم عقلیہ پر کھل کر تحقیقات شروع کیں۔ اُسی دور میں اندلسی سائنسدانوں نے سائنسی طریق کار کو فروغ دیا اور علمِ ہیئت (astronomy)، علمِ ریاضی (mathematics)، علمِ طب (medical science)، علمِ نجوم (astrology)، علمِ کیمیا (chemistry)، علمِ نباتات (botany)، علمِ جغرافیہ (geography) اور بے شمار صنعتی علوم وفنون پر اپنی گراں قدر تحقیقات کے ذریعے اندلس کو اوجِ ثریا پر پہنچا دیا۔

حکم ثانی کی سرپرستی نے قرطبہ کو ایک ایسے علمی مرکز میں تبدیل کر دیا تھا جہاں ہر ملک کی علمی اور ادبی تخلیقات دستیاب تھیں، ملک کے تمام شہروں میں پبلک لائبریریاں قائم کی گئی تھیں جو سرکاری خرچ پر چلتی تھیں۔ متعدد افراد نے اپنی ذاتی لائبریریاں قائم کر رکھی تھیں۔ لائبریریاں قائم کرنے میں مرد اور عورت دونوں زمرہ کے لوگ شامل تھے۔ کہا جاتا ہے کہ قرطبہ شہر کے صرف ایک مشرقی محلے میں ۱۷۰ کے قریب خواتین قرآنِ مجید کو خط کوفی میں لکھنے میں خاص شہرت رکھتی تھیں۔

3.4.4 مذہبی علوم کی اشاعت

اندلس کی تہذیب وثقافت میں مذہبی علوم نے بہت ترقی کی۔ علم تفسیر، حدیث، فقہ اور کلام پر علما نے گراں قدر تصنیفات چھوڑے۔ ابن خطیب کی تصنیفات سے علمائے اندلس کی علمی ومذہبی خدمات کا پتہ چلتا ہے۔ ان کی ایک کتاب ''الإحاطة'' ہے جو علما وفقہا کی تاریخ پر مشتمل ہے، تین جلدوں میں ہے۔

علمائے کلام میں ابن باجہ، ابن طفیل اور ابن رشد جیسی شخصیتوں کے نام آتے ہیں، ان میں سب سے زیادہ شہرت ابن رشد کو ملی، جنہوں نے عقلی بنیادوں پر مذہب کی توجیہ کی ہے۔ دینی علوم میں ابن حزم نے بھی بیش قیمت خدمت انجام دی ہے، انہوں نے اصول فقہ اور فقہ میں کتابیں

تصنیف کی ہیں۔ ابن حزم مذہب ظاہری کے پیروکار اور اہل حدیث تھے۔

خلیفہ ہشام کے عہد میں مالکی مذہب کو سرپرستی حاصل ہوئی تو مالکی فقہ کی تدوین و اشاعت کا کام بھی شروع ہوا۔ المؤطا کی متعدد شروح کے علاوہ مسائل فقہ پر بھی کتابیں لکھی گئیں۔ ابن حبیب کی شرح مؤطا ''الواضحة'' اور ان کے شاگرد کی کتاب ''العتبية'' نے علما کے درمیان ممتاز شہرت کمائی۔ فقہ مالکی کی بنیادی کتاب ''المقدمات المهمات في الأحكام الشرعية' اندلس میں تصنیف ہوئی۔ ابن رشد کے نامور شاگرد قاضی عیاض مالکی جو مرابطون کے عہد میں تھے، انہوں نے فقہ مالکی میں بڑا نام کمایا اور تالیف و تصنیف میں اونچا مقام حاصل کیا۔ حدیث سیرت اور رجال میں بھی ان کی تصنیفات موجود ہیں۔

مذہبی علوم خصوصاً فقہ اور اصول فقہ پر گراں قدر تصنیفی کام اندلس کے آخری حکمراں خاندان بنونصر کے زمانے میں ہوا۔ اس دور کے مصنّفین میں ابن لب، ابن سراج، ابواسحاق شاطبی اور ان کے شاگرد ابن عاصم کے نام آتے ہیں۔ شاطبی کی ''الموافقات'' اور ''الاعتصام' اسی طرح ابن عاصم کی منظوم فقہی کتاب ''تحفة الأحكام'' نے فقہ اور اصول فقہ میں ایک نیا اسلوب پیش کیا ہے۔

3.4.5 طبی اور سائنسی علوم کی اشاعت

مذہبی علوم کے علاوہ دیگر علوم میں مسلمانوں کی لاکھوں کتابیں موجود تھیں، تاتاری اور عیسائی ناقدروں نے کتب خانوں میں آگ لگادی، لاکھوں کتابیں جلادی گئیں، جو بچ گئیں وہ آج لندن، پیرس، اسپین اور اٹلی وغیرہ میں مقفل ہیں۔ تاریخ دانوں کو جن تصنیفات کا علم ہوا ان ہی کی روشنی میں انہوں نے اپنی تحقیقات پیش کی ہیں۔ مؤرخین کی تحقیقات ہمیں بتاتی ہیں کہ بارود، قطب نما، گھڑیاں، ہوائی جہاز، عینک وغیرہ مسلمانوں کی ایجاد ہیں۔ یونانیوں نے بھی طبعیات، ریاضی اور ہیئت پر چند کتابیں لکھی تھیں۔ ارسطو، جالینوس، اقلیدس وغیرہ کا شمار بڑے یونانی عالموں میں ہوتا تھا، لیکن یونانی سائنسی علوم میں باریک بینی، تحقیق و تدقیق اور تفصیلی مشاہدات کی کمی تھی۔ مسلمانوں کے مطالعۂ کائنات کا طریقہ یونانیوں سے مختلف تھا۔ یہ لوگ ہر چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے، تجربہ کرتے، تجربات کو دہراتے اور پھر نتائج قلم بند کرتے تھے۔

غیر مذہبی علوم میں مسلمانوں کے کارناموں کی فہرست بہت لمبی ہے۔ انہوں نے سورج اور چاند گرہن، ہوا، بارش، زلزلے، حیوانات، نباتات اور چیزوں کی خاصیتوں پر لاتعداد کتابیں لکھی ہیں۔ گندھک اور معادن پگھلانے کے آلات ایجاد کیے ہیں۔ روشنی، ثقل اور مقناطیس وغیرہ پر بحثیں کی ہیں۔ مائعات معادن اور سیماب وغیرہ کا وزن معلوم کیا ہے۔ پہاڑوں کی بلندی اور سمندروں کی گہرائی پر غیر معمولی تحقیقات پیش کی ہیں۔

عہد اسلامی میں اندلسی سائنسدانوں نے سائنسی طریق کار کو بہتر انداز میں فروغ دیا اور علمِ ہیئت (astronomy)، علمِ ریاضی (mathematics)، علمِ طب (medical science)، علمِ نجوم (astrology)، علمِ کیمیا (chemistry)، علمِ نباتات (botany)، علمِ جغرافیہ (geography)، اسی طرح دیگر علوم وفنوں مثلاً: سول انجینئرنگ (Civil engineering)، ہوائی جہاز (Aeroplane)، اسلحہ سازی (Ordnance)، کیمیکل ٹیکنالوجی (Chemical technology)، حرکی توانائی (Kinetic energy)، علم فلکیات (astronomy) علم المیقات (time keeping)، ٹیکسٹائل انجینئرنگ ((Textile engineering) کاغذ سازی (Paper industry) اور بے شمار صنعتی علوم وفنون اس زمانے میں اندلس کی روزمرّہ زندگی کا حصہ ہوتے تھے۔ ان علوم وفنوں کی تحقیق و تدقیق میں ہزاروں علما اور دانشوران لگے رہتے تھے۔

3.4.6 حکم ثانی کی لائبریری

اسلامی اندلس میں فراہمی کتب اور تصنیف وتالیف کا انقلابی دورعبد الرحمان ناصر کے جانشیں حکم ثانی (۹۶۱ء-۹۷۶ء مطابق ۳۵۰-۳۶۵ھ) سے شروع ہوا۔حکم ثانی عالم اسلام کے خلفا میں سب سے بڑا عالم تھا،اس نے اپنے والد کے زمانے میں اپنی ذاتی لائبریری قائم کی تھی۔وہ کتابوں کا شوقین تھا،اس کے کارندے دنیائے اسلام میں ہر جگہ سے مخطوطات اور کمیاب کتابیں حاصل کرتے پھرتے تھے۔اس نے قاموس نگار محمد بن ابوالحسن فہری اور ایک دوسرے عالم محمد بن معمر کو فراہمی مخطوطات اور نادر کتابوں کی متعدد نقل تیار کرنے پر مقرر کیا تھا۔حکم ثانی کے شوق کتب ہی کا نتیجہ تھا کہ اس کی لائبریری قرون وسطی میں سب سے بڑی لائبریری بن گئی تھی جس کی فہرست چوالیس جلدوں پر مشتمل تھی۔چنانچہ اس لائبریری کے بارے میں ایک تاریخ داں نے لکھا ہے کہ’’اندلس کے دُوسرے اُموی خلیفہ حکم ثانی (961ء تا 976ء) کی لائبریری اپنے دَور میں دُنیا کی سب سے بڑی لائبریری تھی، جہاں قرآن، حدیث، فقہ اور دیگر مذہبی علوم کے علاوہ ہیئت (astronomy)، ریاضی (mathematics)،طب (medical sciences)،نجوم (astrology)، کیمیا (chemistry)،(طبیعیات physics)،فلسفہ (philosophy)،منطق (logic)،تاریخ (history) اور جغرافیہ (geography) سمیت تمام علومِ عقلیہ پر مشتمل چار لاکھ سے زیادہ (ایک رِوایت کے مطابق چھ لاکھ) کتابیں موجود تھیں۔اُس لائبریری کی کیٹلاگ چوالیس بڑی جلدوں پر مشتمل تھی۔خلیفہ چونکہ خود بہت بڑا عالم تھا اور سائنس سے گہری دِلچسپی رکھتا تھا، اِس لیے اُس نے اُن میں سے بیشتر کتابوں کا نہ صرف مطالعہ کیا تھا بلکہ اُن پر جا بجا حواشی بھی چڑھا رکھے تھے۔اندلس میں مسلمانوں کے سیاسی زوال کے بعد جاہل پادریوں نے مسلمانوں کی تمام لائبریریاں جلا دیں، جن میں الحکم کی عظیم الشان لائبریری بھی شامل تھی۔

3.5 اندلس میں اسلامی فن تعمیر کی جھلکیاں

3.5.1 عمومی جائزہ

طرز تعمیر کے اعتبار سے مسلم فن تعمیر یا اسلامی تعمیرات کو بنیادی طور پر ہم دو قسموں میں بانٹ سکتے ہیں۔بسا اوقات اشتراک مقاصد میں دونوں قسمیں ایک ساتھ جمع بھی ہو سکتی ہیں۔

پہلی قسم میں وہ عمارتیں شامل ہوں گی جو عبادت یا تقرب الٰہی کے لیے بنائی گئیں ہیں مثلاً مساجد، مدارس، خانقاہیں۔اس قسم میں ہم اولیائے کرام اور بزرگان دین کے مقابر کی تعمیرات کو بھی شامل کر سکتے ہیں۔

دوسری قسم میں وہ عمارتیں شامل ہوں گی جو انسانی و بشری ضرورتوں کے لیے تعمیر کی جاتی ہیں مثلاً قلعے، شاہی محلات، عمومی محلات، شاہی باغات، حمام، سرائے اور پل وغیرہ۔اس طرز کی تعمیر کردہ دیگر عمارتیں بھی اس قسم میں شامل کی جا سکتی ہیں۔

اندلس کے مسلمانوں نے اپنی طرز تعمیر، شان و شوکت اور پُرتکلف مہذب زندگی کی وجہ سے خلفائے عباسیہ کو بھی ماند کر دیا تھا۔اندلس اپنی تہذیب و ثقافت اور فیشن میں دُنیا بھر میں ایک معیار کی حیثیت اِختیار کر چکا تھا اور دُنیا اُس کی مثالیں دیا کرتی تھی۔بڑے بڑے عالیشان محلات اور بنگلوں کے علاوہ بڑے شہروں میں میلوں تک پھلوں اور پھولوں کے باغات اُسے جنت ارضی کی صورت دے چکے تھے۔

عبدالرحمن اول کے دورِ حکومت میں جب اندلس میں اِسلامی سلطنت کو اِستحکام نصیب ہوا تو اُس نے ملک کی تعمیر و تزئین کی طرف خاص توجہ دی۔ اُس نے تقریباً تمام بڑے شہروں میں جابجا باغات، فواروں، پختہ گلیوں، سڑکوں اور دِیدہ زیب عمارتوں کا جال بچھا دیا۔ گلی کوچوں کو پختہ کیا اور اُن میں روشنی کا بخوبی اِنتظام کیا۔ شہروں میں سیوریج کا بھی بہت اعلیٰ اِنتظام وانصرام کیا۔ بڑے گندے نالوں پر پکی چھت بچھائی اور وہ اس قدر کشادہ بنائی گئی کہ ایک چھکڑا بآسانی اُس کے اُوپر چل سکتا تھا۔ غرناطہ کے باہر ایک عظیم الشان محل بنایا اور اُس کے اَطراف میں وسیع و عریض باغ لگایا، جس کا نام ''رصافہ'' رکھا۔ اُسی محل کے بائیں باغ میں اُس نے اپنے وطن دِمشق سے کھجور کا ایک درخت منگوا کر لگایا جو اُسے اُس کے وطن کی یاد دِلاتا تھا۔ ایک روز کھجور کے اُس درخت کو دیکھ کر اُسے اپنا وطن اور اپنی بے سروسامانی کی حالت یاد آ گئی جس پر اُس نے بڑے ہی پُرسوز اَشعار کہے۔ تاریخ مقرّی میں اُس کے وہ اَشعار محفوظ ہیں۔ شاعرِ فطرت ڈاکٹر اقبال نے ''بالِ جبرئیل'' میں ان اشعار کا مفہوم ذکر کیا ہے۔ اسلامی اندلس میں حسنِ تعمیر کی دو عظیم مثال ''محل قصر الزہرا'' اور ''مسجد قرطبہ'' سے دی جا سکتی ہے۔

3.5.2 قرطبہ

اِسلامی اندلس کے دارُالحکومت قرطبہ (Cordoba) کی آبادکاری کچھ اِس حسین انداز سے تھی کہ اُس کی سڑکوں، پلوں اور دیگر تعمیرات نے اُسے چار چاند لگا دیے تھے۔ قرطبہ اپنی علمی و فنی سرگرمیوں اور صنعتی و تجارتی اہمیت کی وجہ سے دنیا میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تقریباً بارہ صدیاں قبل ایک جرمن نے عبدالرحمان سوم کے شہر قرطبہ کے بارے میں کہا تھا کہ ''اگر دُنیا کو ایک انگوٹھی فرض کر لیا جائے تو قرطبہ اُس کا نگینہ ہے''۔ اِسلامی اندلس کا دارُالحکومت قرطبہ خلافتِ عباسیہ کے دارُالخلافہ بغداد سے کسی طور پر کم نہ تھا، بلکہ بعض اسباب کے سبب اُسے بغداد پر فوقیت حاصل تھی۔

مسلمانوں نے اندلس کو حسین تعمیرات سے آراستہ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ صرف قرطبہ میں ''دو لاکھ سے زائد رہائشی مکانات موجود تھے۔ سکے سے بنی پائپ لائنوں کی مدد سے اِتنے وسیع و عریض شہر کو پینے کے تازہ پانی کی فراہمی اُس دَور کا سب سے عظیم کارنامہ تھا۔ اس شہر میں اسی ہزار چار سو دُکانیں تھیں، جن میں سے تقریباً بیس ہزار صرف کتب فروشی اور اُس سے متعلقہ کاروبار کے لیے وقف تھیں۔ قرطبہ یورپ کے دورِ جاہلیت کے دوران ایک عظیم الشان علمی مرکز کے طور پر اُبھرا۔ شہر میں تین ہزار مساجد، اسّی (۸۰) کالج، پچاس ہسپتال، سات سو حمام اور غلّے کو محفوظ رکھنے کے لیے چار ہزار تین سو گودام تھے۔ میلوں طوِیل سڑکیں پختہ پتھروں سے بنی تھیں۔ رات کے وقت شہر میں روشنی کا بخوبی اِنتظام تھا۔ سرِ شام ہرکارے گلیوں میں نصب ستونوں سے آویزاں لیمپوں میں تیل ڈال جاتے، غروبِ آفتاب پر اُنہیں جلا دیا جاتا اور ساری ساری رات اُن کی روشنی سے سڑکیں اور گلیاں منوّر رہتیں۔ یہ اُس دَور کا ایک اور ناقابلِ یقین عظیم کارنامہ تھا۔''

3.5.3 محل قصر الزہراء

تاریخ ابن خلدون ج: ۴ ص: ۱۷۲ کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ 'قرطبہ سے چار سو میل مغرب کی طرف عبدالرحمن سوم نے ایک محل قصر الزہراء تعمیر کروایا تھا، جو اُس کی ایک بیوی الزہراء کے نام سے موسوم تھا۔ اُس محل کے اِردگرد ''مدینۃ الزھراء'' نامی شہر آباد ہو گیا۔ قصر الزہراء ایک ایسی عظیم الشان عمارت تھی جس کا مقابلہ عظیم تاریخی عمارتوں میں کسی کے ساتھ بھی کیا جا سکتا تھا۔ اُس کے در و دیوار منقّش تھے اور اُن میں جگہ کی مناسبت

سے تصاویر بھی کندہ کی گئی تھیں جو اندلس میں اِسلامی فنِ مصوّری کی عظمت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔قصر الزہراء کی تعمیر کے لیے بغداد اور قسطنطنیہ جیسے دُور دراز ممالک سے انجینئرَوں اور کاریگروں کو بلایا گیا تھا، جنہوں نے اپنی کمالِ صناعی سے عمارت کو وہ حسنِ دوام بخشا کہ وہ رشکِ خلائق ہوگئی۔ پانی کی بہم رسانی کے لیے بُعدِ مسافت پر واقع پہاڑوں سے نہر کاٹ کرلائی گئی تھی جس سے نہ صرف محل کے حوض اور فوّاروں کو پانی میسر آتا بلکہ مقامی آبادی کے پینے کے لیے بھی کافی ہوتا۔قصر الزہراء کو'' دارالروضہ'' کا نام بھی دیا گیا تھا جو اندلس میں اِسلام کی تہذیبی روایات کا امین تھا'۔

دولة الإسلام في الأندلس نامی کتاب میں لکھا ہے کہ قصر الزہراء کے دروازے پر عبدالرحمان سوم کی محبوب بیوی زہراء کی تصویر نقش کی گئی تھی، جس کے نام پر اُس کا نام قصر الزہراء پڑ گیا۔ یہ عجوبہ روزگار اِس قدر عظیم فن کا آئینہ دار تھا کہ ایک ترکی مورّخ ضیاء پاشا اپنی کتاب Some Glittering Aspects of the Islamic Civilization میں لکھتے ہیں کہ : ''یہ محل دُنیا کا ایک ایسا عجوبہ ہے کہ اُس کی ساخت کا تصوّر روزِ اوّل سے لے کر آج تک کسی اِنسان کے بس میں نہیں۔ اِنسانی شعور کئی اَدوار سے اُس جیسی یا جمالیاتی ساخت میں اُس کے قریب قریب بھی کوئی مثال پیدا کرنے سے قاصر رہا ہے''۔

3.5.4 مسجد قرطبہ

قرطبہ کی عظیم جامع مسجد جس کا سنگِ بنیاد عبدالرحمان سوم نے اپنی وفات سے دو برس پہلے ۹۵۹ء مطابق ۳۴۸ھ میں رکھا تھا، بعد کے خلفا نے اُسے مزید وسعت دی اور وہ تاریخِ اِسلام کی عظیم الشان مساجد میں سے ایک ٹھہری۔ وہ ایک مستطیل شکل کی مسجد ہے جس کی دیواریں بڑے قیمتی اور نفیس پتھروں سے بنی ہیں۔اُس کے مینار ستّر فٹ بلند بنائے گئے ہیں۔ مسجد میں چار ہزار سات سو فانوس روشن ہوتے تھے جن کے لیے سالانہ چوبیس ہزار پاونڈ زیتون کا تیل اِستعمال ہوتا تھا۔ مسجد کے ستونوں کی کل تعداد ایک ہزار تیرانوے ہے جو اعلیٰ کوالٹی کے دِیدہ زیب ماربلز سے تعمیر کیے گئے تھے۔ستونوں کے اُوپری حصہ میں دُہری محرابیں بنا کر اُن کے حسن کو مزیداً جاگر کیا گیا ہے، جو تمام عالمِ اِسلام میں اپنی نوعیت کا انوکھا کام ہے۔ مسجد کی تعمیر میں اِسلامی شان وشوکت اور اِستقامت دِیدنی ہے۔ آٹھویں صدی عیسوی میں قرطبہ کے اندر ایسی حسین وجمیل اور مضبوط عمارت کا وجود حیرت انگیز ہے، مسجد کی تعمیر میں کاشی کاری کا کام اپنی نفاست اور دیدہ زیب رنگوں کے حسین اِمتزاج سے اِنتہائی خوب صورت شکل اِختیار کر گیا ہے، جسے دیکھ کر آج بھی اِنسان کی آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں۔

ایک انگریز مورخ نے اُس مسجد کے بارے میں یہاں تک لکھا ہے کہ :

''یہ اِنسانی آنکھ کے سامنے سے گزرنے والے تمام مناظر میں سے سب سے زیادہ دِلکش منظر ہے اور اس کی مہارت اور عظمت قدیم یا جدید عمارتوں میں کہیں نہیں ملتی۔''

شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے مسجدِ قرطبہ پر بالِ جبریل میں ایک طوِیل نظم لکھی ہے۔

اندلس میں اسلامی فنِ تعمیر کی ایک بہترین مثال ''الحمراء'' بھی ہے۔ یہ دُنیا کی یادگار عمارتوں میں سے ایک ہے جسے صدیوں قبل نہایت نفاست کے ساتھ تعمیر کیا گیا تھا۔ وہ اپنی فصیل اور برجوں کی وجہ سے ایک قلعہ دِکھائی دیتا ہے۔اُس کی تعمیر غرناطہ کی سرخ مٹی سے ایک پہاڑی کی ڈھلان پر کی گئی تھی اور اُس میں جابجا حوض اور فوّارے نصب تھے۔ پانی کے بہاؤ کے لیے قدرتی ڈھلان سے مدد لی گئی تھی جس کی وجہ سے اِضافی توانائی کی بہم رسانی ضروری نہیں رہی۔ محل کا ہر حصہ مرکزی حصے کی سی دِلکشی کا حامل ہے اور دیکھنے والا اُسی حصہ کو اُس کا مرکز سمجھنے لگتا ہے۔ اُس کے ہر

حصے میں قرآنی آیات، اَحادیث نبویہ اور عربی اَشعار وعبارتیں کندہ ہیں، جو اِسلامی فنِ خطاطی (calligraphy) کے بہترین شہ پارے ہیں۔

اندلس کی یادگار عمارتوں میں "قصر الخلفاء"، "مسجد مدينة الزهراء"، "برج القصبة"، "برج الحراسة"، "جنة العريف" اور الحکم کا تیار کردہ "مقصورہ" اسلامی اندلس کی فنِ تعمیر کے شاہکار ہیں۔

اندلس کی عمارتوں سے پائیداری اور مضبوطی، نزاکت ونفاست، حسن وجمال، جدت فکر اور ندرت خیال، بے مثال ہنرمندی اور یگانۂ روزگار فکری صلاحیتوں کا اظہار ہوتا تھا۔ یہ عمارتیں اپنی تمام تر دلکشی اور جاذبیت کے ساتھ موجود تھیں جو دیکھتا تھا دیکھتا ہی رہ جاتا تھا۔

3.6 اندلس میں معاشی ترقیاں

3.6.1 عمومی جائزہ

معیشت کسی بھی تہذیب کی جان ہوتی ہے۔ معاشیات کے ذریعے تہذیب وتمدن ارتقائی منزلیں طے کرتے ہیں۔ بہت سے ترقی پذیر ممالک کے معدنی اور قدرتی وسائل بیکار پڑے رہتے ہیں نتیجتاً وہاں کی افرادی قوت جدید علوم وفنون کے فیضان سے بے بہرہ ہوتی ہے۔ اگر ایک ترقی پذیر ملک کثیر آبادی کا حامل ہو تو بڑی تعداد بالخصوص غیر تربیت یافتہ افراد کو روزگار فراہم کرنے میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حکمراں طبقے ترقی اور روزگار کے مواقع پیدا کرنے کے لیے غیر ملکی سرمایہ کاری پر انحصار کرتے ہیں، لیکن ایسے ترقی پذیر ممالک جب معاشیات کے مختلف گھریلو طریقے اختیار کرتے ہیں تو وہ ترقی کے ابتدائی مراحل ہی میں بہت سے ترقیاتی مقاصد حاصل کرنے کی استعداد پیدا کر لیتے ہیں۔ سماجی طور پر سرگرم قیادت لوگوں کو متحرک کرتے ہوئے معاشرے کے طرزِ عمل میں تبدیلی اور نظم ونسق میں بہتری لاسکتی ہے۔ یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ صنعت وٹیکنالوجی کا صحیح استعمال ہر نوع کے معاشرے کو ترقی اور تہذیب کے اعلیٰ مقام پر لے جانے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ اسلامی اندلس میں تہذیب وتمدن کو بہتر بنانے کے لیے حکمراں اور سماجی طبقوں نے جاں گسل محنتیں کیں، ہر قسم کے معاشی ذرائع کو بروئے کار لا کر اندلس کو پوری دنیا کا مطمحِ نظر بنا دیا۔

3.6.2 کاشت کاری

اندلسی تہذیب وتمدن کو سمجھنے کے لیے ہم وہاں کی چند مشہور صنعتوں اور حرفتوں کا ذکر کریں گے جس سے یہ واضح ہوگا کے اندلس میں مسلمانوں نے جہاں تہذیب وتمدن کو سنوارنے سجانے میں محنت کی ہے وہیں باشندگان اندلس کے معیار زندگی کی ترقی کے لیے بھی بیش بہا مواقع فراہم کیے ہیں۔

مسلمانوں نے اندلس کی سرزمین پر جب قدم رکھا، اس وقت ان کے پاس عراق، شام اور مصر جیسی سرسبز وشاداب سرزمین موجود تھی، انہوں نے ان ممالک کے علاقوں کو بغور دیکھا پرکھا تھا اور اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ان علاقوں کو ترقی وعروج کی منزلیں طے کرنا سکھا دیا تھا۔ اندلس میں بھی مسلمانوں نے اپنی فطری صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا، معاشرہ کو اعلی معیار پر پہنچایا، یہاں کی مادی ترقی کے لیے منصوبے بنائے، اندلس کی فضا کو سکون عطا کیا اور ہر چہار جانب تہذیب وتمدن کے چراغ روشن کر دیے۔

مسلمانوں نے اندلس کو ایک غیر معمولی ترقی یافتہ ملک بنایا، زراعت کو فروغ دیا، بارش کے پانی کو برباد ہونے سے بچایا، اس سے بہتر نظم و نسق کے ساتھ زمین کی آبیاری کا کام لیا، معدنیات کا سراغ لگا کر ملک کے قدرتی وسائل میں اضافہ کیا۔ رومیوں کے عہد حکومت میں بھی زراعت پر

توجہ مرکوز کی گئی تھی، لیکن مسلمانوں کے جدید ذہن نے مختلف منصوبوں کے ذریعہ اور مختلف طرز تعمیر کے ذریعہ زراعت کو ملک بھر میں فروغ دیا، جس سے چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کا یہ ملک زرخیز، سرسبز وشاداب اور لہلہاتے ہوئے کھیتوں کا ملک بن گیا۔

اندلس کے بعض علاقے ساحل سمندر اور پہاڑیوں کی جھرمٹ میں واقع ہیں مثلاً غرناطہ، قرطبہ وغیرہ، یہ علاقے اسلامی اندلس میں تازہ اور خوشنما پھلوں کے خرمن تھے، ہر طرف سرسبز وشاداب اور لہلہاتی ہوئی کھیتیاں تھیں، ان علاقوں میں گیہوں اور دیگر غلوں کی پیداوار بکثرت ہوتی تھی۔ غلہ کے علاوہ یہاں گنے کی کاشت بھی بہت اچھی ہوتی تھی۔ اندلس کی سرزمین مسالوں کی پیداوار کے لیے بھی بڑی زرخیز تھی، یلنجوج نامی ایک لکڑی پیدا ہوتی تھی جس کی خوشبو عود ہندی سے کہیں زیادہ ہوتی تھی، اس کے علاوہ قرمز، جڑی بوٹیاں، معدنی اور نباتی دوائیاں بکثرت پیدا ہوتی تھیں، زرعی اور معدنی اشیا کی فراوانی کی وجہ سے اندلس کے باشندے دولت وثروت سے مالا مال تھے۔

ڈاکٹر احتشام بن حسن اندلس کی زمینوں، کھیتوں اور کسانوں کے حالات ان الفاظ میں لکھتے ہیں:

''دیہی علاقوں میں کثرت سے کسان آباد تھے، جو خود اپنی کاشت کرتے تھے، ان کی زمینیں امرا و سلاطین کی عطا کی ہوئی تھیں، اراضی کی تقسیم دو طرح پر تھی؛ ایک تو وہ اراضی تھی جو امرا و سلاطین کی ملکیت تھی جس میں حسین باغات لگائے جاتے تھے اور اکثر پھلوں کی کاشت ہوتی تھی جن میں انگور کی کاشت بہت عام تھی، کوئی حصہ زراعت سے کبھی خالی نہیں رہتا تھا، ان باغات اور اراضی میں جگہ جگہ عالی شان عمارتیں، برج، وسیع خرمن، کبوتر، نیز دیگر پالتو جانوروں کے لیے چراگاہیں ہوتی تھیں............ باقی اراضی رعایا کی ملکیت تھی جو خود کاشت کاروں کے خورد ونوش کا ذریعہ تھی، ایسے وسیع قطعات باسٹھ ہزار سے زائد تھے جن میں سے ہر بڑے قطعہ کی قیمت تقریباً ۲۵ طلائی دینار ہوا کرتی تھی۔ ان کے علاوہ شاہی اراضی اور املاک جو مساجد اور رفاہ عام کے لیے وقف تھیں ان کی مجموعی تعداد تقریباً ۵ لاکھ ساٹھ ہزار ہوتی تھی۔ شاہی اراضی کے سالانہ غلہ کی پیداوار تین لاکھ قدح سے زائد تھی''۔

اسلامی اندلس میں زرعی ترقی کے لیے کیے گئے اقدامات میں سے چند اہم اقدام یہ ہیں:

1 بارش کے پانی کو یکجا کرنے کے لیے مناسب فاصلوں پر تالاب بنائے گئے تھے، یہ تالاب اتنے بڑے ہوتے تھے کہ وہ قدرتی جھیل نما دکھائی دیتے تھے۔

2 دریاؤں پر بند باندھے گئے تھے جو بہت اونچے اور مضبوط ہوتے تھے، یہ بند دو سو فٹ تک اونچے اور سات سو فٹ تک لمبے ہوتے تھے۔

3 زیر زمین نہریں نکالی گئی تھیں جنھیں آب دوز کہتے تھے، ان آب دوزوں کی لمبائی سینکڑوں اور ہزاروں میل تک ہوتی تھی۔

4 پانی کے سلسلے میں جو تنازعات ہوتے تھے انھیں کاشتکاروں کی پنچایت حل کرتی تھی، ہر جمعرات کو مسجد کے سامنے اس کا اجلاس ہوتا تھا، حکومت پنچایت کے فیصلوں کا احترام کرتی تھی۔

5 حکومت کی جانب سے ہر بستی کے باہر تالاب کھودا جاتا تھا جس میں کوڑا کرکٹ جمع کیا جاتا تھا، تالاب بھر جانے کے بعد کاشتکاروں میں ملبہ تقسیم کر دیا جاتا جو بطور کھاد زمینوں میں استعمال ہوتا تھا۔

6 فصلوں اور غلوں کو تباہ وبرباد ہونے سے بچانے کے لیے کیڑے مارنے والی دوائیاں استعمال کی جاتی تھیں۔

7 زرعی پیداوار میں اضافہ کے لیے کسانوں کو تعلیم دی جاتی تھی، تعلیم گاہیں کہیں باہر نہیں بلکہ بستی کے اندر ہوا کرتی تھیں، کلاسیں روزانہ شام

کولگتی تھیں جن میں کسانوں کو پودوں کی بیماریاں جاننے کے ساتھ ساتھ ان کا علاج بھی بتایا جاتا تھا۔ اندلس کے ہر بڑے شہر میں زرعی کالج اپنی وسیع شجر گاہوں اور کتب خانوں کے ساتھ موجود تھے۔

3.6.3 پارچہ بافی

مسلم دورِ حکومت میں اندلس کے شہروں میں کپڑے کی صنعت عروج پر تھی۔ ابن حوقل کا کہنا ہے کہ "میں نے پوری دنیا میں اندلس کے کپڑوں جیسے کپڑے نہیں دیکھے اور نہ ہی ایسے کاریگر روئے زمین پر موجود ہیں"۔

ایس پی سکاٹ نے لکھا ہے کہ "کپڑا بننے میں مسلمانانِ اندلس کو کمال حاصل تھا اور ان کے ہم عصر کوئی قوم ایسا کپڑا نہیں بُن سکتی تھی، معلوم نہیں وہ رنگ کیسے غیر معمولی تھے جن سے ان کپڑوں کے سوت رنگے جاتے تھے"۔

مذکورہ اقوال سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اندلس میں تیار ہونے والے کپڑوں کی کوالیٹی کتنی بہتر تھی۔ جن دنوں اندلس کے عام شہری یہ کپڑے استعمال کرتے تھے یورپ کے باقی حصوں میں یہ کپڑے بادشاہوں کے لیے مخصوص تھے۔

اندلس کے چند شہر کپڑوں کی صنعت کے لیے دور دور تک جانے جاتے تھے، ان شہروں میں بعض کے نام یہ ہیں:

1 المریہ- یہاں ریشمی، کم خواب، زربفت کپڑے تیار کیے جاتے تھے۔ نیز دھوپ چھاؤں کا ایک گل دار کپڑا بھی یہی پر تیار ہوتا تھا۔

2 باجہ اور قلعۂ رباح- یہاں کپڑوں کی کڑھائی کا کام ہوتا تھا۔

3 غرناطہ- یہاں دھاری دار کپڑے بکثرت تیار کیے جاتے تھے۔

مذکورہ شہروں کے علاوہ دیگر شہروں میں بھی کپڑے کی بنائی ہوتی تھی۔ اندلس میں صرف سوتی کپڑوں کے کارخانے چار ہزار سے زائد تھے، بعض کارخانوں میں صرف شاہی لباس تیار کیے جاتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ کپڑے کی صنعت پر اندلس کی ایک تہائی آبادی کا انحصار تھا۔

3.6.4 اشیائے لوہا و آلات جنگ سازی

اندلس کے بہت سے اضلاع میں لوہے کی کانیں موجود تھیں جن سے بھاری مقدار میں لوہا نکالا جاتا تھا۔ لوہے کا استعمال گھریلو اشیا مثلاً چھریوں، قینچیوں، ہتھوڑے اور جنگی آلات کی تیاری میں کیا جاتا تھا۔ آلات جنگ بنانے کی صنعت اندلس میں خوب پھیلی ہوئی تھی۔ طلیطلہ (Toledo) کی تلواریں اپنی مضبوطی اور کاٹ میں دُنیا بھر میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں۔ شمشیر سازی میں اشبیلیہ (Seville) کا بھی اچھا مقام تھا۔ اُن کے علاوہ قرطبہ (Cordoba)، غرناطہ (Granada)، مُرسیہ (Murcia)، المریہ (Almeria) اور سرقسطہ (Zaragoza) بھی اسلحہ سازی میں مشہور تھے۔ ان شہروں میں عمدہ قسم کے ہتھیار تیار ہوتے اور انھیں حسبِ ضرورت ملک کے دُوسرے شہروں میں بھی بھیجا جاتا تھا۔ امرا کی تلواروں میں جواہرات جڑنے اور قرآنی آیات کندہ کرنے کا بھی رواج تھا۔

لوہے کے صندوق بنانے میں اندلسی مسلم کاریگر باقی دنیا سے بازی لے گئے تھے، ان صندوقوں کے خانے اس قدر پیچیدہ ہوتے کہ چابیوں کے باوجود ناواقف انسان انھیں نہیں کھول سکتا تھا، اگر چابی گم ہو جاتی تو وہی کاریگر تلاش کرنا پڑتا تھا جس نے صندوق بنایا تھا۔ کئی سو سال بعد یورپی کاریگر یہ صندوق دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے اور لاکھ کوشش کے باوجود اس طرح کا دوسرا صندوق نہ بنا سکے۔

3.6.5 برتن اور فرنیچر کی کاریگری

اسلامی دور کے اندلس میں چینی اور شیشے کے عمدہ اور نفیس برتن بنتے تھے جو بیرون ملک بھی برآمد کیے جاتے تھے۔شیشے کے برتنوں کی زیادہ تر صنعتیں دانیہ، بطلہ، طلیطلہ اور غرناطہ میں تھیں۔ شیشہ، کانچ اور لوہے کے برتن المریہ میں بھی بہت بنتے تھے۔ ملاغنہ میں بھی سو سے زائد ایسے کارخانے تھے جہاں صرف چینی کے برتن بنتے تھے۔ برتنوں میں نہایت خوب صورت بیل بوٹے ہوتے، بعض برتنوں کے کنارے سونے اور چاندی کی پتیاں بنی ہوتی تھیں۔ ملاغنہ کے برتنوں کی نمائش دنیا بھر کے بازاروں میں ہوا کرتی تھی۔

اندلس میں اسلامی دور کے اوائل میں شیشے کے برتنوں کا رواج نہ تھا، مگر بعد میں جب محلاتِ شاہی میں سونے چاندی کے برتنوں کے بجائے شیشے کے برتنوں کا رواج چل پڑا تو یہیں سے شیشہ سازی کی صنعت نے ترقی کی اور دیکھتے ہی دیکھتے عوام وخواص بھی شیشے کے برتنوں کا عام استعمال کرنے لگے۔ ہوائی جہاز کے موجد عباس بن فرناس نے شیشہ بنانے کا ایک نیا طریقہ ایجاد کیا۔ وہ چکنی مٹی کو بھٹی میں پکاتا اور اس سے شیشہ بناتا۔ شیشہ سازی کا یہ نیا طریقہ بہت جلد اندلس میں رائج ہو گیا۔

شیشے کے کاموں کی طرح لکڑی کے کام بھی خوب صورت ہوتے تھے۔ لکڑی کے کاموں میں ہاتھی دانت کا بھی استعمال ہوتا تھا۔ ہاتھی دانت کی صنعت کو اندلسی مسلمانوں نے اوجِ کمال عطا کیا تھا۔ مسجدوں کے محراب، منبر، دروازے، جالیاں اور کھڑکیاں نہایت نفاست کے ساتھ ہاتھی کے دانت کے لگائے جاتے تھے۔ گھریلو استعمال کی چیزیں مثلاً: کرسی، میز، پلنگ وغیرہ نہایت اعلیٰ قسم کی کاریگری کے ساتھ بڑی نفاست سے بنائے جاتے تھے۔ ان کاموں کے لیے ہزاروں مزدور ہمہ وقت مصروف عمل رہا کرتے تھے۔

3.6.6 کاغذ سازی

اندلس میں خلافتِ اُمویہ کے دور میں علم کی وسیع پیمانے پر ترویج اشاعت ہوئی، اس اشاعت کا ذریعہ مختلف علوم وفنون کی کتابیں تھیں۔ کاغذ کی ایجاد سے قبل جن اشیا پر کتابیں لکھی جاتی تھیں، وہ اس قابل نہ تھیں کہ فقط اُن کے بل بوتے پر لاکھوں کتابوں پر مشتمل بڑی بڑی لائبریریاں وجود میں آسکتیں، اس کے لیے کاغذ کی ضرورت تھی۔ شاہان زمانہ علم وادب کے سرپرست تھے، اس لیے کاغذ کی سب سے بڑی خریداری حکومت وقت کیا کرتی تھی۔

دُنیا میں پہلے ریشمی کیڑے کے خول یا دیگر چیتھڑوں سے کاغذ بنایا جاتا تھا، جو نہ صرف بہت زیادہ مہنگا ہوتا بلکہ صرف انہی ممالک میں دستیاب ہوتا جن کی آب وہوا اس قدر موزوں ہو کہ ریشم کا کیڑا وافر مقدار میں پرورش پا سکے۔ مسلمانوں نے رُوئی سے بننے والا کاغذ ایجاد کیا، اس صنعت کو ملک وبیرون ملک میں فروغ دیا۔ اندلس میں کاغذ بنانے کے چھوٹے چھوٹے کارخانے گھروں میں بھی موجود تھے جو ہلکا پھلکا کاغذ تیار کرتے تھے۔ شاطبہ کی آدھی آبادی کا روزگار کاغذ کی صنعت سے وابستہ تھا۔ قرطبہ میں بیس ہزار سے زائد تاجر صرف کاغذ کا کاروبار کرتے تھے۔

معروف مستشرق منٹگمری واٹ نے اپنی مشہور کتاب ''The Influence of Islam on Medieval Europe'' میں اعتراف کیا ہے کہ کاغذ کے معاملہ میں اندلس سارے یورپین ممالک میں مقدم ہے۔ ایک اور مؤرخ لکھتا ہے کہ:

''یورپ بھر میں سپین پہلا ملک ہے جہاں کاغذ بنانے کا کام شروع ہوا۔ اسلامی سپین میں کاغذ سازی کی صنعت مشرقی اسلامی سلطنت ہی

سے پہنچی۔1085ء میں شاطبہ(Xatiua) میں کاغذ سازی کا کارخانہ قائم ہوا۔تھوڑے ہی عرصے میں اسلامی سپین کے ماہرین نے کاغذ سازی کو نئے انقلابات سے روشناس کیا۔سپین کا کاغذ مضبوط اور معیاری ہوتا۔بالخصوص شاطبہ میں نہایت عمدہ کاغذ تیار ہوتا تھا جس کی نظیر دنیا بھر میں نہیں ملتی۔اپنے بہترین معیار کی بدولت اُسے آس پاس کے بہت سے ممالک کو برآمد کیا جانے لگا۔شاطبہ کے علاوہ قرطبہ،غرناطہ،قسطلہ اور بلنسیہ میں بھی کاغذ سازی کے بڑے کارخانے موجود تھے''۔

مذکورہ ذرائع معاش کے علاوہ بہت سے اور بھی ذرائع ہیں جن کا نظارہ ہمیں اندلس کے معاشرہ میں دیکھنے کو ملتا ہے۔مثلاً چمڑے کی صنعت،کھاد بنانے کی صنعت،مشینری پرزوں کی مرمت اور مختلف قسم کی مشینیں بنانے کی ٹکنالوجی،معدنیات کا بڑے پیمانے پر اخراج اور ان کا بھر پور استعمال،گھوڑوں اور دیگر جانوروں کی پرورش،شہد کی مکھیوں اور ریشم کے کیڑوں کی پرورش وغیرہ ایسے بے شمار کام تھے جن میں اسلامی اندلس کا پورا معاشرہ مصروف عمل تھا۔کوئی بیکار اور سست پڑا ہوا انسان نظر نہیں آتا تھا۔

3.7 اندلس میں معاشرتی ترقیاں

3.7.1 عمومی جائزہ

مسلم دور کے اندلس سے پہلے کے دور میں طرز زندگی بڑی کٹھن تھی اور ضروریاتِ زندگی کا فقدان تھا،خوراک حاصل کرنے اور قدرتی آفتوں اور خطرناک جانوروں سے خود کو محفوظ رکھنے کی صلاحیت بھی ان میں موجود نہیں تھی،مسلمانوں نے وہاں وقت گزرنے کے ساتھ کھیتی باڑی کی طرف توجہ دی اور زرعی معیشت اپنا کر ایک جگہ رہنے کو ترجیح دی،انہوں نے آہستہ آہستہ صنعتیں لگانی شروع کیں،صنعتوں کا قیام عموماً شہری آبادی کے قریب عمل میں آیا،روزگار کے مواقع بڑھے تو دیہاتی آبادی شہروں کی طرف منتقل ہونے لگی،اس طرح شہری ثقافت میں بے انتہا ترقی ہوئی۔اندلس میں مختلف اقوام پہلے سے آباد تھیں،ان میں سے ہر ایک کی الگ الگ ثقافت تھی،مقامی طور پر ہر علاقے کی ثقافت پہلے سے موجود تھی اگرچہ ترقی یافتہ نہیں تھی،مسلمانوں کی آمد کے بعد اسلامی تہذیب وثقافت نے مل کر ایک نئی ثقافت وتہذیب بنائی جس کو دنیا کی سب سے بہترین ترقی یافتہ ثقافت وتہذیب کا نام دیا جاسکتا ہے۔

3.7.2 غذائی اشیا اور ان کا استعمال

مسلمانوں نے اندلس کو تعمیرات سے آراستہ کیا،اُسے تہذیبی اِرتقا سے روشن وتابناک بنایا۔وہاں کے معاشرہ کو اَمن وامان اور چین وسکون والا معاشرہ بنایا،وہاں صنعت وحرفت اور تجارت کو فروغ دے کر شہریوں کو آسودہ حال کر دیا۔نتیجتاً لوگوں کی قوتِ خرید بہت زیادہ بڑھ گئی،وہ اعلیٰ لباس اور بہترین اَشیائے خورونوش پر بے دریغ رقم خرچ کرنے لگے۔تہذیبی تکلّفات اُن کی زندگی کا حصہ بن گئے۔آرائش وزیبائش پر خصوصی توجہ دی جانے لگی،گھروں کے باہر لان بنانے اور اُن میں دُور ودراز ممالک سے نایاب درخت منگوا کر لگانے کا رواج عام ہوگیا۔اکثر گھروں میں فوارے اور حوض بھی بنائے جانے لگے۔

اندلس میں مسلم دور حکومت میں اعلیٰ قسم کا گیہوں سال بھر مارکیٹ میں دستیاب رہتا تھا،اس لیے عام غذا کے طور پر گیہوں کا استعمال زیادہ ہوتا تھا۔بادیہ نشیں اور مزدور موسم سرما میں جوار،چنا،مٹر اور مسور استعمال کرتے تھے۔اندلس میں پھل اور میوہ جات کی کوئی کمی نہیں تھی،ہمیشہ

بکثرت ملتے تھے۔

مسلم دورِحکومت میں غذائی اشیا میں چونکہ گیہوں کا استعمال عام تھا، اس لیے گیہوں پیسنے کے لیے مروجہ ہتھ چکیاں ناکافی تھیں، وہاں کے لوگوں نے ہوا اور پانی کی طاقت سے چلنے والی چکیاں ایجاد کی تھیں جنھیں پن چکی کہا جاتا تھا۔ پانی اور ہوا کی توانائی کے ذریعے چلنے والی ان چکیوں کا روزمرّہ زندگی میں اہم رول تھا، ان سے کئی ایک چھوٹے بڑے کام سرانجام دیے جاتے تھے۔ ماہر انجینئرز کے علاوہ عام لوگ بھی ہوا اور پانی کی توانائی کا استعمال نہ صرف سمجھتے تھے، بلکہ عملاً اُس سے فائدہ بھی اُٹھاتے تھے۔ ایک مؤرخ لکھتا ہے:

''اناج کی پسائی وغیرہ کے لیے پانی اور ہوا کی طاقت سے چلنے والی چکیاں پورے ملک میں عام تھیں۔ پن چکیاں (water mills) عموماً ایسے پہیوں پر بنائی جاتی تھیں کہ بوقت ضرورت اُن کا رُخ ہوا کی سمت گھما لیا جاتا تھا۔ پن چکیوں (water mills) کے لیے دریاؤں کا پانی نہروں کے ذریعے مخصوص جگہوں پر لاکر بلندی سے یکدم گرادیا جاتا تھا جس سے نیچے لگی چرخیاں گھومنے لگ جاتیں تھیں۔ چنانچہ دریائے وادی کبیر (Guadalimar River) اور دریائے شنیل (Genil River) کے کنارے سینکڑوں پن چکیاں غلہ پیسنے کے لیے نصب تھیں''۔ آج کل جس طرح ہندوستان میں واشنگ مشین اور فریزر کی ضرورت اور استعمال ہے یہی حال اندلس میں ان چکیوں کا تھا۔

3.7.3 لباس و پوشاک

خوراک کے بعد لباس انسانی زندگی کی سب سے بنیادی ضرورت ہے۔ اس کی ضرورت و اہمیت سے کسی دور کے کسی بھی معاشرے نے انکار نہیں کیا۔ یہ الگ بات ہے کہ دولت کی فراوانی اور اخلاقی بے راہ روی لباس پہنے ہوئے انسان میں بھی بے لباسی کی کیفیت پیدا کردے۔ اسلام نے جہاں انسان کے لیے لباس زیب تن ضروری ستر متعین کیا ہے، وہاں اُس کی زینت کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔ اسلامی اندلس کے پہناوا پر نظر ڈالیے تو یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ وہاں کے لباس و پوشاک میں حدود اسلام کی مکمل رعایت کی جاتی تھی۔

اندلس میں مسلم دورِ حکومت میں لوگوں کے لباس پورے جسم کو ڈھیے ہوتے تھے، وہ سرد و گرم موسم کے لحاظ سے الگ الگ ملبوسات کا استعمال کرتے تھے۔ گرمی کے موسم میں افریقی، تیونسی اور خود اندلسی چادریں اور لنگیاں استعمال کرتے تھے، جب کہ موسم سرما میں عام طور پر رنگین پوشاک زیب تن کرتے تھے۔ ان رنگین پوشاکوں میں کنعان مصر اور اندلس کے بُنے ہوئے ریشمی سوت کے کپڑے زیادہ چلن میں تھے۔ عہدے اور رتبے کے لحاظ سے لباس و پوشاک میں واضح فرق دیکھا جا سکتا تھا۔ عمامے کا استعمال شیوخ علما و قضاۃ اور سپہ سالارانِ فوج کرتے تھے، عام لوگوں میں عمامے کا رواج نہیں تھا۔ عصا کا استعمال عام تھا جو زیادہ تر بید کی لکڑی سے بنے ہوتے تھے۔

ملبوسات کی کمی کو دور کرنے کے لیے اسلامی اندلس میں مسلمانوں نے پارچہ بافی کی صنعت کی طرف بھرپور توجہ مبذول کی تھی اور اس میں کمال حاصل کرلیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ''اسلامی اندلس میں پارچہ بافی کی صنعت اپنے عروج پر تھی یہاں کے تیار شدہ ملبوسات (garments) آس پاس کے بہت سے ممالک کو برآمد بھی کیے جاتے تھے۔ اندرون ملک بھی اس کا استعمال عام تھا، لوگ گھریلو ملبوسات کو پسند کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ حتیٰ کہ مرکزی اسلامی سلطنت کے دارالخلافہ بغداد میں بھی اندلس کے معیار کا کپڑا تیار نہ ہوتا تھا۔ اندلس کا ریشم اور طراز دُنیا بھر میں خاص شہرت رکھتے تھے اور اکثر مورخین اندلس کے شاہی ملبوسات کو بغداد کے شاہی ملبوسات پر فوقیت دیتے ہیں''۔

اندلس کے جنوبی ساحل پر واقع شہر المریہ (Almeria) دِیباج کی تیاری میں سب شہروں سے بڑھ کر تھا، جہاں پارچہ بافی کی ساڑھے

چار ہزار سے زائد مشینیں نصب تھیں۔

3.8 عوامی فلاح و بہبود کی اسکیمیں

3.8.1 عمومی جائزہ

مسلم دورِ حکومت کے اندلس میں آبادی کا ہر شخص اپنی جگہ مطمئن نظر آتا ہے۔حکومت کی جانب سے رفاہ عامہ کے کاموں کی وجہ سے عام شہری خوش وخرم دکھائی دیتا ہے۔وہاں اسلامی اندلس میں ہر فرد انسان کے لیے اس کی زندگی کے موافق سہولیات موجود تھیں۔انفرادی زندگی کے لیے انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے اجتماعی سہولیات سے پورا ملک بھرا ہوا تھا۔پورا ملک درختوں سے لبریز ہونے کے باوجود گرمیوں میں جگہ جگہ خیمے تان دیے جاتے تھے تاکہ مسافروں کو تنگی نہ ہو۔گھر گھر فوارے اور چوراہوں پر حوض بنے ہوئے تھے۔شہر بھر میں کوئی شخص پھٹے پرانے کپڑوں میں نظر نہیں آتا تھا۔کوئی فرد پریشاں حال ہو کر بھیک مانگتے دکھائی نہیں دیتا تھا۔

سرد موسم میں حمام میں گرم پانی فراہم کیا جاتا تھا۔دیہاتوں میں بھی حمام موجود تھے۔مختصر یہ کہ اندلس اپنے عروج کے زمانے میں علمی،معاشی،معاشرتی اور تمدنی وتہذیبی اعتبار سے اوج کمال پر تھا۔

3.8.2 آبادی کی اکائیوں میں وحدت

اسلامی تہذیب اور اسلامی معاشرہ والدین کے حقوق، بڑوں کا ادب واحترام، چھوٹوں پر شفقت، ساتھیوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور پڑوسیوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کی تحسین اور تاکید کرتا ہے۔ایثار وقربانی، ہمدردی وغم خواری،شرم وحیا،عفت و پاک دامنی اور حسن ظن وغیرہ اوصافِ حمیدہ اور صفاتِ جمیلہ کی ترغیب دیتا ہے۔مسلم تہذیب اور مسلم معاشرہ سماج میں ہر نوع کی خوبی شامل ہوتی ہے اور ہر برائی سے دوری اور اجتناب کی پذیرائی ہوتی ہے۔مسلم تہذیب و معاشرہ گناہوں اور جرائم کے سدباب کے لیے ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔مسلم دورِ حکومت میں اندلس میں تہذیب وتمدن کی یہ خوبیاں صاف طور پر نظر آتی ہیں۔

اندلس شہری دیہی دونوں طرح کی آبادی پر مشتمل تھا، یہاں کی آبادی درج ذیل افراد پر مشتمل تھی۔

1 فاتح آزاد مسلمان [عرب اور بربر]

2 غلام [مسلم اور غیر مسلم]

3 نومسلم [مقامی اندلسی]

4 عیسائی

5 یہودی

عروج اندلس کے زمانے میں آبادی کی یہ ساری اکائیاں شیر وشکر ہو کر رہا کرتی تھیں۔اسلامی تعلیمات واحکامات کے مطابق کسی ایک پر بھی ظلم وجبر، دہشت گردی اور جارحیت کی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی تھی۔کوئی بھی شہری تعصّبانہ ذہنیت اور عدم رواداری کے باعث انارکی پھیلانے کا مجاز نہیں تھا، ہر چہار جانب امن اور اطمینان کا ماحول تھا،اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ اسلام ایک ایسا دین رحمت ہے جس کی تمام تعلیمات عدل و

انصاف، اخوت و بھائی چارگی اور رواداری و مساوات پر مبنی ہیں۔

3.8.3 معذوروں کی دیکھ بھال

کسی بھی معاشرہ کے سارے افراد صحت مند نہیں ہوتے ،صحت مندوں کے ساتھ معذوروں کی آبادی بھی معاشرہ کا حصہ شمار ہوتی ہے۔مسلم دورِ حکومت میں ایسے تو عوامی فلاح و بہبود کے لیے عمارتیں بنتی رہتی تھیں،لیکن ملک کے ہر حصے میں سرکاری خرچ سے کچھ ایسے ادارے بھی قائم کیے گئے تھے جہاں محتاج، اپاہج، بیمار اور اسی طرح کے دوسرے لوگوں کا انتظام تھا۔ان کے تمام اخراجات کا ذمہ حکومت وقت پر تھا۔قرطبہ میں ایسے کئی سو ادارے قائم تھے جہاں یتیموں کی پرورش و پرداخت ہوتی تھی۔معذروں پر کیا جانے والا خرچ بادشاہ اپنی جیب خاص سے ادا کیا کرتا تھا۔

3.8.4 علاج ومعالجہ

مسلم دور کے اندلس میں شعبۂ طب پر حکومت وقت کی خاص توجہ تھی، دورِ خلافت میں صرف قرطبہ میں چالیس سے زائد ہسپتال موجود تھے۔عبدالرحمان دوم کے دور میں عراق کے تربیت یافتہ طبیبوں نے قرطبہ میں ’’كلية الطبية‘‘ کھولا تھا، چنانچہ اس طبی کالج نے اندلس کو بہت سے سرجن اور طبیب دیے۔مسلمان طبیبوں نے یونانی طبابت کے خیالات کو من وعن قبول کرنے کی بجائے اس کا تنقیدی جائزہ لیا۔اپنی تحقیقی، تجرباتی اور مشاہداتی مزاج کے مطابق انہوں نے بہت سی بیماریوں اور ان کے علاج کی چھان بین کی اور اس میدان میں سب سے آگے نکل گئے۔عروج اندلس کے زمانے میں مسلمان اطبا اپنی علمی سیادت اور عملی واقفیت کی وجہ سے شہرت کے بام عروج کو پہنچ چکے تھے۔اسلامی اندلس کے مسلم اور غیر مسلم اطبا، ان کی علمی اور طبی مہارت، حالات اور تصانیف کا ذکر ابن اصیبعہ نے اپنی کتاب ’’**عيون الأنباء في طبقات الأطباء**‘‘ میں ’’**طبقات الأطبا في بلاد المغرب**‘‘ کے عنوان سے بڑی تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔

مسلم دور کے اندلس میں عوام کو طبیبوں کی خدمات زیادہ تر مفت میں حاصل تھیں۔معمولی بیماریوں سے لے کر قابل سرجری بیماریوں تک کا علاج اندلس میں کیا جاتا تھا۔طبیبوں کی محنت و کاوش ہی کا نتیجہ تھا کہ اندلس کے شہری صحت مند اور توانا زندگی گزارتے تھے۔

اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہیں ہوگا کہ مسلم دور کا اندلس موجودہ دور کے اندلس سے کہیں زیادہ آگے تھا اور یہ سب مسلمانوں کی کامیاب عملی، جدوجہد اور محنت ومشقت کا نتیجہ تھا۔

3.9 یورپ پر اسلامی تہذیب کے اثرات

3.9.1 عمومی جائزہ

اندلس میں اسلامی تہذیب وتمدن کے ارتقا سے پہلے یورپ وحشت و بربریت اور جہالت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، وہاں تہذیب و ثقافت، سیاست وتمدن اور علوم وفنون کا کوئی تصور نہیں تھا۔یورپ کا بیشتر حصہ لق ودق بیابان یا بے رہ جنگل تھا،کہیں کہیں راہبوں کی خانقاہیں اور چھوٹی چھوٹی بستیاں آباد تھیں، جابجا دَلدَلیں اور غلیظ جوہڑ تھے۔لندن اور پیرس جیسے شہروں میں بھی لکڑی کے مکانات تھے اور چھتیں گھاس پھوس کی تھیں۔صفائی کا کوئی انتظام نہیں تھا، نہ نالیاں تھیں اور نہ حمام تھے۔سڑکیں کیچڑوں سے بھری پڑی تھیں، روشنی کا کوئی انتظام نہیں تھا۔رہائش کا یہ عالم تھا کہ گھر کے تمام آدمی مویشیوں کے ساتھ ایک کمرے میں سوتے تھے۔ایک ہی لباس سالہا سال تک لوگ زیب تن کرتے تھے۔نہانا بڑا گناہ

سمجھا جاتا تھا یہی وجہ ہے کہ پاپائے روم نے سسلی اور جرمنی کے بادشاہ فریڈرک [۱۲۱۲ء-۱۲۵۰] پر جب کفر کا فتویٰ لگایا تو فہرست الزامات میں یہ بھی درج تھا کہ وہ روز مسلمانوں کی طرح غسل کرتا ہے۔

یورپ میں نہ سڑکیں تھیں اور نہ ذرائع حمل ونقل مثلاً: بیل گاڑی، خچر، گدھے وغیرہ ۔جنگلوں، پہاڑوں اور سنسان راستوں میں ڈاکو رہا کرتے تھے۔ وبائی بیماریاں عام طور پر پھیلا کرتی تھیں، دسویں صدی عیسوی میں جب تباہ کن قحط کا سامنا ہوا تو یورپ کے پاس اس قحط سے نبرد آزما ہونے کے لیے کوئی متبادل موجود نہیں تھا۔ مؤرخ پروکوپیس نے لکھا ہے کہ

''میں ان وحشیوں کے ہولناک افعال کے ذکر سے صفحات تاریخ کو آلودہ نہیں کرنا چاہتا، تاکہ آئندہ نسلوں کے لیے خلاف انسانیت افعال کی مثال زندہ رکھنے کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہ ہو''۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اگر مسلمان اندلس اور سسلی میں قدم نہ رکھتے تو یورپ ہلاکت و بربریت، بداخلاق و بے ایمانی اور غیر متمدن زندگی کے دلدلوں سے کبھی باہر نہیں آپاتے ۔مسلمانوں نے یورپ کو ایک تابدار تمدن اور عظیم الشان تہذیب دیا۔ بے شمار درس گاہیں اور ہر قسم کے علوم دیے۔انھیں کپڑے پہننے، نہانے، کھانے اور انسانوں کی طرح رہنے سہنے کا سلیقہ سکھایا، اخلاق و آداب اور طریقۂ زندگی کا درس دیا۔

3.9.2 اسلامی تہذیب کے اثرات

آٹھویں صدی عیسوی میں مسلمان اندلس پہنچے اور ایک سو سال بعد سسلی پہنچے، وہ ان ممالک میں خالی ہاتھ نہیں گئے تھے۔ان کے ساتھ ان کا علم و ہنر بھی پہنچا تھا۔ وہ تاریخ، فلسفہ، طبعیات، طب، ریاضی، شعروادب، علم الکلام اور درجنوں علوم ساتھ لے گئے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ علوم اٹلی، جرمنی، فرانس اور دیگر ممالک میں پہنچے ۔ بارہویں صدی میں یورپ مائل بہ علم ہو چکا تھا اور سولہویں صدی تک ایک عام بیداری پیدا ہو چکی تھی۔آج یورپ تہذیب و تمدن میں بہت آگے نکل چکا ہے۔ برطانیہ جیسے چھوٹے ملک میں چالیس سے زیادہ یونیورسٹیاں ہیں، ہر یونیورسٹی کے تحت بیسوں کالج ہیں۔تعلیم و تدریس پر بڑے بڑے ماہرین متعین ہیں۔اسی طرح تالیف و تصنیف کے سینکڑوں ادارے ہیں جو ہر فن پر کتابوں کے انبار لگا رہے ہیں۔علوم وفنون کے علاوہ شعبہ ہائے زندگی کے ہر میدان میں ترقی کی منزلیں طے کرتا جارہا ہے۔ترقی کی ان شاہ راہوں پر چلنے کی صلاحیت ان ممالک کے اندر خود بخود پیدا نہیں ہوئی بلکہ اسلامی تہذیب و ثقافت سے انہوں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔

اسلامی تہذیب وثقافت نے یورپ کے ہر شعبۂ زندگی پر اثر ڈالا، ان کے لباس بدل گئے۔طور طریقے اور آداب زندگی میں تبدیلی آگئی۔ تعمیرات میں مغربیت کی جگہ مشرقیت نے لے لی، عورتوں کا احترام بڑھ گیا۔مختصر یہ کہ پورا معاشرۂ یورپ عربی تہذیب و تمدن سے ایسا متاثر ہوا کہ اس کی اصل شناخت باقی نہ رہ سکی۔اس غیر معمولی تبدیلی کی چند باتیں ذیل میں اختصار کے ساتھ درج کی جاتی ہیں۔

ایک معاصر محقق لکھتے ہیں: ''اسلامی تہذیب کو پھیلانے میں صلیبی جنگوں نے بڑی مدد کی۔ اندازاً دو سو برس تک لاکھوں صلیبی مصر، فلسطین، ایشیائے خورد اور شام میں آکر اسلامی تہذیب و تمدن سے متاثر ہوتے رہے۔صلیبیوں نے پہلی جنگ 1196ء میں یروشلم میں کیا تھا اور یہاں اُسی برس تک حاکم رہے۔ پہلا بادشاہ عربی لباس پہنتا تھا، اس نے مسلمانوں کی طرح جابجا حمام قائم کیے اور شفاخانے بنائے، یورپی مشنری عربی سیکھنے لگے۔ سامانِ جنگ میں گھوڑوں کی زرہ، تیر، طبل اور بارود کا اضافہ ہوا۔ کبوتروں کے ذریعے پیغام رسانی شروع ہوئی، محاصرہ کے عربی طریقے، نیز مشرق کے پودے اور کاشت کے طریقے، لذیذ کھانے مثلاً پلاؤ، قورمہ، حلوہ، چٹنیاں، اعلیٰ لباس، عطریات، مسالے، مشروبات، شکر نکالنے کی

ترکیب اور دیگر متعدد اشیا مشرق سے مغرب میں پہنچیں۔ وہاں فرنیچر، برتن اور عمارتیں مشرقی طرز کی بننے لگیں۔ آرٹ نقاشی یہاں تک کہ جلد بندی پر بھی اسلامی رنگ چڑھ گیا۔ دمشق اور شام کی صنعت شیشہ سازی وینس میں قائم ہوئی، فرانس اور اٹلی میں ریشم بافی ہونے لگی۔ عرب رجز خوانوں سے متاثر ہو کر یورپ کے شعرا نے بھی رجز خوانی شروع کر دی اور لطف یہ کہ بحر، ردیف و قافیہ کے علاوہ تشبیہات و استعارات تک عربوں سے لیے گئے۔ وہیں اونٹ، آہو، ریت اور خارِ مغیلاں کا تذکرہ، وصل و فراق کے قصے اور حسب و نسب پر ناز، عربی ساز مثلاً بنسی، عود، رباب، طنبورہ اور گٹار بھی یورپ میں جا پہنچے۔ یوں عربوں کی شائستگی کا نور آہستہ آہستہ یورپ میں پھیلتا گیا یہاں تک کہ وہ جاہل اور وحشی لوگ ذہنی مشاغل میں حصہ لینے لگے۔ ان کے لباس چمک اٹھے اور وہ دنیا کی مہذب ترین قوم بن گئے''۔

3.10 اکتسابی نتائج

جب اندلسی حکمرانوں کے مظالم حد سے تجاوز کرنے لگے اور وہاں کی عوام اپنے حکمرانوں سے تنگ آ کر دوسرے ممالک کی طرف ہجرت کرنے لگی اسی دوران موسیٰ بن نصیر کا ایک سپہ سالار اندلس کی طرف بڑھا تو وہاں کی بعض عوام نے ان کا پُرتپاک استقبال کیا، اس سپہ سالار کا نام طارق بن زیاد تھا، جس نے بڑی بہادری اور جوانمردی کے ساتھ اندلس کو فتح کیا اور اسلامی حکومت قائم کی۔

اندلس میں مسلم حکمرانی سے پہلے یہ ایک ایسا ملک تھا جو نہایت پراگندہ، افراتفری کا شکار اور بیماریوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا، علمی ذوق وشوق کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔ لیکن جب اسلامی حکومت قائم ہوئی تو گویا اندلس کی تقدیر ہی بدل گئی اور وہاں اسلامی تہذیب وثقافت کا دور دورہ ہوا اور اسلامی تہذیب نے اندلس کے ہر خطہ کو اثر انداز کیا۔

مسلمانوں کے دورِ حکومت میں اندلس علم وفن کا مرکز بن گیا، زبان وادب، صنعت وحرفت، زراعت وتجارت کو غیر معمولی ترقی حاصل ہوئی۔ مسلم حکمرانوں نے اندلس کو فنِ تعمیر کے عجائبات سے بھر دیا۔ حکمرانوں کی علم دوستی اور سرپرستی نے اندلس کو علمی دنیا کا مرکز بنا دیا۔ عربی ادب میں خطوط نویسی، انشا پردازی کو خصوصی توجہ ملی اور اس فن کو اندلس میں کافی عروج حاصل ہوا۔

مسلمانوں کے آٹھ سو سالہ دور میں مذہبی علوم کے ساتھ ساتھ سائنسی علوم بھی ارتقا کے عمل سے گزرے۔ بے شمار مسلم سائنسدانوں نے دنیا کو اپنے سائنسی ایجادات اور تحقیقات سے روشناس کرایا۔ عہد اسلامی میں اندلسی سائنسدانوں نے سائنسی طریقِ کار کو بہتر انداز میں فروغ دیا اور علمِ ہیئت (astronomy)، علمِ ریاضی (mathematics)، علمِ طب (medical science)، علمِ نجوم (astrology)، علمِ کیمیا (chemistry)، علمِ نباتات (botany)، علمِ جغرافیہ (geography)، اسی طرح دیگر علوم وفنون مثلاً: سول انجینئرنگ (Civil engineering)، ہوائی جہاز (Aeroplane)، اسلحہ سازی (Ordnance)، کیمیکل ٹیکنالوجی (Chemical technology)، حرکی توانائی (Kinetic energy)، علم فلکیات (astronomy) علم المیقات (time keeping)، ٹیکسٹائل انجینئرنگ (Textile engineering) کاغذ سازی (Paper industry) اور بے شمار صنعتی علوم وفنون اس زمانے میں اندلس کی روز مرّہ زندگی کا حصہ ہوتے تھے۔ ان علوم وفنوں کی تحقیق وتدقیق میں ہزاروں علما اور دانشوران لگے رہتے تھے۔ اس کے علاوہ اندلس میں عقلی علوم کو بھی کافی ترقی ملی، اس فن کے نامور شہسوار اندلس کی ہی دین ہے۔

3.11 امتحانی سوالات کے نمونے

ا۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات تیس سطروں میں لکھیے۔

1 اندلس میں اسلامی تہذیب کی ابتدااور والیوں کے عہد میں اندلس کی تہذیبی حالات پر روشنی ڈالیے۔

2 اندلس میں اسلامی فن تعمیر پر ایک جامع نوٹ تحریر کیجیے اور اس کی مختلف عمارتوں کا تعارف تحریر کیجیے۔

3 مسلم دور کے اندلس کے ذرائع معاش کا تفصیلی جائزہ لیجیے۔

4 یورپ پر اسلامی تہذیب کے اثرات پر ایک جامع نوٹ لکھیے۔

ب۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات پندرہ سطروں میں تحریر کیجیے۔

1 مسجد قرطبہ کے حسن تعمیر کا بیان واضح لفظوں میں تحریر کیجیے۔

2 حکم ثانی کی لائبریری کی اہمیت وافادیت روشنی ڈالیے۔

3 اندلس میں کاغذ سازی کی صنعت پر ایک جامع نوٹ تحریر کیجیے۔

4 اسلامی دور کے اندلس میں عوامی فلاح وبہبود کی اسکیموں کا جائزہ تحریر کیجیے۔

5 اسلامی دور کے اندلس میں معاشرتی ترقیوں کے بارے میں اپنی معلومات تحریر کیجیے۔

3.12 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

1 الحضارة العربيه الإسلاميه — د. شوقي ابو خليل، دار الفكر المعاصر، بيروت، لبنان۔

2 تاريخ العرب وحضارتهم في الأندلس — خليل إبراهيم سامرائي، دار الكتب الوطنيه، بنغازي، ليبيا۔

3 تاريخ الشعوب الإسلاميه — كارل بروكلمان، دار العلم للملايين، بيروت، لبنان۔

4 الأندلس بوابة التواصل الحضاري العربي الإسلامي-الأوربي — شهاب احمد، جامعة الموصل۔

5 رسالہ فکرونظر اسلام آباد پاکستان-اندلس کی اسلامی میراث نمبر۔

اکائی 4 اندلسی ادب کی عمومی خصوصیات

اکائی کے اجزا

4.1 تمہید

4.2 مقصد

4.3 اندلسی شعر کی خصوصیات

4.4 موسیقی سے دلچسپی

4.5 اندلسی خاتون شعرا کی شعری خصوصیات

4.6 فطری مناظر پر شاعری اور اس کی خصوصیات

4.6.1 روضیات

4.6.2 زہریات

4.6.3 ثمریات

4.6.4 مائیات

4.7 موشحات اور اس کی خصوصیات

4.8 زجل اور اس کی خصوصیات

4.9 شعر گوئی اور اسلامی بحریہ

4.10 شعر گوئی اور سقوط اندلس

4.11 اندلس میں فنی نثر اور اس کی خصوصیات

4.11.1 اندلس میں ادبی تالیفات اور ان کی خصوصیات

4.11.2 اندلس میں قصہ نویسی

4.12 اکتسابی نتائج

4.13 کلیدی الفاظ

4.14 امتحانی سوالات کے نمونے

4.15 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

4.1 تمہید

اس اکائی میں یہ بیان کیا جائے گا کہ اندلسی ادب میں شعرا نے کن کن موضوعات پر شاعری کی ہے اور ان کے اشعار کی ادبی خصوصیات کیا کیا ہیں؟، یہ بھی بیان کیا جائے گا کہ اندلس میں نثری ادب پر کیا کیا کام ہوا ہے؟ اور اس کی ادبی خصوصیات کیا کیا ہیں؟۔

4.2 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلبہ اندلسی ادب اور اس کی ادبی خصوصیات سے واقف ہو جائیں گے۔

اندلسی ادب میں پائے جانے والے مختلف ادبی اصناف سے واقف ہوں گے۔

زہریات، مائیات اور اس جیسے منفرد اور اندلسی شاعری میں مستعمل موضوعات پر مطلع ہوں گے۔

4.3 اندلسی شعر کی خصوصیات

شعر کی قدر و منزلت اہل اندلس کے نزدیک بہت زیادہ تھی، جو شخص بھی شعر و شاعری سے شغف رکھتا تھا سماج میں اس کی بڑی قدر و منزلت ہوتی تھی، یہی وجہ ہے کہ اندلسی معاشرے میں مختلف مذاہب اور ادیان سے تعلق رکھنے والے شعر و شاعری کو اپنی عظمت اور مقام و مرتبہ حاصل کرنے کا ذریعہ بناتے تھے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اندلس میں غیر مسلم مرد شعرا اور خاتون شعرا نے بھی عزت و شہرت حاصل کی ہے، جیسے قسمونہ بنت اسماعیل، حمدونہ بنت زیاد، اندلس کے حکمرانوں کے دربار میں شعرا کی بڑی قدر و منزلت تھی، ان کے لیے وظائف مقرر ہوتے تھے، ایسے شعرا جن کی شاعری زیادہ پسند کی جاتی تھی، وہ امرا اور حکمرانوں کی عظیم الشان محفلوں میں شعر سناتے تھے اور خوب داد و تحسین وصول کرتے تھے۔

4.4 موسیقی سے دلچسپی

شروع شروع میں اندلس کا ایک اہم شہر قرطبہ موسیقی اور غنا کے لیے جانا جاتا تھا، لیکن بعد میں اس فن کی عظمت اور شہرت اشبیلیہ کی طرف منتقل ہو گئی، جب کہ قرطبہ علوم وفنون کی تعلیم و تدریس، ہنر اور پیشہ کی تربیت کے لیے مشہور ہو گیا اور اندلس میں یہ شہر علم وفن کا مرکز بن گیا، قرطبہ اور اشبیلیہ کے باشندوں کے درمیان رقابت سی ہو گئی، اہل قرطبہ اپنے شہر قرطبہ پر فخر کرنے لگے اور اشبیلیہ کے باشندے اس کی شہرت کی قسمیں کھانے لگے، حتی کہ رقیبانہ گفتگو کے درمیان قرطبہ کے ایک شخص نے اشبیلیہ کے شہری سے کہا: اشبیلیہ میں کسی عالم کا انتقال ہوتا ہے اور اس کی کتابوں کو فروخت کرنے کی نوبت آتی ہے تو انھیں قرطبہ کے بازار میں منتقل کر دیا جاتا ہے اور جب قرطبہ میں کسی گویّے کی موت ہوتی ہے تو اس کے آلات موسیقی کو فروخت کرنے کے لیے اشبیلیہ کے بازار میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ اندلس میں شعری ادب کی ایک خاص صنف موشحات کے ظہور کا پس منظر اہل اندلس کی گیت اور موسیقی سے دلچسپی ہے۔ اہل اندلس میں ظرافت اور مزاح کا ذوق بھی خوب پایا جاتا تھا، اہل ظرافت شعرا میں سے جو سب سے زیادہ نمایاں تھا اور جس نے ظرافت اور مزاح کے اشعار زیادہ کہے ہیں وہ خلف بن فرج الالبیری تھا جو سمیسر کے نام سے معروف تھا۔

4.5 اندلسی خاتون شعرا کی شعری خصوصیات

وادی الحجارۃ کی خاتون شعرا میں سے حفصہ الحجاریۃ ہے، اس کی شاعری میں لفظ کی لطافت، الفاظ کی عمدہ بندش اور شیریں اسلوب پایا جاتا

ہے، اسی نے پہلے اندلس میں غزل میں طبع آزمائی کی ہے، لیکن ذرا نرم لب ولہجہ میں لطافت کے ساتھ، باوقار انداز میں یعنی قدم پھونک پھونک کر رکھتے ہوئے، گویا وہ مستقبل کی خاتون شعرا کے لیے راہ ہموار کر رہی ہے۔ پھر ام العلاء بنت یوسف ہے، یہ اندلس کی خاتون شعرا میں پہلی شاعرہ ہے جو ذرا بلند حوصلگی کے ساتھ اشعار کہتی ہوئی نظر آتی ہے اس نے گویا عورت کی عظمت کو نمایاں طور پر بیان کیا ہے، اس کی شاعری میں عورتوں کی عظمت کے اظہار کے ساتھ ساتھ متوازن انداز میں لطافت اور نزاکت کا اظہار بھی پایا جاتا ہے، جنوب مشرق اندلس کے المریۃ شہر میں تین چار خاتون شعرا جو ہم عصر ہیں پانچویں صدی ہجری میں نظر آتی ہیں۔ غسانیہ، بجانیہ خوب صورت الفاظ اور شیریں اسلوب میں پاکیزہ اور صاف ستھری غزل کہتی ہے لیکن زینب المریۃ اس سے زیادہ بلند حوصلگی کے ساتھ اشعار کہتی ہے، یہ بالکل مردوں کی طرح غزل کہتے ہوئے شکوہ وشکایت کرتی ہے۔

اشبلیہ کی خاتون شعرا اندلس کی خاتون شعرا سے ذرا مختلف ہیں اور ان کی خصوصیات ہیں عفت، حیا، وقار اور عظمت وبڑائی، یہ درست ہے کہ شاعرہ قمر ابراہیم بن حجاج کے محل میں نازک اور لطیف قسم کے شعر پڑھتی تھی اور بہت ہی عمدہ لحن میں اور خوب صورت آواز میں، اسی کے ساتھ وہ کنیزوں کے ادب کی نمائندگی بھی کرتی تھی، وہ مشرق سے آئی تھی۔ جہاں تک ان خاتون شعرا کی بات ہے جو اشبلیہ ہی میں پیدا ہوئیں، تو ان میں سے ایک مریم بنت ابویعقوب ہے جس نے حکمرانوں کی پوری شوکت اور عظمت کے ساتھ تعریف کی، وہ سلیقہ مندی کے ساتھ شعر کہتی ہے، اس کی شاعری میں کوئی بناوٹ نہیں ہے۔ مریم کی طرح بثینہ بھی پروقار شاعری کرتی ہے، وہ قید وبند کی صعوبت بھی برداشت کرتی ہے اور شادی کے لیے اپنے والد سے اجازت طلب کرتی ہے بالاخر اسے اجازت مل جاتی ہے، چھٹی صدی میں اسماء العامریۃ بھی ہے، یہ بھی عفت وپاکدامنی میں اور پروقار شاعری میں مریم اور بثینہ کی طرح ہے۔

قرطبہ اندلس کی راجدھانی ہونے کے باوجود وہاں خاتون شعرا کی تعداد بہت کم نظر آتی ہے، لیکن عربی ادب کی تاریخ میں قرطبہ کی خاتون شعرا کی بڑی شہرت ہے اور ان کا مقام بہت بلند ہے، جیسے ولادۃ اور بجا طور پر اس کی شہرت کی ایک وجہ وزیر شاعر ابوالولید احمد بن زیدون ہے، لیکن اس کے باوجود ولادۃ کی شاعری میں گہرائی، غزل کی لطافت ونزاکت اور معنی کی قوت پائی جاتی ہے، اس کی ہجو فحش گوئی سے پر ہوتی ہے۔ اسی طرح عائشہ القرطبیۃ کی بھی عربی ادب کی تاریخ میں بڑی شہرت ہے، اس کا فن مشرق کے شعرا سے ملتا جلتا ہے، حالانکہ وہ قرطبہ کے ماحول میں پلی بڑھی، اس کے اشعار میں سلاست وروانی ہے، قوت اور متانت ہے، خواتین کی عظمت کا اظہار ہے، وہ برجستگی کے ساتھ شعر کہتی تھی، اس کی شاعری میں پاکیزگی اور سلیقہ اور تہذیب کی جھلک نظر آتی ہے۔ ام الھناء القرطبیۃ کے اشعار کم دستیاب ہیں، وہ غزل گوئی میں محتاط نظر آتی ہے، اس میں کنواریوں کی شرم وحیا کی پاکیزگی پائی جاتی ہے، وہ لطیف اور انوکھے اسلوب میں پاکیزہ شعر کہتی ہے۔

غرناطہ سے چار اہم خاتون شعرا ادبی افق پر آب وتاب کے ساتھ چمکتی ہیں، حمدونۃ بنت زیاد، اس کی بہن زینب بنت زیاد، نزھون القلاعیۃ، حفصہ بنت الحاج جو حفصہ الرکونیۃ کے نام سے معروف ہے۔ حمدونہ اندلس کی خاتون شعرا کے درمیان وہی مقام رکھتی ہے جو مقام اندلس کے شاعروں کے درمیان ابن خفاجۃ کو حاصل ہے، حمدونۃ محاسن فطرت کو بڑی عمدگی سے بیان کرتی ہے، چنانچہ اس کی شاعری میں شیرینی پائی جاتی ہے، وہ عشق ومحبت کا اظہار بڑے سلیقے سے کرتی ہے۔ نزھون کی شاعری میں فحش گوئی اور انحراف پایا جاتا ہے۔ چھٹی صدی میں غرناطہ میں ایک بڑی شاعرہ کا ظہور ہوتا ہے، جس کو ادبی دنیا حفصہ الرکونیۃ کے نام سے جانتی ہے، یہ عبدالمؤمن کی خواتین کی تعلیم وتربیت پر مامور تھی، عبدالمؤمن کا بیٹا اس شاعرہ کی محبت میں گرفتار ہوجاتا ہے، تاہم یہ شاعرہ خود وزیر ابوجعفر بن سعید سے محبت کرتی ہے، یہ اپنے محبوب کی محبت میں بہت کھل کر غزل کہتی ہے

جذبات کو برانگیختہ کرنے والے اشعار کہتی ہے، یہ عربی شاعری میں ایک نئے اسلوب کی شاعرہ ہے، اس کی شاعری میں روشن خیالی ہے، اسلوب میں جدت ہے اور عشق و محبت کا بیان ہے۔

الغرض یہ کہا جاسکتا ہے کہ اندلس کی خاتون شعرا نے اپنے لیے عربی شاعری میں وسیع جگہ بنائی ہے، انہوں نے بہت سے اصناف سخن میں شاعری نہیں کی ہے۔ ان کی شاعری زیادہ تر غزل، مدح، فطرت کے محاسن کے بیان اور فحش قسم کی ہجوگوئی پر مشتمل ہوتی ہے، ان میں سے بعض خاتون شعرا عفت و پاکدامنی اور ادبی لطافت، سلیقہ مندی جیسے اوصاف سے متصف ہے۔

4.6 فطری مناظر پر شاعری اور اس کی خصوصیات

اندلس میں اسلامی ریاست کافی عروج پر پہنچی ہوئی تھی خوش حالی اور علوم وفنون کی ترقی بلندی کو چھو رہی تھی، اللہ تعالیٰ نے اندلس کی سرزمین کو فطری محاسن اور حسن و جمال سے مالا مال کر رکھا تھا، شعرا اپنے اشعار میں فطری محاسن کو بڑے سلیقہ سے بیان کیا کرتے تھے، وہ انسانی زندگی کے مسائل کو بھی اپنی ادبی کاوشوں میں زیر گفتگو لاتے تھے۔

اندلسی ادب پر مشرق کی چھاپ نمایاں طور پر دیکھی جاسکتی ہے، چنانچہ مشرق اور مغرب کے درمیان علمی ادبی اور اقتصادی مقاصد کے لیے اسفار کثرت سے ہوا کرتے تھے، اندلس کی ادبی کتابوں میں ان ادبا اور شعرا کے بارے میں تذکرے ملتے ہیں جو مشرقی شعرا کی محفلوں میں شرکت کے لیے بغداد کا سفر کیا کرتے تھے یا اندلس کے بڑے شعرا کے اشعار سنانے کے لیے جاتے تھے، اندلسی شعرا کے دلوں میں بڑی آرزوئیں ہوتی تھیں کہ وہ اپنے وطن کو جائیں، وہ اکثر اپنے وطن کی یادوں میں رہتے تھے، وہ اپنے آباواجداد کو اور اپنے وطن کی چیزوں کو یاد کرتے تھے، وہ اپنے اشعار میں وطن عزیز کی یادوں کو متاثر کن انداز میں بیان کرتے تھے، اسی بنا پر اندلسی ادب پر مشرق کی چھاپ نظر آتی ہے اور اندلسی ادبا و شعرا مشرقی ادیبوں اور شاعروں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے نظر آتے ہیں، اندلس میں شعری فنون میں اس وقت پختگی آتی ہے جب کہ اس سے بہت پہلے مشرق میں شعری فنون اوج کمال پر پہنچے ہوئے تھے، اندلس میں فطری محاسن اشعار میں اس زمانے میں پیش کیے جارہے تھے، جب کہ حلب میں یہ فن اپنے عروج پر پہنچا ہوا تھا، یہی وجہ ہے کہ زہریات، مائیات اور ثلجیات وغیرہ کا ذکر اندلس میں پانچویں صدی ہجری میں نظر آتا ہے، جب کہ اس سے بہت پہلے حلب میں یہ فنون اپنی بلندی پر پہنچ چکے تھے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ پانچویں صدی سے پہلے شاعری میں فطرت کی عکاسی کی روایت اس سے پہلے بالکل نہیں تھی، چوتھی صدی میں کچھ ایسے شعرا ملتے ہیں جن کی شاعری میں محاسن فطرت کا بیان ہمیں ملتا ہے، لیکن اسے ہم اس راہ میں ابتدائی کوشش قرار دے سکتے ہیں، شعرا اور ادبا اکثر اجتماعی زندگی کی عکاسی کرتے ہیں یا وہ فطری محاسن کے ترجمان بن جاتے ہیں، اندلس کی سرزمین کو قدرت نے فطری محاسن سے آراستہ کر دیا ہے، چنانچہ اندلسی ادب میں وہاں کے فطری محاسن کا تذکرہ بہتر طور پر نظر آتا ہے، جس میں مبالغہ کی بجائے حقیقت بیانی نظر آتی ہے۔

4.6.1 روضیات

محاسن فطرت کا شاعر جب فطری محاسن کو بیان کرتا ہے تو اس مقصد کے لیے وہ ہر اس منظر کو موضوع گفتگو بناتا ہے جو مجموعی طور پر فطرت کے حسن و جمال کو نمایاں طور پر ظاہر کرتا ہے، شاعر فطرت جب فطری محاسن کو ڈھونڈتا ہے تو اسے یہ نظر آتا ہے کہ ہر طرف مختلف اقسام کے رنگ ہیں،

نوع بنوع کے اور رنگ برنگ کے پھول ہیں، ہمہ اقسام کے پیڑ پودے ہیں، ہرے اور سبز خوب صورت پتے ہیں جن کا حسن و جمال نگاہوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے، پتلی پتلی شاخیں ہیں، جو الگ الگ قدرتی ہیئت پر پھیلی ہوئی ہیں، بہتی ہوئی نہر ہے، جس کا صاف وشفاف پانی ماحول کی خوب صورتی میں اضافہ کر رہا ہے، فضا صاف اور معتدل ہے، قسم قسم کے خوب صورت پرندے درخت کی ٹہنیوں پر چہچہا رہے ہیں۔

اندلس ان تمام محاسن فطرت سے مالا مال ہے اور اندلسی شعرا ان تمام محاسن کو بڑی خوبی سے اپنے اشعار میں بیان کرتے ہیں اور اس کے لیے وہ خوب صورت تشبیہ اور استعارہ سے کام لیتے ہیں۔ شیریں الفاظ اور عمدہ ترکیب استعمال کرتے ہیں، سننے والے کان آواز کی مٹھاس اور موسیقیت سے لطف اندوز ہوتے ہیں، ابو الصلت امیۃ بن عبد العزیز اشبیلی پانچویں صدی کے وسط میں اشبیلیہ میں پیدا ہوتا ہے اور اندلس کے تمام اطراف کا سفر کرتا ہے، وہ شمالی افریقہ اور مصر کا سفر کرتا ہے، جمالِ فطرت اسے اس قدر برانگیختہ کر دیتا ہے کہ جب وہ اپنے اشعار میں فطری محاسن کو بیان کرتا ہے۔ تو محسوس ہوتا ہے کہ وہ گویا ایک ماہر مصور ہے جس نے فطری محاسن کو الفاظ وترکیب کے عروسی لباس سے آراستہ کر دیا ہے، فطری محاسن کو بیان کرنے والے شعرا میں اندلس میں سب سے نمایاں نام ابن خفاجہ کا ہے اور پھر اس کے بعد ابن الزقاق کا نام آتا ہے بارش کے بعد پہاڑی ٹیلوں کو دیکھ کر ابن زقاق خود پر قابو نہیں رکھ پاتا ہے اور اس خوب صورت منظر کی عکاسی اپنے اشعار کے ذریعہ کرتا ہے اور فطری بات ہے کہ بارش کے بعد باغ کے خوب صورت منظر سے زیادہ خوب صورت منظر اور کون سا ہو سکتا ہے؟ ابن خفاجہ ایک درخت کے نیچے ٹھہرتا ہے اور اس درخت کے محاسن کو اور ماحول کی خوب صورتی کو بڑے انوکھے اسلوب میں بیان کرتا ہے۔

4.6.2 زہریات

اندلسی شعرا نے خوب صورت پھولوں کے بارے میں اشعار کہے، ان کے یہاں کسی مخصوص پھول کے بارے میں کثرت سے اشعار پائے جاتے ہیں جیسا کہ فطری محاسن کو بیان کرنے والے حلب کے شعرا کرتے ہیں۔ انہوں نے گلاب، نرگس، نیلوفر اور یاسمین وغیرہ کے محاسن بیان کیے ہیں، البتہ اندلسی شعرا نے پھولوں کے محاسن بیان کرنے کے لیے محفلوں کا انعقاد نہیں کیا ہے، یعنی اجتماعی طور پر پھولوں کے محاسن بیان کرنے کے لیے کوئی مقابلہ کی مجلس منعقد نہیں کی ہے، ابن حمدیس ایک پھول کو مرجھاتا ہوا دیکھ کر اس پر افسوس کرتے ہوئے اپنے دلی جذبات کا اظہار کرتا ہے، جب وہ دیکھتا ہے کہ پھول خوب صورت تو ہے لیکن خوشبو سے خالی ہے تو وہ اس کی ہجو بھی کرتا ہے، اندلس میں گلاب کا پھول کثرت سے پایا جاتا ہے، اسی وجہ سے اندلسی شعرا نے جس قدر اشعار گلاب کے بارے میں کہے ہیں اتنے اشعار دوسرے پھولوں کے بارے میں نہیں کہے، حکمراں کا ایک بیٹا ابو الولید اسماعیل بن حبیب نے ایک گلاب اپنے والد کو بھیجا اور پھر اس گلاب کے محاسن بیان کرتے ہوئے اپنے ممدوح کے بھی محاسن بیان کیے، اندلسی شعرا نے نرگس کے بارے میں زیادہ اشعار نہیں کہے، البتہ یاسمین کے بارے میں یہاں زیادہ اشعار ملتے ہیں، شعرا کے یہاں نلوفر کی بڑی اہمیت ہے، اندلسی ادیبوں نے بھی اسے پسند کیا ہے، معتمد بن عباد اس کے محاسن بڑی مہارت کے ساتھ بیان کرتا ہے۔

4.6.3 ثمریات

یہ بات غیر فطری ہوگی کہ اندلسی شعرا باغات اور پھولوں کے محاسن کو بیان کریں اور میٹھے خوش رنگ اور شیریں پھلوں کا ذکر نہ کریں، اندلسی شعرا نے باغات اور پھولوں کے محاسن بیان کرنے کے ساتھ ساتھ خوش رنگ اور خوش ذائقہ پھلوں کے محاسن بھی بیان کیے ہیں۔ سیب، نارنگی اور انار

وغیرہ جیسے پھلوں کا تذکرہ اندلسی شعرا نے اپنے اشعار میں کیا ہے، گو باغات اور پھولوں کے مقابلہ میں پھلوں کا تذکرہ کم ہی ملتا ہے، نارنگی کا رنگ بہت خوش نما ہوتا ہے جب وہ درخت کی شاخوں پر لگا ہوتا ہے تو دیکھنے والوں کو مسحور کر دیتا ہے اور اسی وجہ سے شعرا کی نظر میں یہ پھل زیادہ ہی پر کشش اور جاذب نظر مانا جاتا ہے ابن خفاجہ نے اپنے خاص اسلوب میں نارنگی کے اوصاف بیان کیے ہیں، شاعر احمد بن محمد نے انار کے اوصاف بیان کیے ہیں، ایک شاعر احمد بن شقاق کی نظر جب کالے انگور پر پڑی جو سبز پتوں میں چھپا ہوا تھا، تو اس نے اس خوب صورت منظر کو اپنے ذریعہ ادبی ذوق کے سانچے میں ڈھال دیا۔

4.6.4 مائیات

اندلس کی خوب صورتی، اس کی شادابی اور خوش حالی ان نہروں کی مرہون منت ہیں جو اندلس کے شہروں کے اطراف سے گذرتی ہیں، یہ نہریں اندلس شہر کی خوب صورتی میں چار چاند لگا دیتی ہیں، مشرق ومغرب اور شمال وجنوب، ہر طرف پانی کی برکات نظر آتی ہیں، خوب صورت باغات اور ان میں قسم قسم کے پھولوں کا تبسم، نہر کے صاف وشفاف پانی کی بدولت ہی ہے، ترقی یافتہ اندلس میں حکمرانوں نے نہروں کے پانی کو اپنے محلات تک کھینچ لایا ہے جو محلات کے اطراف میں باغات کی خوب صورتی کو جاذب نظر بنا دیتا ہے۔قرطبہ، اشبیلیہ اور غرناطہ کی سرسبز وشادابی ان ہی نہروں کی مرہون منت ہے۔ یہاں متعدد نہریں ہیں، جن سے چھوٹے چھوٹے تالاب وحوض نکلتے ہیں، جن سے مختلف باغات سینچے جاتے ہیں، جن کا پانی پرندوں کے لیے حیات بخش ہے اور جن سے اندلس کا سارا ماحول فطری محاسن سے معمور نظر آتا ہے۔محمد بن صارۃ الشنترینی ایک تالاب کی دلفریبی بہت خوب صورت پیرائے میں بیان کرتا ہے۔ابن حمدیس نے افریقہ میں متوکل بن اعلی الناس کے محل میں واقع ایک تالاب کے حسن کو بیان کیا ہے۔ابوعبداللہ محمد بن غالب البلنسی الرصافی نے نہروں کے حسن کو بڑی خوب صورتی سے بیان کیا ہے۔

نہروں کے کنارے پر آباد لوگ جب نہروں میں مد وجزر کے حسین مناظر دیکھتے ہیں تو وہ ان سے بہت لطف اندوز ہوتے ہیں اور یہ مناظر ان کے لیے بہت دلفریب ہوتے ہیں، ہر نہر میں مد وجزر نہیں ہوتا، لیکن اندلس کے اکثر نہروں میں مد وجزر کے مناظر دیکھے جاتے ہیں، نہروں میں مد وجزر کے یہ حسین مناظر، شعرا کے ادبی ذوق کو برانگیختہ کرنے کے لیے کافی ہوتے ہیں، چنانچہ اندلس کے شعرا نے نہروں میں مد وجزر کے حسین مناظر کو اپنے انوکھے ادبی اسلوب میں بیان کیا ہے۔ابوالحسن محمد بن سفر نے اشبیلیہ کی نہر میں مد وجزر کے دلفریب مناظر کو اپنی شاعری کے لطیف اور نازک اسلوب میں بیان کیا ہے، عبدالغفار بن ملیح الدوری نے بھی نہر میں مد وجزر کے حسین مناظر کو بیان کیا ہے اور اس نے کہا ہے کہ نہر کا پانی جزر کی حالت میں گویا اس بارش کی طرح ہے جو اپنے محبوب سے جدائی کا الم جھیل رہا ہے، یعنی وہ باغات سے دور ہے اور مد کی حالت میں نہر کا پانی گویا ٹہنیوں سے ملاقات کرتا ہے، الغرض اندلس میں فطری محاسن بیان کرنے والے شعرا نے نہر کے پانی کی مختلف کیفیات کو بہت ہی اچھے اسلوب میں بیان کیا ہے جس سے ان شعرا کے خیالات کی عکاسی ہوتی ہے ان کی طبیعت کی فیاضی، ان کے معانی کی وسعت اور ان کی باوقار شخصیت کا اظہار ہوتا ہے۔

4.7 موشحات اور اس کی خصوصیات

عربی شاعری میں یہ ایک نیا فن ہے، جو عربی غنائی شعر کی قسموں سے مختلف ہے، یہ وہ قصیدہ ہے جو کسی ایک قافیہ کی پابندی کے بغیر نظم کیا

جاتا ہے اور جو عام طور پر سات شعروں پر مکمل ہوتا ہے۔ ابن سناء الملک نے کہا کہ موشحات ایک مخصوص وزن پر منظوم کلام کا نام ہے، جس میں زندگی کے مخصوص حالات کی عکاسی کی جاتی ہے۔ اس فن کا ایجاد اندلس میں ہوا، موشحات کا موجد ابن خلدون کے بقول مقدم بن معافی القبری ہے، ابن بسام نے لکھا ہے کہ موشحات کا موجد محمد بن محمود ہے، لیکن راجح یہ ہے کہ موشحات کا موجد مقدم بن معافی ہی ہے، انیسویں صدی کے وسط میں موشحات عربی ادبی ذخیرے میں شامل ہوا، ایک ترقی یافتہ سماجی زندگی میں موشحات نے اپنی قدر و قیمت اور پہچان بنائی ہے، موشحات کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اوزان وقوافی کی آزادی ہے، اس میں نئے اوزان وقوافی پیش کیے گئے ہیں جو روایتی قصیدوں کے قافیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں، شروع شروع میں موشحات کا اصل موضوع غزل گوئی ہی رہا ہے، لیکن بعد میں اس میں مدح، ہجا اور تعریف وتوصیف جیسے دیگر موضوعات بھی شامل ہو گئے۔ ایک موشح میں ایک سے زیادہ وزن اور ایک سے زیادہ قوافی ہوتے ہیں، موشحات کے شعرا میں سے چند نام یہ ہیں: ابوبکر عبادہ بن ماء السماء عبادہ القزاز جو معتصم بن صمادح کے دربار کا شاعر تھا، ابن لبانہ، اعمی التطیلی (جو مرابطین کے عہد کا موشحات کا سب سے بڑا شاعر تھا) ابن البقی، ابن باجہ وغیرہ۔ ہر موشح کی بناوٹ اور ترکیب میں بنیادی طور پر سات اجزا شامل ہوتے ہیں: ۱۔ مطلع یا مذہب ۲۔ دور ۳۔ سمط ۴۔ قفل ۵۔ بیت ۶۔ غصن ۷۔ خرجۃ، موشحہ میں شعر عوامی زبان کے الفاظ کے علاوہ بعض عجمی الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں۔

اندلسی ادب کی ایک اہم خصوصیت اندلسی شاعری میں موشحات کا ظہور ہے، موشحات کا آغاز گیت کے لیے ہوا تھا، اسی وجہ سے شروع شروع میں موشحات کا مرکزی موضوع غزل ہی رہا، غزل اور گیت کو بہت حد تک شراب سے نسبت ہے، بلکہ شراب غزل اور گیت کہنے والے شعرا کی اولین پسند ہے، چنانچہ غزل اور شراب گویا ایک ہی موضوع ہو گئے، یہی وجہ ہے کہ اندلسی لوگ خوب صورت باغ میں یا بہتی ہوئی نہر کے ساحل پر غزل، گیت اور شراب کی محفل منعقد کیا کرتے تھے، اندلس فطری محاسن سے مالا مال سرزمین ہونے کے لحاظ سے اندلس کے لوگ جمالِ فطرت کے تذکرے سے لاتعلق نہیں رہ سکتے تھے، چنانچہ وہ موشحات میں غزل اور گیت کہنے کے ساتھ ساتھ فطری محاسن کو بھی بیان کرنے لگے اور پھر غزل اور گیت کے ساتھ فطری محاسن کا بیان بھی موشحات کے موضوعات میں شامل ہو گیا اور جب اندلسی ادب میں موشحات کو ایک مخصوص شعری فن کی حیثیت سے قبول عام حاصل ہو گیا تو وہ تمام شعری موضوعات کو موشحات میں بیان کرنے لگے۔ تعریف وتوصیف، عید کے موقع پر مبارکباد دینا، مرض سے شفا پانے، تصوف، مرثیہ، ہجو وغیرہ ان تمام مضامین کو موشحات میں جگہ ملنے لگی اور موشحات کے لیے موضوع میں کافی وسعت پیدا ہو گئی۔

موشحات کی ساخت عربی ادب کی عام شعری اصناف کے برعکس مختلف ہوتی ہے، ایک موشح میں متعدد اوزان اور متعدد قافیے ہوتے ہیں، گویا اس میں علم عروض کے اعتبار سے تنوع پایا جاتا ہے جس سے موسیقیت میں تنوع پیدا ہوتا ہے اور موسیقیت موشحات کی خاص پہچان ہے۔ ابن سناء موشحات کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں: موشح مخصوص وزن پر منظوم کلام کا نام ہے، یہ زیادہ تر چھ اقفال اور پانچ ابیات پر مشتمل ہوتا ہے اور اسے تام کہا جاتا ہے اور کبھی پانچ اقفال اور پانچ ابیات پر مشتمل ہوتا ہے اور اسے اقرع کہا جاتا ہے، تو تام وہ ہے جو اقفال سے شروع ہو اور اقرع وہ ہے جو ابیات سے شروع ہو۔

موشحات کی ساخت اور ان کے اجزا کچھ اس طرح ہیں:

(۱) مطلع یا مذہب (۲) دور (۳) سمط (۴) قفل (۵) بیت (۶) غصن (۷) خرجۃ

(۱) مطلع یا مذہب: موشحہ کے مطلع کو مذہب بھی کہا جاتا ہے، یہ عام طور سے دو یا چار مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے اور یہ موشحہ کا بالکل ابتدائی

حصہ ہوتا ہے۔

(۲) دور: یہ مطلع سے متصل اشعار کا مجموعہ ہوتا ہے، دور قسیمات کا مجموعہ ہوتا ہے یہ قسیمات کم سے کم تین ہوتے ہیں، یہ تین سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں، لیکن شرط ہے کہ باقی موشح میں بھی قسیمات اتنی ہی تعداد میں ہوں اور یہ مطلع کے وزن کے مطابق ہوں، لیکن قافیہ مختلف ہو۔

(۳) سمط: دور کے ہر مصرع کو سمط کہتے ہیں، کبھی سمط ایک ہی فقرہ سے بنا ہوتا ہے اور کبھی دو فقروں سے۔

(۴) قفل (اقفال): یہ دور سے متصل ہوتا ہے، اسے مرکز بھی کہتے ہیں، یہ موشح تام میں مطلع کے مانند ہوتا ہے یعنی یہ قافیے اور اغصان کی تعداد میں مطلع کے مشابہ ہوتا ہے، موشحہ میں اقفال کے لیے کوئی خاص تعداد شرط نہیں ہے، عام طور سے موشحہ میں پانچ اقفال ہوتے ہیں۔

(۵) بیت (ابیات): موشحہ میں دور اور اس سے متصل قفل کے مجموعے کو بیت کہتے ہیں۔

(۶) غصن (اغصان): مطلع، قفل اور خرجۃ کے ہر ایک مصرعہ کو غصن کہتے ہیں، ہر موشحہ میں اغصان، تعداد، ترتیب اور قافیہ میں برابر ہوتے ہیں، اغصان کی تعداد ہر موشحہ کے مطلع، قفل اور خرجۃ میں کم سے کم دو ہوتے ہیں۔

(۷) خرجۃ: موشحہ میں آخری قفل کو خرجۃ کہتے ہیں۔

اقفال اور خرجۃ کے بغیر منظوم کلام کو موشحہ نہیں کہا جا سکتا، خرجۃ کی دو قسمیں ہیں، ایک خرجۃ معربۃ یعنی جس کے الفاظ فصیح ہوں اور دوسرے خرجۃ زجلیۃ یعنی جس میں الفاظ عامی (عوامی) یا عجمی ہوں، چنانچہ موشحہ کے لیے دونوں قسموں میں سے خرجۃ زجلیۃ ہی کو زیادہ مناسب سمجھا گیا ہے۔

موشحات میں تفنن اور صنعت زیادہ پائی جاتی ہے، اس لیے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ان کے ہم وزن الفاظ ان کے معانی پر حاوی نظر آتے ہیں، یعنی موشحات میں الفاظ کی تزئین و آرائش اوزان وقوافی وغیرہ کی کثرت ہوتی ہے، جب کہ اس میں معانی میں سطحیت پائی جاتی ہے، یہ موشحہ کی عام علامت ہے، خاص طور سے موشحات کے ظہور کے ابتدائی دور میں، بعض شعرا کی موشحات میں غزل کی خصوصیات پائی جاتی تھیں، جیسے معانی کی وسعت، ندرت خیال، خیال کی پاکیزگی وغیرہ، چنانچہ ابراہیم بن سہل الاسرائیلی نے اپنی غزلوں سے لوگوں کو مسحور کر دیا کرتا تھا، جب وہ پانی میں غرق ہو کر فوت ہو گیا تو لوگوں نے اس کے بارے میں کہا: ''موتی اپنی اصل جگہ پر لوٹ گیا''، اس نے اپنی موشحہ میں نازک الفاظ استعمال کیے، عمدہ خیال اور شیریں معانی پیش کیے۔

وزیر، شاعر اور ادیب لسان الدین بن الخطیب ان شعرا میں سے ایک تھا، جس نے ابن سہل کی شاعری کی تقلید کرتے ہوئے ادب کی معنوی خوبیوں کو پیش کیا، اس نے غنی باللہ کی مدح میں اپنا مشہور موشحہ کہا ہے جس میں وہ نرم و نازک الفاظ استعمال کرنے کے ساتھ شیریں معانی پیش کیے، بعض شعرا نے خمریات سے متعلق اچھے اشعار کہے، یحیٰ بن بقی القرطبی ان میں سے ایک ہے جس نے شراب کے بارے، بہت اچھی شاعری کی، اس کی زندگی شراب و شباب اور موسیقی کے درمیان ہی گذری، اس نے لطیف اشعار اور شیریں موشحات پیش کیے ہیں۔

غزل کے مشہور شعرا میں سے جو موشحات کہتے ہیں اعمیٰ تطیلی ہے، اس کا ایک موشحہ، موشحات کا اعلیٰ نمونہ قرار دیا جاتا ہے، یہ واقعہ بھی نقل کیا جاتا ہے کہ اشبیلیہ میں موشحات کے شعرا کی ایک مجلس منعقد ہوئی، ہر ایک شاعر نے اپنی ایک موشحہ سنائی، پھر اعمیٰ التطیلی اپنی موشحہ سنانے کے لیے

آگے بڑھا اور سنانا شروع کیا، سارے شعرا گویا مسحور ہو گئے، ابھی اس نے اپنا موشحہ ختم بھی نہیں کیا تھا کہ ہر ایک شاعر نے اپنی موشحہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، یہ سوچ کر کہ اعمیٰ التطیلی کے موشحہ کے سامنے اس کے موشحہ کی کوئی حیثیت نہیں۔

ایک شاعر فلسفی ڈاکٹر ابوبکر محمد بن زُھر ہے، اس نے لمبی عمر پائی ہے، اس کی ابتدائی زندگی اندلس میں گذری اور زندگی کے باقی ایام مراکش میں، اس کا ایک موشحہ شراب کے بارے میں ہے، اس موضوع پر اس کا سب سے عمدہ کلام ہے، اس نے فطری محاسن کی منظرکشی کے لیے بھی موشحات کہے، جو بہت عمدہ ہیں، غرناطہ کے مضافات میں ایک خوب صورت تفریح گاہ کے بارے میں وزیر ادیب وشاعر ابوجعفر احمد بن سعید نے موشحہ کہا، جس میں اس نے فطری محاسن بیان کیے ہیں۔

فطری محاسن کے موضوع پر موشحہ کہنے والے شعرا میں سے ایک ابوالحسین بن مسلمۃ ہے (وفات ۵۸۵ھ) یہ اشبیلیہ میں پیدا ہوا اور وہیں اس نے سکونت اختیار کی، وہ علم وادب میں بڑا فضل وکمال رکھتا تھا اور فی البدیہہ اشعار کہتا تھا، اس کے الفاظ بہت عمدہ اور شیریں اور خیالات دلآویز ہوتے تھے، خاص طور سے اس وقت جب وہ مناظر فطرت اور خوب صورت باغات اور پھول اور نہروں کے پانی کا تذکرہ کرتا۔ ایک خوب صورت وادی، وادیٔ ریّہ کے بارے میں اس نے ایک موشحہ کہا۔ یہ وادی انجیر اور انگور کے باغات اور پانی کی نعمتوں سے مالا مال ہے، اس موشحہ میں الفاظ کی نزاکت اور ترکیب کی موزونیت اچھی طرح محسوس کی جاسکتی ہے۔

ادیب ابوالحجاج یوسف بن عتبہ اشبیلی (وفات ۶۳۶ھ) بھی فطری محاسن کے بارے موشحہ کہا کرتا تھا، اس نے اپنی موشحہ میں ایک باغ کے حسین مناظر بیان کیے ہیں، جس میں درختوں کی خوب صورت شاخیں ہیں اور ان شاخوں پر پرندوں کی چہچہاہٹ اور نغمگی ہے، فطری محاسن کے موشحہ کی خصوصیت کے لحاظ سے یہاں شراب کا تذکرہ بھی ہے۔

عربی شاعری کا سب سے نمایاں موضوع مدح سرائی ہے، اندلس میں موشحہ کے فن میں جب وسعت پیدا ہوگئی تو لازمی نتیجہ تھا کہ مدح سرائی کے باب میں بھی موشحہ اپنی آب وتاب دکھائے، ابن اللبانۃ نے معتمد بن عباد کی مدح سرائی موشحہ کے ذریعہ کی ہے، مدح کے باب میں سب سے مشہور موشحہ لسان الدین بن الخطیب (وفات ۷۷۶ھ) کا ہے، جو اس نے صاحب غرناطہ غنی باللہ کی تعریف میں کہا ہے۔

ابوعبداللہ بن زمرک جو لسان الدین بن الخطیب کے بعد امیر غرناطہ غنی باللہ کا وزیر بنا، اس نے کثرت سے موشحہ کہا ہے، خاص طور سے مدح میں اس نے زیادہ موشحہ کہا ہے، فصیح شاعری کے مقابلہ میں اس کی موشحہ کی شاعری زیادہ عمدہ اور شیریں ہوتی ہے، ابن زمرک نے مدح کے علاوہ مرض سے شفا پر مبارکباد اور عید کے موقع پر مبارکباد دینے اور غرناطہ جانے کے شوق وغیرہ کے بارے میں بھی کثرت سے موشحات پیش کیے ہیں۔

موشحات کا اصل موضوع دنیا کے محاسن اور لذات سے لطف اندوزی ہے، اس لیے موشحات کے لیے مرثیہ بالکل الگ موضوع ہے، لیکن اس کے باوجود موشحات کہنے والے شعرا نے مرثیہ بھی کہنے کی کوشش کی ہے، ابن حزمون نے مرثیہ میں موشحہ کہا ہے، اس نے ساتویں صدی کے اوائل میں ابوالحملات جو بلنسیہ میں 'الاعنۃ' کا قائد تھا، جسے اسپین کے عیسائیوں نے قتل کر دیا تھا، کے بارے میں موشحہ کہا، اس موشحہ میں اس نے ابوالحملات کے قتل پر حزن وملال کا اظہار کیا ہے، اس میں اس نے لفظی محاسن کو بہت اچھی طرح پیش کیا ہے۔

اندلس میں خوب صورت جغرافیہ، فطری محاسن، معاشی خوش حالی، ترقی، علوم وفنون اور تہذیب وثقافت کے مظاہر پائے جاتے ہیں، اندلسی شعرا زیادہ تر غزل، مدح، ہجو اور طبعی محاسن کی توصیف کیا کرتے ہیں، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ انہوں نے آخرت اور دنیا کی بے ثباتی کا تذکرہ بھی کیا

ہے، کیونکہ اندلس میں اہل تصوف اور زاہد بھی کثرت سے پائے جاتے تھے،بعض اہل تصوف نے تصوف کی اصطلاحات جیسے عشق، وجد وغیرہ کو بھی موشحہ میں بیان کیا ہے۔

4.8 زجل اور اس کی خصوصیات

زجل ایک خاص قسم کی شاعری ہے جو اندلس میں عربی ادب کا حصہ بنی، عربی ادب کی اصطلاح میں زجل عامی یعنی عوامی زبان میں کی گئی شاعری کو کہتے ہیں، اندلس میں زجل کہنے والے لوگ کثرت سے پائے جاتے ہیں، گو ان کی تعداد موشحات کہنے والوں کی تعداد کے مقابلہ میں کم ہے۔ زجل کہنے والوں میں سب سے زیادہ نمایاں نام ابوبکر محمد بن عیسی بن عبدالملک بن قزمان الاصغر کا ہے، زجل کے میدان میں اس کا رتبہ بہت بلند ہے۔ زجل کے بڑے شاعروں میں سے ایک احمد بن الحاج ہے، اہل اندلس اس کو ابن قزمان کا جانشیں قرار دیتے ہیں، دیگر زجل کہنے والے شعرا میں سے ابن غرلہ، ابن جحدر اشبیلی ، ابوزید الحداد البکا زور البلنسی ، ابوعبداللہ محمد بن حسون الحلا ، ابوعمر والزاھد، ابوبکر الحصار ، ابوعبداللہ بن خاطب ، ابوبکر بن صارم اشبیلی اور حسن بن ابونصر الدباغ ہیں، آخر الذکر نے زجل میں خصوصا ہجو گوئی میں بہت سے قصائد کہے، جس طرح شعرا کے دیوان ہوا کرتے ہیں، زجل کے بعض شعرا کے بھی دیوان ہیں، البتہ وہ سب زمانہ کے دست برد سے محفوظ نہ رہ سکے، سوائے ابن قزمان کی دیوان اور زجل کے متفرق نمونوں کے، اسی طرح زجل میں سب سے نمایاں موضوع غزل، لہو اور تفریح ہے، لیکن بعد میں تعریف و توصیف، ہجو اور مرثیہ وغیرہ بھی اس کا حصہ بن گئے۔

زجل کہنے والے شعرا نے اپنی شاعری میں صنعت لفظیہ کا استعمال زیادہ کیا ہے، زجل کا سب سے عمدہ قصیدہ جس میں طبعی محاسن کی منظر کشی کی گئی ہے احمد بن الحاج مد غلیس کا ہے، جس میں اس نے نازک خیالی، لطیف تشبیہات، شیریں استعارے اور محسنات بدیعۃ کا استعمال کیا ہے، زجل کہنے والے شعرا نے زیادہ تر طبعی محاسن اور شراب کے بارے میں گفتگو کی ہے، ابوبکر بن صارم الاشبیلی جس کا نام گمراہی اور بددینی کے لحاظ سے معروف ہے، اس نے خاص طور سے شراب کے بارے میں ایک زجل کہا ہے، زجل میں ہجو گوئی اہل اندلس کے لیے ایک فطری بات ہے، کیونکہ فصیح شاعری میں اندلسی شعرا نے بڑی شدت سے ہجو گوئی کی ہے اور زجل تو ہجو گوئی کے لیے زیادہ موزوں ہے اس لیے کہ اس میں عامی اور سوقیانہ الفاظ کی کثرت ہوتی ہے اور عوامی زبان میں ہجو گوئی کے لیے الفاظ وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں، لیکن اس کے باوجود ان کی ہجو گوئی میں ہلکی سی ظرافت اور لطیف نکتہ کی بھی آمیزش ہوتی ہے، ابوعلی الدباغ نے ایک ڈاکٹر کی ہجو میں زجل میں جو شاعری کی ہے وہ اسی قبیل سے ہے۔

زجل کی ساخت موشحات کی طرح فصیح شاعری کی ساخت سے مختلف ہے، لیکن موشحات کے مقابلہ میں اس میں بہت کم فرق پایا جاتا ہے، زجل کا آغاز ایک مذہب یا مطلع سے ہوتا ہے جو عام طور سے چار مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے اور اس کے بعد ''دور'' ہوتا ہے اور ہر دور ایک قفل پر ختم ہوتا ہے اور قفل کا قافیہ مطلع کے قافیہ جیسا ہوتا ہے اور ''ادوار'' میں سے ہر ''دور'' کا قافیہ ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے، دور عام طور پر تین قسیمات پر مشتمل ہوتا ہے، قسیمات کبھی مفرد ہوتے ہیں اور کبھی مرکب، جب یہ مرکب ہوتے ہیں تو دور چھ اسماط سے بنا ہوتا ہے، جب دور مفرد ہو تو قافیہ میں یکسانیت ضروری ہوتی ہے اور زجل عام طور سے ایک خرجہ پر ختم ہوتا ہے جو اقفال اور مطلع کے بحر و قافیہ پر ہوتا ہے۔ عربی ادب میں نقد کے ماہرین نے اس پر گفتگو کی ہے کہ کیا زجل عربی ادب میں فنی اعتبار سے ایک نئی صنف کا اضافہ ہے یا یہ رجعت پسندی کی علامت ہے؟ ایک

رائے کے مطابق یہ رجعت پسندی کا رجحان ہے، کیونکہ ادب میں ارتقائی عمل یہ ہے کہ عام لوگوں کو فصیح زبان سے ہم آہنگ کیا جائے نہ کہ انھیں عامی (عوامی) زبان پر قانع بنا دیا جائے۔

4.9 شعر گوئی اور اسلامی بحریہ

اندلس میں شعر گوئی کا ایک اہم موضوع اسلامی بحریہ ہے اور دوسرا موضوع اندلس میں مسلمانوں کی حکمرانی کا انحطاط اور زوال ہے، اسلامی بحریہ کا موضوع فتح ونصرت اور جنگی محاذ پر دل خوش کرنے والی کامیابیوں کے تذکرے سے عبارت ہے، جب کہ اندلس میں اسلامی حکومتوں کا زوال اور شکست کا بیان دل کو غمزدہ کرنے والا ہے، اندلس کے شعرا ان دونوں موضوعات کو اپنی شاعری میں بیان کرتے رہے ہیں، مشرقی ادب میں اسلامی بحریہ کا ذکر ملتا ہے، لیکن اندلس میں اسلامی بحریہ کا ذکر کسی قدر مختلف انداز میں نظر آتا ہے، کہتے ہیں کہ بہت بڑی نعمت جب چھن جاتی ہے تو اس کا غم بھی بڑا ہوتا ہے، اندلس میں مسلمانوں کی حکمرانی ایک عظیم حکمرانی تھی جس نے دنیا میں مسلمانوں کی عظمت وشوکت بڑھائی، علوم وفنون کے شعبہ میں ترقیات نے مسلمانوں کا سر فخر سے بلند کر دیا، اس لیے طبعی بات ہے کہ ایسی عظیم الشان حکمرانی جب زوال سے دوچار ہو جائے، ایک کے بعد ایک ترقی یافتہ شہر ہاتھ سے نکلتا چلا جائے تو یہ ضرور غم دل بڑھا دے گا۔ مشرقی ادب میں یہ بات معروف رہی ہے کہ شہروں اور حکومتوں کے زوال کا مرثیہ کہا جائے۔

عبدالرحمن اوسط نے اندلس میں اسلامی بحریہ کا آغاز کیا اور عبدالرحمن ناصر اور اس کے بیٹے الحکم المستنصر نے اسے مستحکم اور طاقتور بنایا، عبد الرحمن ناصر کے عہد میں تین سو کی تعداد میں جنگی کشتیاں تھیں، عہد بہ عہد اسلامی بحریہ کی قوت میں اضافہ ہوتا رہا اور خطے میں اس کا دبدبہ بڑھتا گیا، ابن خلدون کے بقول بحر ابیض میں مغرب کا سارا خطہ اسلامی بحریے کے زیر اثر آ گیا تھا۔

مشرق میں سب سے پہلے ابونواس نے امین کی کشتیوں کے اوصاف بیان کیے جو بغداد کے قریب دجلہ میں چلتی تھیں، لیکن یہ کشتیاں جنگی مقاصد کے لیے استعمال نہیں ہوتی تھیں، بلکہ یہ کشتیاں تفریحی مقاصد کے لیے استعمال ہوتی تھیں، مشرق میں اس سے پہلے جنگی کشتیوں کے اوصاف بیان کرنے والا مسلم بن ولید ہے جس نے بحری جنگ کے دوران کشتیوں کے اوصاف بیان کیے، جنگی جہاز کی تعریف میں مسلم بن ولید کا قصیدہ بہت عمدہ ہے، ابن ھانی، لسان الدین بن الخطیب، ابن حمدیس وغیرہ شعرا نے اندلسی بحریہ کے اوصاف اپنی شاعری میں بیان کیے ہیں۔

اندلس میں معتصم بن صمادح کے پاس بہت بڑا جنگی بحری بیڑہ تھا، اس بیڑہ نے اسلامی بحریہ کی تاریخ کو روشن کرنے میں بہت بڑا کردار ادا کیا۔ معتصم کی ایک بحری جنگ بہت مشہور ہے، باوجودیکہ یہ جنگ بہت سخت تھی مگر اس میں اس نے شاندار فتح حاصل کی، جس کی بہت شہرت ہوئی، شاعر ابن حداد نے اس بحری جنگ کے ہولناک حالات بیان کیے، اس نے بیان کیا کہ کس طرح یہ بحری فوج دشمنوں پر حملہ کرتی ہے اور دشمنوں کو ہلاک کرتے ہوئے ان پر رعب طاری کر دیتی ہے، ابن حداد نے اپنی شاعری میں عمدہ تشبیہات اور متاثر کن خیالات پیش کیے ہیں۔

لسان الدین بن الخطیب نے ابوعبداللہ ابراہیم بن نصر کی مدح میں ایک قصیدہ کہا، اس قصیدہ میں اس کے دوسو اشعار ہیں، ان میں سے کچھ اشعار اس نے اندلسی بحریہ اور بحری جنگوں کے بارے میں کہے ہیں، اس قصیدہ میں اس نے کثرت سے محسنات بدیعہ کا استعمال کیا ہے۔ ممدوح کو یہ قصیدہ اتنا پسند آیا کہ اس نے اس قصیدے کو قصر الحمراء پر لکھنے کا حکم دیا۔

ابن حمدیس اندلس کے ان شعرا میں سے ہے جو وصف بیانی پر اچھی قدرت رکھتا ہے، اس نے اپنی شاعری میں جنگی کشتیوں کے اوصاف بیان کیے ہیں، اس نے بحری جنگ کے مناظر کی عکاسی اس طرح کی ہے کہ اس جنگ کے بارے میں تصور کرنے والوں کے دلوں میں خوف پیدا ہوجاتا ہے، الفاظ کی شیرینی، ترکیب کی عمدگی اور تشبیہ کی نزاکت کو بھی اچھی طرح محسوس کیا جاسکتا ہے، ابن حمدیس نے سن ۵۱۲ھ میں اس جنگ کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

اندلسی شعرانے بحری بیڑوں اور بحری جنگوں ہی کا تذکرہ نہیں کیا ہے، بلکہ انہوں نے امن وامان کے حالات میں بھی بحری بیڑوں کے اوصاف بیان کیے ہیں، امن کے دنوں میں بحری بیڑوں کے قائدین بحری فوج کی نمائش پیش کرتے تھے اور بحری فوجی مشقیں کیا کرتے تھے، بحری فوج کی نمائش میں جنگی کشتیاں خوب سجائی جاتی تھیں اور بحری فوج کا پورا عملہ عمدہ فوجی لباس زیب تن کرتا تھا، بعدازاں پھر جنگی کشتیوں کو نقل وحرکت کرتے ہوئے پیش کیا جاتا تھا جن شعرانے اس تقریب کے حسین مناظر کو اپنی شاعری میں بیان کیا ہے ان میں سب سے زیادہ مشہور ابن اللبانۃ ہے، یہ معتمد بن عباد سے زیادہ قریب تھا، اس نے زیادہ تر بنوعباد کی مدح میں اشعار کہے اور جب بنوعباد کی حکمرانی کو زوال آیا تب اس نے اس پر بھی مرثیہ پیش کیا، جب معتمد بن عباد کی حکمرانی ختم ہوگئی تو یہ بھی اشبیلیہ سے کوچ کرگیا اور جزیرہ میورقہ کے حاکم مبشر العامری کے پاس چلا گیا اور اس کے خاص شعرا کے حلقے میں شامل ہوگیا، چنانچہ وہیں اس کی وفات ہوئی، اس نے مبشر کے بحری بیڑے کی فوجی مشق کی منظرکشی کی ہے اور نادر تشبیہات کا استعمال کیا ہے۔

4.10 شعر گوئی اور سقوط اندلس

اندلس کی سرزمین میں مسلمانوں کی عظمت وشوکت کی تاریخ آٹھ سو سال (۸۹۸۔۹۳ھ/ ۱۴۹۲۔۷۱۱ء) پر محیط ہے، یقیناً یہ عظمت و شوکت بہت بڑی ہے، لیکن یہ بھی المیہ ہے کہ جب اس کا سقوط ہوا اور ایک ایک کرکے تمام شہر میں ان کا اقتدار ختم ہوگیا تو اس سے بڑا کوئی زوال نہ تھا، کیونکہ اس زوال کے نتیجہ میں اندلس سے مسلمانوں کا تقریباً نام ونشان مٹادیا گیا، اس لیے زوال پر غم والم کی داستان بھی اپنے اندر بہت وسعت اور گہرائی رکھتی ہے، اندلس کے شعرانے بجاطور پر حزن وملال کی اس داستان کو محسوس کیا ہے اور اسے اپنی شاعری میں جگہ دی ہے، اندلس کے شہروں میں سے سب سے پہلے جو شہر مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکلا وہ طلیطلہ تھا، یہ مسلمانوں کے لیے پہلا بڑا صدمہ تھا، ان حالات کا تذکرہ شاعر عبداللہ بن الفرج الیحصبی جو ابن الغسال کے نام سے مشہور ہے، نے اپنی شاعری میں کیا ہے، بلنسیہ شہر اندلس کے خوب صورت اور ترقی یافتہ شہروں میں سے ہے، جب اس کا سقوط ہوا تو اس پر ابن خفاجہ، ابن اختہ المعروف بہ ابن الزقاق البلنسی، الرصافی وغیرہ نے اپنے اشعار میں غم اور حسرت کا اظہار کیا ہے۔

سب سے زیادہ مشہور قصیدہ جو سقوط اندلس پر کہا گیا ہے، قصیدہ نونیہ ہے جو ابوالطیب صالح بن شریف الرندی نے کہا ہے، یہ قصیدہ اپنی خوبیوں کے باوجود ابن عبدون کے قصیدہ کا چربہ معلوم ہوتا ہے، جسے ابن عبدون نے بنی المظفر (۴۸۹ھ) کے مرثیہ میں پیش کیا ہے اور ابن الابار السینیۃ کے قصیدے کا بھی چربہ معلوم ہوتا ہے جو اس نے بلنسیہ شہر کے سقوط کے موقعہ پر کہا تھا، اس قصیدہ میں سب سے پہلے اس نے زمانے کی شکایت کی ہے، زمانے کے فریب کو اجاگر کیا ہے اور پہلے زمانے میں جو بڑی بڑی حکومتیں زوال پذیر ہوئیں ان کا تذکرہ کیا ہے، دوسرے مرحلے میں

ابن الرندی نے خوب صورت شہروں کے یکے بعد دیگرے سقوط پر اپنی حسرت کا اظہار کیا ہے اور اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ گویا سقوط کے لیے ان شہروں کے درمیان مقابلہ ہو رہا ہو، اس موقعہ پر اس نے ایک ایک شہر کی خوبیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کی بدحالی اور ویرانی پر اپنے حزن وملال کا اس کیفیت کے ساتھ اظہار کیا ہے کہ گویا مایوسی کی سی کیفیت چھا جاتی ہے، اس کے بعد شاعر نے اپنے اس قصیدہ میں شمالی افریقہ میں رہنے والے مسلمانوں کو اہل اندلس کی مدد کے لیے ابھارا ہے اور ان کے اندر موجود اسلامی اخوت کے جذبوں کو بھی جگایا ہے۔ پھر شاعر اسی قصیدہ میں قوم کی ذلت ورسوائی کو بھی بیان کرتا ہے۔

جزائر کے مکتبہ میں محفوظ ایک مخطوطہ میں نامعلوم شاعر کا ایک طویل قصیدہ بھی پایا جاتا ہے جس میں اس کے ایک سو سے زائد اشعار موجود ہیں، شاعر اپنے اس قصیدہ میں سب سے پہلے اس بات پر اپنے درد وکرب اور حسرت وافسوس کا اظہار کرتا ہے کہ وطن عزیز لٹ چکا ہے، خوب صورت شہر ویران ہو چکا ہے، ہزاروں کی تعداد میں شہریوں کا قتل عام ہو گیا ہے۔ جوان، معصوم بچے، بوڑھے اور خواتین قتل کر دیے گئے ہیں، البتہ جنھوں نے عیسائیت قبول کر لی وہ قتل ہونے سے بچ گئے، مساجد کلیساؤں میں تبدیل کر دیے گئے، خواتین کی بے حرمتی کی گئی، معصوم نو عمر لڑکیوں کو دشمنوں نے اپنے قبضے میں لے لیا ہے، شیر خوار اور چھوٹے بچوں کی آنکھوں میں آنسو ہیں۔ غم، خوف اور اندیشے ہیں، شیر خوار بچہ اپنی ماں کی گود میں دم توڑ رہا ہے۔ اب نہ کوئی وطن رہا، نہ عزیز واقارب۔ نہ تجارت وکاروبار باقی رہا نہ محلات، نہ امن وامان رہا نہ زندگی کی کوئی امید، الغرض شاعر نے قصیدے میں تباہ حال اندلس کا المناک نقشہ کھینچا ہے جس میں عقل وشعور والوں کے لیے درس اور عبرت کا سامان ہے، قصیدے کے آخر میں اس نے اندلس کے مظلوم ومقہور لوگوں کی مدد کرنے کے لیے عالم اسلام کے مسلمانوں سے فریاد کی ہے اور ان کی غیرت دینی کو جگایا ہے۔

4.11 اندلس میں فنی نثر اور اس کی خصوصیات

اندلس میں نثر کی نشو ونما پر مشرقی ادب کا گہرا اثر پایا جاتا ہے، جس طرح اندلس میں شاعری مشرقی ادب کے نہج پر آگے بڑھی ہے، اسی طرح نثر بھی مشرقی ادب کے نہج پر ترقی کرتی ہوئے آگے بڑھی ہے، اندلس ایک اسلامی ثقافت وتمدن کا معاشرہ تھا، اس لیے یہاں کے اکثر خطبا اور مقررین کے خطابات میں قرآنی آیات جا بجا نظر آنا فطری امر تھا، چنانچہ وہ اپنی باتوں کو قرآن سے دلیل اخذ کر کے پیش کیا کرتے تھے، ان میں مسجع عبارت کی کثرت ہوتی تھی، وہ اطناب کو زیادہ پسند کرتے تھے، اندلسی نثر میں سب سے زیادہ نمایاں عنصر وہ سرکاری فرامین ہیں جو محررین لکھا کرتے تھے، سرکاری فرامین اور خطوط لکھنے والوں میں ابن المنذر، ابن جہور، ابن بسیل، ابن فطیس، ابن ابو عامر اور مصحفی قابل ذکر نام ہیں، بعض خواتین بھی حکام کے فرامین ومکاتیب لکھنے کا کام کرتی تھیں، جیسے مزنۃ خلیفہ ناصر کے مکاتیب لکھنے پر مامور تھی، جب کہ لبنیٰ خلیفہ المستنصر کی کاتبہ تھی، سرکاری فرامین میں سے ایک فرمان وہ ہے جو خلیفہ عبدالرحمن سوم نے لکھوایا تھا، جس میں اس نے اپنے تمام صوبوں کے امرا کے لیے یہ فرمان لکھا کہ اس نے اپنے لیے ''امیر المؤمنین'' کا لقب منتخب کر لیا ہے، لہٰذا حکومت کے امرا اور حکام انھیں اسی لقب سے مخاطب کیا کریں اور تمام خطبا کو بھی آگاہ کر دیں کہ وہ اپنے خطبوں میں اس بات کا خیال رکھیں۔

اندلس کے حکمراں ناصر اور قاضی منذر بن سعیدؒ کے درمیان ہوئی ایک بات چیت بھی منقول ہے جس میں خلیفہ ناصر اپنے مقربین اور ہم نشینوں کے درمیان اپنی کارکردگی بیان کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ اس نے بہت ہی شاندار گنبد بنوایا جس میں اس نے سونے اور چاندی سے تزئین

کاری کی ہے اور اسے خوب سجایا ہے، جو نگاہوں کو خیرہ کر رہی ہے، اس پر لوگوں کا کیا تاثر ہے؟ تو وہاں موجود لوگوں نے گنبد کی خوب صورتی کی خوب تعریف کی اور خلیفہ کو اس کے اس کارنامے پر خوب داد و تحسین سے نوازا، جب قاضی منذر بن سعیدؒ وہاں داخل ہوئے تو خلیفہ نے اپنے اس کارنامے پر ان کی رائے دریافت کی، تو انہوں نے اس کی تعریف کرنے کے بجائے اس ''کارنامہ'' کو شیطان کی ہمسری کرنے سے تعبیر کیا اور یہ کہ اس کام کے سبب وہ کافروں کی برابری کرنے والا ہوگیا، یہ سن کر ناصر نے ان سے پوچھا کہ تم نے مجھے کافروں کے برابر کیسے قرار دے دیا؟ اس کے جواب میں منذر نے کہا کہ تمہیں اللہ تعالی کا فرمان نہیں معلوم کہ اگر دنیا میں سارے لوگ ہی کفر کرنے لگتے تو اللہ تعالی کافروں کے گھروں کی چھت اور سیڑھیاں چاندی کے بنوا دیتا، مطلب یہ ہے کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی چیزوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں، یہ جواب سن کر خلیفہ ناصر بہت متأثر ہوا اور کہا کہ اللہ آپ کو جزائے خیر دے، آپ جیسے لوگ ہمیں زیادہ میسر ہوں، آپ نے جو بات کہی بالکل درست ہے۔

دیوانی تحریر لکھنے والوں کو کاتب کے نام سے جانا جاتا تھا، مثلاً یہ کہا جاتا تھا کہ فلاں کاتب بلیغ ہے، اس نوعیت کی تحریر کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں اختصار اور معنی کی وضاحت کا وصف نمایاں تھا، یہاں کہیں کہیں سجع کی رعایت بھی نظر آتی ہے، لیکن یہ غیر ارادی طور پر ہے، دیوانی تحریر کا ایک قدیم نمونہ وہ تحریر ہے جسے عبدالرحمن اول نے سلیمان بن الاعرابی کے نام لکھوایا تھا، آگے چل کر دیوانی تحریر کے فن میں ماہرین کی تعداد زیادہ پائی جانے لگی، ان ہی ماہرین میں ابن بردالاکبر، عبدالملک بن ادریس الجزری، ابن دراج القسطلی، ابن شھید، ابن حزم، حناط، ابن حیان المؤرخ، ابن زیدون ہیں، قابل ذکر ہے کہ اہل اندلس تحریری آثار میں زیادہ دلچسپی لیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

دیوانی تحریروں کی قبولیت کے زمانے میں ابن الجزیری، ابن البردالاکبر اور ابن الدراج وغیرہ، ابن المقفع، سھل بن الھارون اور جاحظ کے انشائیہ سے زیادہ متأثر نظر آتے ہیں، لیکن ابن حزمؒ کے بقول ابن الدراج خطبہ اور رسائل کے درمیان ایک خاص نوعیت کی بلاغت کے موجد نظر آتے ہیں، گویا ابن الدراج کے اسلوب پر یہ ایک لطیف رائے ہے، کیونکہ اس نے منذر بن سعید کے خطبہ کی بلاغت اور اندلسی رسائل کے اعلی نمونہ کی خصوصیات کو جمع کر دیا ہے۔

4.11.1 اندلس میں ادبی تالیفات اور ان کی خصوصیات

اس دور میں نثری ادب زیادہ تر تراجم کی صورت میں نظر آتا ہے، باضابطہ ادبی کتابوں میں سے ایک کتاب ''**العقد الفرید**'' ہے، یہ عربی ادب کے موضوع پر شہرۂ آفاق تصنیف ہے، اس کے مصنف احمد بن عبدربہ ہیں، یہ کتاب علمی اور ادبی دنیا میں کافی شہرت رکھتی ہے، یہ عرب کی تاریخ، شعر و ادب، اخلاق و آداب کے واقعات پر مشتمل ہے، اس میں علم بلاغت، عروض، موسیقی اور اخلاق و عادات کے بارے میں کافی تفصیل موجود ہے، یہ کتاب ایک ایسا ادبی ذخیرہ ہے جس میں بیش قیمت علوم و فنون پائے جاتے ہیں، اس کتاب کا بیشتر حصہ مشرقی ادب کے بارے میں ہے، بہت کم مواد اندلس کے بارے میں ہے، اسی وجہ سے صاحب بن عباد نے اس کتاب کے بارے میں کہا تھا: **هذه بضاعَتُنَا رُدَّتْ إلينا** ''یہ سرمایہ ہمارا ہے جو ہماری طرف لوٹا دیا گیا'' ابن عبدربہ کی نثر تکلفات سے پاک سادہ نثر ہے، یہ رواں اور واضح ہے، اس میں اقتباسات کی کثرت ہے۔

دوسری اہم کتاب ابن الشھید کی ''**التوابع والزوابع**'' ہے، اس کا دوسرا نام ''**شجرة الفكاهة**'' بھی ہے، لیکن یہ رسالہ مکمل صورت میں دستیاب نہیں ہے، اس کے بعض اقتباسات ابن بسام نے اپنی کتاب ''**الذخيرة**'' میں پیش کیا ہے، اس میں ابن شھید نے بیان کیا ہے کہ انسان میں جتنے قبیلے پائے جاتے ہیں، بعینہ اسی کے مثل جنات میں بھی قبائل پائے جاتے ہیں، وہ لکھتا ہے کہ سارے جنات قبیح صورتوں کے نہیں ہوتے، بلکہ

بعض اچھے اور بعض برے ہوتے ہیں، جیسے انسانوں کے اندر سبھی اچھے نہیں ہوتے ہیں، اسی طرح انسانوں کی طرح ان کے طبائع اور فطری صلاحیتیں بھی مختلف ہوتی ہیں، البتہ جنات کی دنیا ہماری دنیا کی طرح نہیں ہے، اسی طرح اس کی فضا ہماری فضا کی طرح نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود ان کی دنیا ہماری دنیا سے بہت زیادہ مختلف نہیں ہے، ہم وہاں دیکھتے ہیں کہ اونچے اونچے درخت ہیں، ان کی پھیلی ہوئی شاخیں ہیں، خوشبو بکھیرتے ہوئے خوب صورت پھول ہیں، باغات ہیں، فطری محاسن کے سارے سامان وہاں مہیا ہیں، جو ہماری دنیا میں نظر آتے ہیں، جنات کی دنیا کا مشاہدہ پہلے کس مقام سے کرنا چاہیے؟ اس سلسلہ میں وہ رائے دیتا ہے کہ سب سے پہلے خطبا سے ملاقات کرنا چاہیے، اس سے ان کی مراد نثر نگاروں سے ہے، کیونکہ جن سے وہ ملاقات کرنے والے ہیں وہ عبدالحمید کاتب، ابن المقفع، جاحظ اور بدیع الزماں کے پیروکار ہیں، اسی طرح اس کی ملاقات شعرا میں سے امرؤالقیس، طرفۃ بن العبد اور قیس بن الخطیم کے ہمزادوں سے ہوئی، اسی طرح ادبی تحریر کو وہ آگے بڑھاتا ہے، ابن شھید کے اس رسالہ میں ابو عامر نے اپنی تنقیدی رائے پیش کی ہے اور وسعت معلومات اور فطری صلاحیتوں کے درمیان مقابلہ آرائی کا نقشہ کھینچا ہے اور اس کی نظم اور نثر میں سے جو عمدہ ہے، اسے پیش کیا ہے، اس میں تخیلات ہیں، کسی قدر ظرافت ہے اور اس میں عجائبات کا بیان ہے۔

تیسری اہم ادبی کتاب **طوق الحمامة** ہے، اس میں متعدد ادبی فنون پائے جاتے ہیں، جو دیگر ادبی کتابوں سے اسے ممتاز کرتے ہیں، ایک بات یہ ہے کہ یہ کتاب محبت کے موضوع پر ہے اور اس کتاب کا مصنف ایک ایسا شخص ہے جو اندلس کے مشہور فقہا میں سے ہے، یعنی امام ابن حزم الاندلسیؒ، جس نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ دین کے دفاع کے لیے وقف کر دیا، وہ زندگی بھر فقہی مباحث پر مناقشہ کرتے رہے، دینی نوعیت کی اس مصروف ترین زندگی سے تھوڑا سا وقت فارغ کر کے انہوں نے اس موضوع پر خامہ فرسائی کی، انھیں اس بات کا احساس تھا کہ بعض تعصب پسند لوگ اس پر ناگواری کا اظہار کریں گے، اسی لیے اس موضوع پر قلم اٹھاتے وقت صاف طور پر یہ واضح کر دیا تھا کہ میرے بارے میں بدگمانی نہ کریں، ابن حزمؒ کے شیخ ابن داؤد اصبہانی نے کتاب الزہرۃ تحریر کی تھی، جس میں انہوں نے محبت کے منتخب اشعار جمع کیے تھے اور اس میں اپنے بعض اشعار بھی شامل کر دیے تھے، ابن حزمؒ نے مختلف موقعوں کی مناسبت سے اس کتاب میں اپنی غزلیں پیش کی ہیں، اس کتاب کا مقصد غزل کے اشعار جمع کرنا نہ تھا، بلکہ اصل مقصد یہ تھا کہ اس زمانہ میں اندلسی معاشرہ میں خود اپنی زندگی اور لوگوں کی زندگی کی حقیقی تصویر پیش کر دی جائے، اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب بعض پہلوؤں کے لحاظ سے خود نوشت سوانح ہے، انہوں نے یہ کتاب ایک زندۂ جاوید اسلوب میں لکھی ہے، الفاظ کے استعمال اور ترکیب میں سادگی اختیار کی ہے، ہر طرح کے تکلف اور بناوٹ سے اجتناب کیا ہے۔

ابن حزمؒ نے اہل اندلس اور بالخصوص علما کی عظمت پر ایک رسالہ تحریر کیا، جو "**رسالة في فضل الأندلس و ذكر رجالها**" کے نام سے معروف ہے اور بسا اوقات اس رسالہ کو "**بيان فضل الأندلس و ذكر علمائه**" کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے، سب سے مشہور کاتب ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی القرطبی (وفات ۴۵۶ھ) ہیں، روایت ہے کہ انہوں نے چار سو تالیفات چھوڑی ہیں، ان کی مشہور تالیفات: **الفصل في الملل والأهواء والنحل، الإحكام في أصول الأحكام، جمهرة الأنساب، لاناسخ والمنسوخ، المحلي، طوق الحمامة** وغیرہ ہیں۔

4.11.2 اندلس میں قصہ نویسی

اندلس کے بعض ادیبوں نے نثر نویسی میں قصہ کا بڑا اہتمام کیا ہے، گرچہ جس قدر اہتمام اندلس میں موشحات اور قصیدوں کو ملا ہے اتنی اہمیت

قصہ نویسی کو نہیں ملی، اندلس میں قصہ نویسی کرنے والوں میں سے ابو عامر بن شُھید الشاعر الکاتب الاندلسی ہے، ابو عامر نے جو قصے لکھے ہیں اس نے ان کو ''التوابع والزوابع'' کا نام دیا ہے، یہ طویل قصہ ہے، لیکن اس کا اکثر حصہ محفوظ نہیں رہا، مشرق عربی میں مشہور قصہ نویس بدیع الزماں کے نزدیک قصہ نویسی کا اصل محرک معاشرتی زندگی کی تصویر پیش کرنا ہے، لیکن ابن شھید کے نزدیک اس کا محرک شخصی نوعیت کا ہے، جب اس نے دیکھا کہ اندلس میں بڑے ادیبوں کے درمیان اس کی خاطر خواہ پذیرائی نہیں ہو رہی ہے تو اس نے قصہ نویسی شروع کر دی اور بہت حد تک وہ اپنے مقصد میں اس وقت کامیاب بھی ہوا، جب بڑے ادیبوں کی طرف سے اس کی ادبی کاوشوں کا اعتراف کیا گیا۔ ابن شھید موضوع، فکر اور اسلوب کے اعتبار سے مقامات بدیع الزماں سے بہت حد تک متأثر نظر آتا ہے۔

اندلس میں ''قصة حي بن يقظان'' کی بڑی شہرت رہی ہے، یہ قصہ اہل فکر و فلسفہ کے یہاں قرون وسطی میں بڑی فکری کاوشوں میں سے ایک ہے، نہ صرف عربی ادب کے لحاظ سے بلکہ عالمی ادب کے لحاظ سے بھی یہ قصہ ادبی ہونے سے زیادہ فکری ہے، کیونکہ اس قصہ میں کچھ فکری اصول متعین ہیں اور اسی دائرے میں یہ قصہ آگے بڑھتا ہے، اس قصہ کو لکھنے والے ایک مکتبۂ فکر سے نسبت رکھتے ہیں، جس کا اپنا ایک فلسفہ ہے اور جس کے کچھ اصول و مبادی اور اہداف و مقاصد ہیں۔ قصة حي بن يقظان کے مؤلف ایک بڑے فلسفی ہیں جو اسلامی فلسفہ کے دائرے میں کام کرتے ہیں، ان کا نام ابو بکر محمد بن عبد الملک بن محمد بن محمد بن طفیل القیسی ہے، قبیلہ قیس کی طرف منسوب ہیں، کبھی انھیں اندلسی اور کبھی قرطبی کہا جاتا ہے اور کبھی اشبیلی بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ انہوں نے ان تینوں شہروں میں سکونت اختیار کی تھی، ابن طفیل نے ابن سینا کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے تھے اور ان کے افکار سے وہ متأثر ہوئے تھے، وہ سلطان ابو یعقوب یوسف کے وزیر اور اس کے طبیب خاص تھے، جو موحدین کے حکمرانوں میں سے ایک ہیں۔

ابن طفیل نے ایک نوجوان مفکر یعنی ابن رشد کو دریافت کر لیا اور اسے سلطان کے دربار میں رسائی دے دی، سلطان نے چاہا کہ ارسطو کی کتابوں کا ترجمہ ہو جائے، چنانچہ ابن رشد نے ارسطو کی کتابوں کا ترجمہ عربی میں کر دیا اور ان ہی کتابوں کی وجہ سے ابن رشد کو شہرت ملی اور دنیا میں ایک بڑے مسلم فلسفی کے طور پر وہ مشہور ہو گئے، مسلم فلاسفہ نے اہل یورپ کو فلسفہ کے مبادیات سکھائے، ان مسلم فلاسفہ کی کتابیں کئی سو سال تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی رہیں، ابن طفیل صرف ایک ماہر طبیب اور علم و فضل کے مالک فلسفی ہی نہیں تھے بلکہ وہ ایک بہت بڑے ادیب اور ایک اچھے شاعر بھی تھے، وہ شعرا اور ادبا کی سرزمین وادی آش کے رہنے والے تھے۔

4.12 اکتسابی نتائج

قرون وسطی میں مسلمانوں کی حکمرانی کا زمانہ علوم و فنون کی ترقی اور معاشی خوش حالی کا زمانہ ہے، یہاں کے لوگ ہمہ نسل و خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور مختلف مذاہب و عقائد کو مانتے تھے۔ عرب مسلمان، بربر، مقامی آبادی، یہود اور عیسائی لوگ یہاں آباد تھے، اندلسی ادب پر مشرقی ادب کی چھاپ صاف طور پر نظر آتی ہے، شاعری میں بھی اور نثر میں بھی، اندلس کا مشہور شہر قرطبہ، علم و فن میں شہرت رکھتا تھا، جب کہ اشبیلیہ موسیقی اور گیت میں مشہور تھا، اہل اندلس شعر و ادب سے خاص دلچسپی رکھتے تھے، یہاں خواتین نے بھی شعر و ادب میں اپنی خدمات پیش کی ہیں۔ حفصہ الحجاریة نے سب سے پہلے اندلس میں غزل گوئی شروع کی، اس کی شاعری کی خصوصیت الفاظ کی عمدہ بندش اور شیریں اسلوب ہے، ام العلاء

قدرے بلند حوصلگی کے ساتھ شاعری کرتی ہوئی نظر آتی ہے،اس کی شاعری میں لطافت ونزاکت اور عورتوں کی عظمت کا اظہار ہے، اندلس کے جنوب مشرق میں المریۃ شہر ہے، یہاں پانچویں صدی میں تین ہم عصر خاتون شعرا ہیں ،غسانیۃ ، بجانیۃ اور زینب المریۃ،ان میں زینب المریۃ سب سے زیادہ بلند حوصلگی کے ساتھ غزل کہتی اور مردوں کی شکوہ وشکایت مردوں کی طرح کرتی ہے۔

اشبلیہ کی خاتون شعرا میں عفت، حیا، وقار اور عظمت وبڑائی ہے، تاہم ایک شاعرہ قمر، ابراہیم بن حجاج کے محل میں نازک اور لطیف قسم کے اشعار بڑی خوب صورت آواز اور عمدہ لحن میں پڑھتی ہے، لیکن یہ اصل میں کنیزوں کے ادب کی نمائندگی کرتی ہے،مریم بنت ابو یعقوب نے حکمرانوں کی تعریف کی، لیکن پوری شوکت وعظمت اور سلیقہ مندی کے ساتھ،اس کی شاعری میں کوئی تصنع اور بناوٹ نہیں ہے،بثینہ بھی پر وقار شاعری کرتی ہے، وہ قید وبند کی صعوبت برداشت کرتی ہے،چھٹی صدی میں اسماء العامریۃ بھی عفت و پاکدامنی اور پر وقار شاعری میں مریم اور بثینہ کی طرح ہے۔

قرطبہ شہر کی خاتون شعرا میں سے ولادۃ ہے،اس کی شہرت کی ایک اہم وجہ وزیر شاعر ابوالولید احمد بن زیدون ہے،ان دونوں کے درمیان عشق ومحبت کی بہت شہرت ہے، تاہم ولادۃ کی غزل میں لطافت ونزاکت ،معنی کی قوت اور گہرائی پائی جاتی ہے، نیز اس کی ہجو بہت فحش آمیز ہوتی ہے، عائشۃ القرطبیۃ بھی عربی ادب کی تاریخ میں بہت شہرت رکھتی ہے، اس کے اشعار میں سلاست وروانی ہے،قوت ومتانت ہے،خواتین کی عظمت کا اظہار ہے، پاکیزگی اور سلیقہ وتہذیب کی جھلک ہے،ام الھناء القرطبیۃ کے اشعار کم دستیاب ہیں،اس کے اشعار میں لطافت ہے یہ انوکھے اسلوب میں پاکیزہ اشعار کہتی ہے۔

غرناطہ میں چار اہم خاتون شعرا ہیں، حمدونۃ بنت زیاد، اس کی بہن زینب بنت زیاد، نزھون القلاعیہ، (حفصۃ بنت الحاج جو حفصۃ الرکونیۃ کے نام سے مشہور ہے)،اندلس کی خاتون شعرا میں حمدونۃ کا وہی مقام ہے جو اندلس کے شاعروں میں ابن خفاجہ کا ہے،حمدونہ محاسن فطرت کو بہت عمدگی سے بیان کرتی ہے،اس کی شاعری میں مٹھاس ہے،نزھون کی شاعری میں فحش اور انحراف پایا جاتا ہے۔حفصہ الرکونیہ حاکم وقت عبدالمؤمن کی خواتین کی تعلیم وتربیت پر مامور تھی،اس کا بیٹا اس کی محبت میں گرفتار ہوجاتا ہے لیکن شاعرہ خود وزیر ابوجعفر بن سعید سے محبت کرتی ہے، یہ جذبات کو برانگیختہ کرنے والے اشعار کہتی ہے،اس کی شاعری میں روشن خیالی ہے،اسلوب میں جدت ہے،عشق ومحبت کا بیان ہے۔

اندلس کو اللہ تعالیٰ نے فطری حسن وجمال سے نوازا ہے۔قرطبہ،غرناطہ اور اشبیلیہ اندلس کے مشہور شہر ہیں جو فطری محاسن سے مالا مال ہیں، اندلس کے مرد وزن شعرا نے اپنی شاعری میں فطری محاسن کو بڑی خوبی سے بیان کیا ہے، چوتھی صدی میں کم ہی شعرا ایسے ہیں جنھوں نے فطری محاسن پر شاعری کی ہے،فطری محاسن کو بیان کرنے والوں میں سب سے زیادہ نمایاں نام ابن خفاجہ کا ہے، پھر ابن الزقاق ہے،فطری محاسن بیان کرنے والے دیگر شعرا میں سے ابن حمدیس،معتمد ابن عباد، ابوعبداللہ محمد بن غالب البلنسی الرصافی، ابوالحسن محمد بن سفر اور عبدالغفار بن ملیح الدوری ہیں۔

موشحات عربی ادب میں ایک نیا فن ہے، یہ ایک مخصوص وزن پر منظوم کلام کا نام ہے،موشحات کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اوزان و قوافی کی آزادی ہے،اس میں جدید اوزان وقوافی پیش کیے جاتے ہیں جو روایتی قصائد کے قافیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں،موشحات کے شعرا میں سے چند نام یہ ہیں: ابوبکر عبادۃ بن ماء السماء عبادۃ القزاز، ابن لبانۃ، اعمی التطیلی ،ابن البقی ،ابن باجۃ وغیرہ۔ ہر موشح کی بناوٹ اور ترکیب میں بنیادی طور پر سات اجزا شامل ہوتے ہیں: ۱۔مطلع یا مذہب ۲۔دور ۳۔سمط ۴۔قفل ۵۔بیت ۶۔غصن ۷۔خرجۃ۔موشحہ میں شاعر عوامی زبان کے ساتھ بعض عجمی الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں،موسیقیت موشحات کی خاص پہچان ہے،موشحات میں تفنن اور صنعت زیادہ پائی جاتی ہے،موشحات میں الفاظ کی

تزئین وآرائش اوراوزان وقوافی کی کثرت ہوتی ہے اوراس میں معانی میں سطحیت پائی جاتی ہے،موشحات کہنے والے شعرا میں سے بعض یہ ہیں :ابراہیم بن اسہل الاسرائیلی، وزیرشاعرکاتب لسان الدین بن الخطیب، یحییٰ بن بقی القرطبی، اعمیٰ تطیلی ،ابوبکرمحمد بن زُھر، وزیرکاتب شاعرابوجعفر احمد بن سعید، ابوالحسین بن مسلمہ، ادیب ابوالحجاج یوسف بن عتبۃ اشبیلی ،ابوعبداللہ بن زمرک وغیرہ۔

زجل عربی زبان میں کہی گئی شاعری کو کہتے ہیں، زجل کہنے والوں میں سب سے زیادہ نمایاں نام ابوبکرمحمد بن عیسی بن عبدالملک بن قزمان الاصغرکا ہے، زجل کے میدان میں اس کا رتبہ بہت بلند ہے، زجل کہنے والے دیگرشعرا میں سے احمد بن الحاج، ابن غرلہ، ابن جحدراشبیلی ،ابوزید الحداد البکازورالبلنسی ،ابوعبداللہ محمد بن حسون الحلا ،ابوعمروالزاھد، ابوبکرالحصار، ابوعبداللہ بن خاطب ، ابوبکر بن صارم اشبیلی اورحسن بن ابونصر الدباغ ہیں، آخرالذکر نے زجل میں بہت سے قصائد کہے، زجل کہنے والے شعرا نے اپنی شاعری میں صنعت لفظیہ کا استعمال زیادہ کیا ہے، زجل کہنے والے شعرا نے زیادہ ترطبعی محاسن اورشراب کے بارے میں گفتگو کی ہے، زجل کی ساخت موشحات کی طرح فصیح شاعری کی ساخت سے مختلف ہے، لیکن موشحات کے مقابلہ میں اس میں بہت کم فرق پایا جاتا ہے۔

اندلس میں شعرگوئی کا ایک اہم موضوع اسلامی بحریہ ہے، مشرق میں سب سے پہلے جنگی کشتیوں کے اوصاف بیان کرنے والا مسلم بن ولید ہے جس نے بحری جنگ کے دوران استعمال ہونے والی کشتیوں کے اوصاف بیان کیے، جنگی جہاز کی تعریف میں مسلم بن ولید کا قصیدہ بہت عمدہ ہے۔ ابن ھانی، لسان الدین بن الخطیب، ابن حمدیس وغیرہ شعرا نے اندلسی بحریہ کے اوصاف اپنے اشعار میں بیان کیے ہیں، اندلس میں معتصم بن صمادح کے پاس بہت بڑا جنگی بحری بیڑہ تھا جس نے اسلامی بحریہ کی تاریخ میں بہت بڑا کردارادا کیا، اس کی ایک جنگ بہت مشہور ہے، شاعرابن حداد نے اس جنگ کے حالات بیان کیے، ابن حمدیس اندلس کے ان شعرا میں سے ہے جو وصف بیانی پر اچھی قدرت رکھتا ہے، اس نے اپنے اشعار میں جنگی کشتیوں کے اوصاف بیان کیے ہیں۔

شاعرعبداللہ بن الفرج الیحصبی نے اندلس کے شہرطلیطلہ کے سقوط کا تذکرہ اپنی شاعری میں کیا ہے، بلنسیہ شہراندلس کے خوب صورت اور ترقی یافتہ شہروں میں سے تھا، جب اس کا سقوط ہوا تو اس پر ابن خفاجہ، ابن اختہ، ابن الزقاق البلنسی ،الرصافی وغیرہ نے اپنے اشعار میں غم وحسرت کا اظہار کیا، سب سے زیادہ مشہور قصیدہ جو سقوط اندلس پر کہا گیا ہے، قصیدۃ نونیۃ ہے، جو ابوالطیب صالح بن شریف الرندی نے کہا ہے۔

اندلسی نثر میں سب سے زیادہ نمایاں عنصر وہ سرکاری فرامین ہیں جو محررین لکھا کرتے تھے، سرکاری فرامین اور خطوط لکھنے والوں میں ابن المنذر، ابن جہور، ابن بسیل، ابن فطیس ،ابن ابوعامر اور مصحفی قابل ذکر نام ہیں، کتابت کا ایک قدیم نمونہ وہ تحریر ہے جسے عبدالرحمن اول نے سلیمان بن الاعرابی کے نام لکھوایا تھا، آگے چل کر کتابت کے فن میں ماہرین کی تعداد زیادہ پائی جاتی ہے، جیسے ابن بردالاکبر، عبدالملک بن ادریس الجزری، ابن دراج القسطلی ،ابن شھید، ابن حزم، حناط، ابن حیان المؤرخ، ابن زیدون وغیرہ۔ دیوانی تحریروں کی قبولیت کے زمانے میں ابن الجزیری، ابن البردالاکبراورابن الدراج وغیرہ ابن المقفع، سھل بن الھارون اور جاحظ کے انشائیہ سے زیادہ متاثر نظر آتے ہیں۔

ادبی کتابوں میں سے ایک **العقد الفرید** ہے، اس کے مصنف احمد بن عبدربہ ہیں، ابن عبدربہ کی نثر تکلفات سے پاک اور سادہ نثر ہے ، یہ رواں اورواضح ہے، اس میں اقتباسات کی کثرت ہے۔ دوسری اہم کتاب ابن الشھید کی ''**التوابع والزوابع**'' ہے، اس کا دوسرا نام ''**شجرۃ الفکاھۃ**'' بھی ہے،، تیسری اہم ادبی کتاب **طوق الحمامۃ** ہے،، اس کے مصنف امام ابن حزم الاندلسیؒ ہیں، سب سے زیادہ مشہور مصنف ابو

محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی القرطبی (م ۴۵٦ھ) ہیں، روایت ہے کہ انہوں نے چارسو تالیفات چھوڑی ہیں، جن میں سب سے زیادہ مشہور: **الفصل في الملل والأهواء والنحل، الإحكام في أصول الأحكام، جمهرة الأنساب، الناسخ والمنسوخ، المحلي، طوق الحمامة** وغیرہ ہیں۔

اندلس کے بعض ادیبوں نے نثر نویسی میں قصہ کا بڑا اہتمام کیا ہے، گرچہ اندلس میں جس قدر اہتمام موشحات اور قصیدوں کو ملا ہے اتنی اہمیت قصہ نویسی کو نہیں ملی، اندلس میں قصہ نویسی کرنے والوں میں سے ابو عامر بن شُہید الشاعر الکاتب الاندلسی ہے، ابو عامر نے جو قصے لکھے ہیں ان کو "**التوابع والزوابع**" کا نام دیا گیا ہے، یہ طویل قصہ ہے لیکن اس کا بیشتر حصہ محفوظ نہیں رہا۔

4.13 کلیدی الفاظ

الفاظ	معانی
وادیٔ حجارۃ	ایک مقام کا نام ہے جو شہر طلیطلہ سے ذرا فاصلہ پر واقع ہے
انحراف	راہ حق سے ہٹ جانا
زہریات	پھول سے متعلق
مائیات	پانی سے متعلق
ثلجیات	برف سے متعلق
خمریات	شراب سے متعلق

4.14 امتحانی سوالات کے نمونے

(۱) اشبیلیہ میں شعر گوئی اور اس کی خصوصیات کا جائزہ لیجیے۔

(۲) اندلس میں فطری محاسن پر مبنی شاعری اور اس کی خصوصیات کا جائزہ لیجیے۔

(۳) اندلس میں موشحات کہنے والے شعرا کی ادبی کاوشوں پر خلاصہ لکھیے۔

(۴) زجل اور اس کی خصوصیات کا جائزہ لیجیے۔

(۵) اندلس میں اسلامی بحریہ اور اس پر ادبی کاوشوں کا جائزہ لیجیے۔

4.15 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

۱۔ **الأدب الأندلسي: موضوعاتهٔ وفنونهٔ** — **الدكتور مصطفى الشكعة**

۲۔ **الأدب الأندلسي من الفتح الى سقوط الخلافة** — **الدكتور أحمد هيكل**

۳۔ **تاريخ الأدب الأندلسي (عصر سيادة قرطبة)** — **الدكتور إحسان عباس**

اکائی 5 اندلس میں نثرفنی کاارتقا: خصوصیات اور نمائندہ شخصیات

اکائی کے اجزا

5.1 تمہید

5.2 مقصد

5.3 اندلس کی نثر نگاری

5.4 اندلس کی فنی نثر نگاری اور اس کے اصناف

5.4.1 فن خطابت

5.4.2 مکالماتی ادب

5.4.3 رسائل

5.4.4 قصہ

5.4.5 مقامہ

5.4.6 سفرنامہ

5.5 بعض اہم تصانیف

5.5.1 **رسالة التوابع والذوابع**

5.5.2 **طوق الحمامة**

5.5.3 **قصة حي بن يقظان**

5.6 بعض اہم نثر نگار

5.6.1 ابن شہید

5.6.2 ابن برد الاصغر

5.6.3 ابن حزم

5.6.4 ابن زیدون

5.6.5 ابن طفیل

5.6.6 لسان الدین بن الخطیب

5.7 اکتسابی نتائج

5.8 امتحانی سوالات کے نمونے

5.9 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

5.1 تمہید

جزیرہ نما اندلس جو کہ یورپ کے جنوب مغرب میں واقع سمندر، دریاؤں، کوہستانی سلسلوں اور محلوں والی سرزمین سے عبارت ہے، جسے مختلف قوموں نے اپنا مسکن بنایا اور اس جزیرہ نما قطعۂ ارضی کے پر کیف ساحلوں، سبزہ زاروں اور پھولوں کی بھینی بھینی خوشبوؤں سے لطف اندوز ہوئیں، ان قوموں میں جہاں بربسک، سلت، جلالقہ، فندل، قوط، فینیقی، رومانی اور بربر قومیں بستی رہیں وہیں عربوں کی بھی آمد ۹۲ھ/ ۷۱۱ء میں ہوئی۔ تقریباً آٹھ سو سالوں تک ان کی حکمرانی رہی۔ مسلمانوں کی آمد کے ساتھ ہی یہاں پر عربی زبان کو پھلنے پھولنے کا موقع ملا اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اس سرزمین پر عربی زبان نے اپنا سکہ جما لیا۔ اس پر کیف فضا میں جہاں ایک طرف عربی شعر گوئی پروان چڑھی وہیں عربی نثر نگاری نے ارتقا کے مختلف مراحل طے کیے اور اندلسی عربی نثر نگاری نے عربی ادب میں اپنا ایک مقام بنا لیا۔ اس اکائی میں عربی نثر کے اسی ارتقا پر گفتگو کی جائے گی۔

5.2 مقصد

بلا شبہ عربی نثر نگاری جس طرح سے مشرق میں ارتقا کے مختلف مراحل سے گزری، کبھی مسجع مقفیٰ عبارتوں کا چلن رہا ہے اور کبھی نثر نگاری اختصار سے عبارت رہی تو کبھی اس نے بسط و تفصیل کی چادر پھیلا دی، کبھی اس میں مترادفات کی کثرت اور معانی میں بے تکلفی پر زور دیا گیا اور کبھی ادبی موضوعات کے تنوع کو نثر نگاری نے اپنے دامن مین سمیٹ لیا۔ جب ہم مشرق کی نثر نگاری پر نظر ڈالتے ہیں تو مختلف ادبا اور ان کے اسلوب اور طرز تحریر کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے اسی طرح اندلس میں عربی ادب اور اس کی نثر نگاری نے بھی مختلف مراحل طے کیے اور مشرقی ادبی تخلیقات، اندلس کے ادبا تک پہنچتی رہیں جن کے نتیجے میں اندلس میں بھی اسی طرح کی ادبی تخلیقات منظر عام پر آنے لگیں۔ اس اکائی کے مطالعہ سے اندلس میں عربی نثر نگاری کے ارتقا، اس کے اسلوب، اصناف اور اس فن کی نمائندہ تخلیقات پر جہاں ہم ایک نظر ڈال سکیں گے، وہیں دوسری طرف اندلس کے مشہور نثر نگاروں اور ان کے کارناموں کی تفصیلات فراہم ہوگی۔

5.3 اندلس کی نثر نگاری

مسلمانوں نے جب اندلس کی سرزمین پر اپنا قدم رکھا تو اس وقت انھیں ایسے نثری ادب کی ضرورت محسوس ہوئی جس کے ذریعے امراو حکام سے روابط کو مضبوط کیا جا سکے، یہی وجہ ہے کہ نثر اندلس میں رسائل، خطبات اور مکالمات کی شکل میں رونما ہوتی ہے۔

عبدالرحمن الداخل (۱۱۳۔۱۷۲ھ/ ۷۳۱۔۷۸۸ء) کے عہد ہی سے فتوحات کے ساتھ ساتھ وہاں پر علوم وفنون کی طرف بھی توجہ دی جانے لگی اور مساجد و مدارس کی تاسیس کی گئی۔ علما و ادبا نے ادبی اور علمی کام شروع کیا جن میں ابوموسیٰ الھواری، عبدالملک بن حبیب، یحییٰ بن یحییٰ اللیثی اور زیاد بن عبدالرحمن کے نام قابل ذکر ہیں۔ اس دور کی نثر نگاری پر دینی رنگ غالب تھا اور مسجع و مقفیٰ اسلوب کے ساتھ نامانوس الفاظ کا استعمال ہوتا رہا۔

عبدالرحمن الاوسط (۱۷۶۔۲۳۸ھ/ ۷۹۲۔۸۵۲ء) نے جب اقتدار سنبھالا تو عرب ثقافت نے اندلس میں ارتقا کے کچھ اور مراحل طے کیے اور یہ ترقی المنذر بن محمد (۲۲۹۔۲۷۵ھ/ ۸۴۴۔۸۸۸ء) اور عبداللہ بن محمد (۲۲۹۔۳۰۰ھ/ ۸۴۴۔۹۱۲ء) کے عہد میں بھی جاری رہی، ان حکمرانوں نے بہت سارے اہل علم کو مشرق بھیجا اور یہ لوگ وہاں سے علم و آگہی کی دولت سے مالا مال ہو کر لوٹے اور اندلس میں ایک علمی ذخیرہ

اکٹھا ہو گیا اور یہاں کی عربی نثر عبدالحمید الکاتب اور جاحظ جیسے مشرقی ادبا کے اسلوب سے متاثر ہوئی۔ اختصار کے ساتھ ساتھ طوالت سے بھی کام لیا گیا۔ نثر نگاری میں مترادفات کی آمیزش ہوئی جس سے تکرار کا احساس ہوتا ہے، مگر چھوٹے چھوٹے خوب صورت مترادف جملوں کے ذریعے دراصل ادیب اپنے مقصود کو قاری کے ذہن میں راسخ کرانا چاہتا ہے۔

آگے چل کر عبدالرحمن الثالث (۸۹۱۔۹۶۱ء) اور حکم بن عبدالرحمن (۹۱۵۔۹۷۶ء) نے اہل علم اور ادبا کی حوصلہ افزائی کی۔ عبدالرحمن ثالث کا کتابوں سے لگاؤ عشق کی حد تک تھا، اس کے اپنے کتب خانے میں کم وبیش چار لاکھ کتابیں تھیں اور اس نے اہل علم کے لیے اپنے محل میں نشستیں مخصوص کر رکھی تھیں جہاں بیٹھ کر یہ اہل علم اپنے علم و ہنر کے جوہر دکھاتے تھے۔ اس دور کے مشہور نثر نگاروں میں ابن المنذر، ابن جھور، ابن بسیل اور خواتین میں مزنہ اور لبنیٰ مشہور ہوئیں۔

رفتہ رفتہ اندلسی نثر ارتقا کے مراحل سے گزرتی رہی اور اندلس کی سرزمین سے ایسے نثر نگار پیدا ہوئے جنھوں نے عربی نثر نگاری میں اپنا مقام بنالیا، جن میں سے کچھ اتنے مشہور ہوئے کہ اپنی نثر نگاری سے عربی ادب میں جانے جانے لگے۔ ان نثر نگاروں کی زندگی اور ان کی نثر نگاری پر آئندہ صفحات میں معلومات تحریر کی جائیں گی۔ ان ادبا میں ابن شھید، ابن بردالاصغر، ابن حزم، ابن زیدون، ابن طفیل اور لسان الدین بن الخطیب کا نام قابل ذکر ہے، اس اکائی میں ان ادبا پر قدرے تفصیل سے مضمون تحریر کیا جائے گا۔

5.4 اندلس کی فنی نثر نگاری اور اس کے اصناف

یورپ کے جنوب مغرب میں واقع ایبیریا (IBERIA) کو فینیقیوں نے خرگوشوں کے ساحل سے تعبیر کیا تو مسلمانوں نے اسے اندلس کا نام دیا۔ جزیرہ نما اندلس باغات، سبزہ زاروں، پھلواریوں اور بھینی بھینی خوشبوؤں سے جانا جاتا ہے، مزید برآں آثار قدیمہ کی خیرہ کردینے والی عمارتیں فن تعمیر میں اپنا جادو بکھیرتی ہیں، کہیں سمندر کی موجیں ساحلوں سے کھیلتی ہیں تو کہیں اشبیلیہ، غرناطہ، قرطبہ، زاہرہ اور زہراء جیسے پر کیف فضا والے شہر اس سرزمین کے حسن کو دوبالا کرتے ہیں۔ اس پر بہار فضا نے ادبا اور شعرا کو اپنی تخلیقات کو دنیا کے سامنے پیش کرنے میں مدد کی اور جس طرح سے ان ساحلوں اور گل وگلاب سے معطر فضا میں شعرا نے جذبہ اور خیال کو الفاظ کے قالب میں ڈھالا۔ اسی طرح نثر نگاروں کی ادبی تخلیقات بھی منظر عام پر آئیں۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ عربی اندلسی نثری ادب کہیں نہ کہیں مشرق سے اثر قبول کرتا رہا۔ بڑی عجیب بات ہے کہ اندلس کے اکثر مشہور نثر نگار شاعر بھی تھے جیسا کہ ابن زیدون، ابن شھید، ابن حزم، ابوحفص بن برد اور لسان الدین بن الخطیب وغیرہ کو جہاں ایک طرف اندلس کے بڑے نثر نگاروں میں شمار کیا جاتا ہے تو دوسری طرف اندلس کے مشہور شعرا میں بھی ان کا نام آتا ہے۔ اندلس کے نثر نگاروں نے اپنے جوہر جن اصناف میں دکھائے اس کی ایک جھلک پیش کی جارہی ہے اور اس کے بعد اندلس کے اہم نثر نگاروں اور ان کی ادبی خدمات پر روشنی ڈالی جائے گی۔

5.4.1 فن خطابت

اندلس میں نثر نگاری اپنے ابتدائی مراحل میں خطبات، رسائل اور وصیتوں اور باہمی گفت وشنید (مکالمات) تک محدود رہی، پھر آگے چل کر اس نے کہانی کا روپ بھی لیا۔ جب ہم اندلسی فن خطابت پر گفتگو کرتے ہیں تو ہماری نظر طارق بن زیاد کی طرف منسوب خطبہ پر پڑتی ہے جس کے ذریعے اس نے اپنی فوج کو مخاطب کیا ہے، اس کا ذکر المقری نے اپنی کتاب نفح الطیب میں کیا ہے۔ مگر اس نص کے بارے میں بعض شکوک کا

اظہار کیا جاتا ہے۔

عبدالرحمن الداخل اور عبدالرحمن الاوسط بھی اپنے خطبات سے کافی مشہور ہوئے۔ اموی حکمرانوں کے ان خطبات پر نظر ڈالیں تو ہمیں سجع کا عنصر بھی نظر آتا ہے اور اطناب وتفصیل کی جھلک بھی ملتی ہے اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ اسلوب عبدالحمید الکاتب کے اسلوب سے میل کھاتا ہے اسی طرح فقیہ منذر بن سعید البلوطی کا وہ خطبہ جو اس نے قسطنطنیہ کی سفارتی ذمہ داری کے اعزاز میں دیے جانے والے استقبالیہ میں دیا تھا اس خطبہ کا اسلوب جاحظ کے اسلوب سے میل کھاتا ہے۔

5.4.2 مکالماتی ادب

جب ہم اصناف نثر پر گفتگو کرتے ہیں تو مکالماتی ادب بھی ان میں نمایاں نظر آتا ہے، اس کے اسلوب میں وہی تدریج اور تنوع پایا جاتا ہے جو باقی اصناف میں نظر آتا ہے۔ امیر عبداللہ اور اس کے ایک غلام کے درمیان ہونے والا مکالمہ مختصر اور خوب صورت جملوں کا مرقع ہے اس طرح منذر الفقیہ اور الناصر کے درمیان جو مکالمہ ہوا وہ مکالماتی ادب کی مثال ہے۔ واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ الناصر نے سونے کا قبہ بنوایا جس کے بارے میں اس کے مصاحبین تعریفوں کے پل باندھ رہے تھے اور منذر الفقیہ بھی وہیں آ گئے اور الناصر نے ان سے پوچھا کہ آپ کی کیا رائے ہے تو منذر کے الفاظ یہ تھے:

''یا أمیر المؤمنین ما ظننت أن الشیطان -لعنه الله- یبلغ منک هذا المبلغ، ولا أن تمکنه من نفسک هذا التمکین، مع ما آتاک الله من فضله ونعمته، وفضّلک به علی العالمین، حتی ینزلک منازل الکافرین''

الناصر اس بات پر مشتعل ہو گیا اور کہا ''**انظر ماذا تقول، وکیف أنزلتني منزلتهم**''

منذر نے جواب دیا:

''نعم! ألیس الله تعالی یقول:﴿وَلَوْلَا أَن یَکُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَجَعَلْنَا لِمَن یَکْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوتِهِمْ سُقُفاً مِّن فِضَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَیْهَا یَظْهَرُونَ﴾ سورۃ الزخرف (۳۳)۔

الناصر پریشان ہوا اور سر جھکا کر بولا:

''جزاک الله یا قاضي عنّا وعن نفسک خیراً، وعن الدین والمسلمین أجل جزائه، فالذي قلتَ هو الحق۔''

5.4.3 رسائل (خطوط)

رسائل کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ **الرسائل الدیوانیة**۔ (سرکاری خطوط)

۲۔ **الرسائل الشخصیة**۔ (شخصی خطوط)

۳۔ **الرسائل الأدبیة**۔ (ادبی خطوط)

الرسائل الدیوانیة (سرکاری خطوط): اندلس میں اموی سلطنت کے بانی عبدالرحمن الداخل نے رسائل دیوانیہ (سرکاری خطوط) پر توجہ

دی، بالخصوص اس اموی خانوادے میں ہشام بن عبدالملک نے نثر کی اس صنف پر خاص توجہ دی۔ عبدالرحمن الداخل نے اپنے محل میں اس کام کی انجام دہی کے لیے قرطبہ میں امیہ بن یزید بن ابوحوثرہ کا انتخاب کیا اور اس کے بیٹے ہشام بن عبدالرحمن (۱۳۹۔۱۸۰ھ/ ۷۵۷۔۷۹۶ء) نے محمد بن امیہ کا انتخاب کیا۔ اس کے بعد اس فن میں کام کرنے والوں میں حجاج المغیلی اور فطیس بن سلمان کا نام آتا ہے۔

عبدالرحمن الاوسط جسے اندلسی ثقافت اور باقاعدہ دفتری نظام کا بانی مانا جاتا ہے، نے جب اپنے وزرا کا انتخاب کیا اور وزارت کو مختلف شعبوں میں تقسیم کیا تو مختلف وزارتوں میں مستقل طور پر اسی طرح کے کاتبین کی ضرورت محسوس ہوئی اور ان کاتبین کی کثرت نے اس فن کو مزید آگے بڑھایا، چنانچہ اس فن میں کام کرنے والوں کو ''أصحاب الکتابة العلیا'' کے نام سے جانا جاتا تھا۔ جن میں عبدالکریم بن عبدالواحد بن مغیث، محمد بن سعید الزجالی اور عبداللہ بن محمد بن امیہ کا نام قابل ذکر ہے۔

عبدالرحمن الاوسط کے انتقال کے بعد محمد بن عبدالرحمن الاوسط (۲۰۷۔۲۷۳ھ/ ۸۲۳۔۸۸۶ء) کے دور اقتدار میں قومس بن انتنیان کو اس فن میں کافی مقبولیت ملی۔ اس طرح حامد بن محمد بن سعید الزجالی (متوفی ۲۶۸) نے بھی اس فن کی خدمت کی اور بعد میں عبیداللہ بن محمد اور عبداللہ بن محمد بن عبداللہ الزجالی نے بھی اس فن میں اپنی خدمات انجام دیں اور عبدالرحمن الناصر (۲۷۷۔۳۵۵ھ/ ۸۹۱۔۹۶۱ء) کے دور اقتدار میں عبداللہ بن محمد، عبداللہ الزجالی کے بعد عبدالملک بن جہور، عبدالحمید بسیل، عبدالرحمن بن بدر اور عیسیٰ بن خطیس بن اصبغ بن فطیس کا نام قابل ذکر ہے، جیسا کہ عیسیٰ بن فطیس کا ۳۲۷ھ میں لکھا ہوا رسالہ مسجع عبارتوں سے خالی ہے اور ان سرکاری رسالوں کی تحریریں الحکم المستنصر (۳۰۲۔۳۶۶/ ۹۱۵۔۹۷۶ء) کے زمانے تک سجع سے خالی تھیں۔ اس فن میں مسجع ومقفی عبارتوں کا چلن الحکم کے بیٹے ہشام (۳۵۴۔۴۰۳ھ/ ۹۶۶۔۱۰۱۳ء) کے دور اقتدار اور اس کے حاجب المنصور بن ابوعامر اور اس کے دونوں بیٹوں المظفر اور الناصر کے عہد میں ہوا جیسا کہ ہمیں ابن برد الاکبر کی تحریروں میں نظر آتا ہے اس کے بعد طوائف الملوکی کا دور آتا ہے اور ادبا میں بھی باہمی مقابلہ آرائی پائی جانے لگی، تو ان امرا کے لیے لکھنے والے کاتبوں نے بھی مسجع عبارتوں کا استعمال شروع کیا، اس طرح کے رسائل لکھنے والوں میں محمد بن احمد البزلیانی جو کہ صاحب غرناطہ حبوس کا کاتب تھا اور اسی طرح سے ابوعامر الترکانی کا نام قابل ذکر ہے۔

اس دور کے اس فن کے ممتاز ادبا میں ابوالمطرف بن مثنی ہے جو کہ مامون بن ذوالنون امیر طلیطلہ کا کاتب تھا، اسی طرح ابوالمطرف عبدالرحمن بن فاخر جو کہ ابن الدباغ کے نام سے مشہور ہوا، امیر سرقسطہ المقتدر بن ہود کا کاتب تھا۔ شخصی رسائل کے کاتبوں میں اس کا ایک خاص مقام ہے، اسی طرح سے اشبیلیہ کے امیر المعتضد بن عباد کا کاتب ابن المعلم اور امیر بطلیوس المتوکل بن الافطس کے کاتب محمد بن ایمن کو اس فن میں شہرت ملی۔

''مرابطین'' اور ''موحدین'' کے دور سے یہ فن گزرا اور اس دور کے کاتبوں نے اپنے اپنے رسائل لکھے اور بنوالاحمر کے ممتاز کاتبوں میں ابن الحکیم اور لسان الدین بن الخطیب کا نام قابل ذکر ہے۔

الرسائل الشخصیة (شخصی خطوط): جن ادبا نے سرکاری خطوط نویسی میں اپنی خدمات انجام دیں انھیں بلاشبہ اپنے جذبات کو الفاظ کے قالب میں ڈھالنے پر قدرت حاصل تھی اور سرکاری خطوط کے پہلو بہ پہلو اس طرف بھی ان کی توجہ رہی۔ ان ادبا نے کبھی شکر کا اظہار کیا تو کبھی معافی کے طلب گار ہوئے، کبھی معذرت خواہ ہوئے تو کبھی الفاظ کے قالب میں ہدیۂ تبریک پیش کیا۔ اندلس کی نثر نگاری کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو

ہمیں چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں المنصور بن ابو عامر کے عہد سے پہلے شخصی رسائل کے نصوص نہیں مل پاتے ہیں۔اس قسم کی نثر نگاری کا ایک نمونہ ہمیں ابن دراج کے اظہار تشکر پر مبنی ایک رسالے میں ملتا ہے جس میں اس نے اس شخص کا شکرادا کیا ہے جس نے اس کو تنگ دستی سے نکلنے میں مدد کی ۔ یہ رسالہ ابن بسام نے الذخیرہ میں نقل کیا ہے یہ رسالہ مسجع اور مقفی ہے، پرشکوہ الفاظ کے ذریعے تزئین عبارت پر زور دیا گیا ہے، اسی طرح ابن شھید (وفات ۴۲۶ھ) نے بھی نجی خطوط کے ضمن میں آنے والی اپنی تحریر چھوڑی ہے جس میں یہ ماہرادیب طوالت سے کام لیتا ہے۔اس نوعیت کا اس نے ایک اور رسالہ امیر بلنسیہ کا شکر اور اپنی طرف سے معذرت میں لکھا۔

طوائف الملوکی کے دور پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ابن بردالاصغر کے وہ رسائل نظر آتے ہیں جو شخصی رسائل یعنی نجی خطوط کے ضمن میں آتے ہیں ۔اس کا ایک رسالہ ایک دوست کی مذمت میں ہے، اسی طرح سے اس کا ایک اور رسالہ ہے جس میں اس نے امیر قرطبہ ابوالولید بن جھور کو مخاطب کیا ہے۔

ابن بسام کی کتاب ''الذخیرة'' میں اس نوعیت کے رسائل بکثرت نقل کیے گئے ہیں۔اس طرح ابو محمد بن عبدالرحمن کے مختلف شخصی رسائل مودت ومحبت اور تہنیت وتعزیت کے اظہار میں ملتے ہیں، اس سلسلے میں اس کا ایک مشہور شخصی رسالہ جسے اس نے ایک ایسے باپ کو تعزیت کرتے ہوئے لکھا ہے جس کا بیٹا دین کے دشمنوں سے جنگ میں اپنی جان دے دیتا ہے۔

اس طرح سے ابن دباغ اور ابو عمر الباجی نے مختلف شخصی رسائل تحریر کیے، یہ دونوں امیر سرقسطہ المقتدر بن ہود کے کاتب تھے اور بعض وہ شعرا جن کے شخصی رسائل ہمیں ملتے ہیں ان میں ابن الحداد کا نام بھی قابل ذکر ہے، اس کے شکر، امتنان اور اخوت پر مبنی رسائل بہت مشہور ہوئے ۔

اس طرح سے اس قسم کے رسائل کے نمائندہ ادبا میں ابوعبدالرحمن بن طاہر، ابوالحسین سراج بن عبدالملک بن سراج اور ابن عبدون جیسے مشہور اندلسی شاعر کے رسائل ملتے ہیں اور ابن خفاجہ اور اس کا معاصر ابوعبداللہ بن ابوالخصال نے شخصی رسائل کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا، ابوعبداللہ بن ابوالخصال عہد مرابطین کے اواخر کا ایک بڑا کاتب تھا۔

اس طرح کے رسائل میں موحدین کے دور میں صفوان بن ادریس (وفات ۵۹۸ھ) کا وہ رسالہ بھی ہے، جس میں اس نے ابوالقاسم بن بقی کو ۵۹۲ھ میں ایک ذمہ داری عطا ہونے کی مناسبت سے مبارکباد دی ہے، اسی طرح عہد موحدین کے اواخر میں شخصی رسائل کے لکھنے والوں میں سہل بن مالک کا نام بھی قابل ذکر ہے۔

الرسائل الأدبية (ادبی خطوط): رسائل کی تیسری قسم ادبی رسائل ہے جن کی کثیر تعداد نے اندلسی نثر نگاری کو ایک منفرد پہچان عطا کی ۔ ان رسائل کی شکل میں اندلسی ادبا نے مختلف تصانیف چھوڑی ، جب کبھی ادبائے اندلس اپنے شخصی رسائل میں مودت ومحبت ، اخوت و ہمدردی یا تعزیت کا اظہار کرتے ہیں تو اپنے جذبات کو الفاظ کے قالب میں ڈھال کر صفحات کے صفحات بھر دیتے ہیں، اس نوع کے رسائل کو ابن بسام نے الذخیرہ میں جمع کیا ہے، اسی طرح فطری مناظر کی عکاسی میں بہت سارے شخصی رسائل ہمیں ملتے ہیں، مثال کے طور پر ابن برد، حبیب اور ابو عمر الباجی نے پھولوں کی ترجمانی اپنے اپنے رسائل میں کی ہے، اسی طرح بعض ادبا نے قحط سالی کے بعد بارش کا وصف بیان کیا ہے اور ابن ابوالخصال نے اپنے ایک رسالہ میں سخت ٹھنڈی رات کی تصویر کشی کی ہے۔اسی طرح غرناطہ کے مختلف ادبا نے فطری مناظر کی عکاسی میں مختلف رسائل لکھے، ان میں ابن الخطیب کا نام سرفہرست ہے۔ان اندلسی ادبا کی تحریروں میں مزاح کا عنصر پایا جاتا ہے۔اندلس کے بعض رسائل اور ان کی مزاحیہ گفتگو سے

مشرق کے ادبا نے بھی استفادہ کیا۔

پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں احمد بن عباس نے ایک مزاحیہ رسالہ تحریر کیا اس طرح سے ابن شھید کے مشہور رسالہ: **التوابع والزوابع** میں بھی مزاحیہ ادب کا عنصر موجود ہے اور اندلسی شاعر اور ادیب ابن زیدون نے بھی ہزلیہ رسالہ تحریر کیا۔ جب ہم اندلسی ادبی رسائل پر طائرانہ نظر ڈالتے ہیں تو ان کے لکھنے والوں میں جہاں ایک طرف ابن شھید کا نام آتا ہے تو اس کے ساتھ ساتھ "**السیف والقلم**، "**رسالة النخلة**" اور "**رسالة أهب الشاء**" کے مصنف ابن برد الاصغر اور الملوکی "**الرسالة الهزلية**" و "**الرسالة الجدية**" کے مصنف ابن زیدون کے نام قابل ذکر ہیں۔

اس کے علاوہ اندلس کے ادبا نے بہت سارے نعتیہ رسائل تحریر کیے جن میں ان ادبا نے ادبی اسلوب میں نبی ﷺ سے اپنے عشق و محبت کا اظہار کیا۔ طوائف الملوکی کے آخری دور میں اس طرح کے رسائل کی بڑی کثرت ہوئی جن میں روز حشر، آپؐ کی شفاعت اور آپؐ کے روضہ کی زیارت کا شوق وغیرہ کا بیان ادبی اسلوب میں دکھائی دیتا ہے۔ نعتیہ رسائل لکھنے والوں میں ابوعبداللہ محمد بن محمد بن احمد الانصاری کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ یہی اندلسی ادیب ابن الجنان کے نام سے جانا جاتا ہے۔

5.4.4 القصة

جب ہم اندلس کی قصہ نگاری کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہماری نظر چھٹی صدی ہجری یا گیارہویں صدی عیسوی کی ابتدا میں غرناطہ کے قریب وادی آش میں پیدا ہوئے ایک ایسے ادیب اور فلسفی پر پڑتی ہے جسے ادبی دنیا ابن طفیل کے نام سے جانتی ہے۔ اس نے فلسفہ، طب، عمرانیات اور روحانیات جیسے موضوعات کو قصہ کے قالب میں ڈھال کر اس طرح پیش کیا کہ وہ فن قصہ نگاری میں ایک مثال بن گیا۔ اس نے اس فن میں جو اپنی تصنیف چھوڑی اسے "**قصة حي بن يقظان**" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس قصہ پر بالتفصیل گفتگو آئندہ سطروں میں کی جائے گی۔

5.4.5 المقامة

مقامہ عربی نثر کے اہم فنون میں شمار کیا جاتا ہے، اس فن کی ابتدا بدیع الزماں الھمذانی (۳۵۸-۳۹۸) کے مقامات سے ہوتی ہے اور بدیع الزماں قصے کے قالب میں ابوالفتح کے حیلوں اور چال بازیوں کا ذکر کرتا ہے کہ کس طرح سے وہ عوام الناس کے مال ومتاع کو اپنی فصاحت اور چال بازیوں سے حاصل کرتا ہے۔ بدیع الزماں کے ان مقامات کی شہرت عالم عربی میں پھیل گئی اور قرطبہ بھی اچھوتا نہ رہا اور ابن بسام نے اپنی کتاب "**الذخيرة**" میں تین اندلسی مقامات کا تذکرہ کیا ہے، اگرچہ ان مقامات کا موازنہ بدیع الزماں کے مقامات سے نہیں کیا جاسکتا۔

ان مقامات میں پہلا مقامہ ابوحفص عمر بن الشھید کا ہے، یہ امیر المریۃ المعتصم بن صمادح کے درباری شعرا میں سے تھا، اس کا یہ مقامہ ایک طرح سے اس کا ایک سفرنامہ ہے یا سفرنامہ سے زیادہ قریب ہے جسے اس نے ادبی اسلوب میں پیش کیا اور اپنے زمانے میں "کتابت یعنی تحریر نویسی" کے پیشہ ورانہ ہوجانے کا رونا رویا ہے۔ ابن بسام نے صرف اس کی بعض فصلوں کے پیش کرنے پر اکتفا کیا ہے، ابن شھید نے ان "مقامات" میں موسم بہار اور مرغ کی سحر خیزی اور ایک بدوی کے گھر اور اس کے اثاثہ کا ذکر مزاحیہ اسلوب میں کیا ہے۔

ابن بسام نے دوسرے مقامہ میں امیر اشبیلیہ المعتضد کے ایک وزیر ابوالولید محمد بن عبدالعزیز کا ذکر کیا ہے۔ ابن بسام نے اس کی بعض

فصلوں کومنتخب کیا ہے،اس کی پہلی فصل میں صاحب مقامہ ماضی کی یادوں میں گم ہوجاتا اورعیش وعشرت سے بھرپور زندگی کو یاد کرتا ہے اور پھر کیسے وہ مصائب میں گھر جاتا ہے اور امیر کی طرف سے اسے بلاوا آتا ہے اور وہ اس کی تعریف میں رطب اللسان ہوجاتا ہے۔اس مقامہ کو بعض ادبانے امیر کی مدح کے رسالہ سے زیادہ مشابہ بتایا ہے۔

ابن بسام،تیسرے مقامہ میں ابومحمد بن مالک القرطبی کا ذکر کرتا ہے،جس میں ابن مالک امیر المریۃ المعتصم بن صمادح کی مدح میں رطب اللسان ہے اور جس میں وہ امیر کی فتوحات کا تذکرہ کرتا ہے۔ساتھ ہی اس کی فوج،اس کے اسلحے،تیروکمان،تلوار اور گھوڑوں کا وصف بیان کرتا ہے۔

اس کے بعد مقامات میں محمد الحریری البصری (۴۴۶-۵۱۶ھ/ ۱۰۵۴-۱۱۱۲ء) کا دور آتا ہے،یہ اس فن کا مشہور ترین شہسوار سمجھا جاتا ہے،ساری عرب دنیا میں جب ان مقامات کی شہرت ہوئی تو اندلس بھی اس سے بیگانہ نہ رہا۔طلبا اور اساتذہ کے درمیان اس کے مقامات پڑھے اور پڑھائے جانے لگے اور اس کی شرحیں لکھی گئیں۔ابوطاہر محمد بن یوسف التمیمی السرقسطی نے پچاس مقامات لکھے،یہ مقامات''المقامات اللزومية'' کے نام سے جانے جاتے ہیں۔السرقسطی کے یہ مقامات الحریری کے مقامات کی طرح مسجع اور مقفی ہیں۔

5.4.6 سفرنامہ

اندلسی قافلے ہرسال فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے مکہ کا سفر کرتے تھے اور مدینہ جاکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درودوسلام کی ڈالیاں نچھاور کرتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ اہل اندلس اسلامی دنیا کے بعض دوسرے شہروں کا بھی سفر کرتے تھے اور ایشیا ویورپ کی قوموں اور شہروں کی تہذیب وثقافت سے آشنا ہوتے تھے۔اسی طرح طوائف الملوکی کے دور میں اندلس کے حکام سفارتکاروں کو اندلس کے دیگر امرا وحکام یا افریقہ، مصروشام اور شمال کے نصاری کے پاس بھیجتے تھے،اس طرح دن بدن یہ سفر بڑھتے گئے۔ان اسفار کی روشنی میں بعض ادبا نے اپنی تحریریں سفرناموں کی شکل میں چھوڑی ہیں۔اس سلسلے میں محمد بن مسلم الدانی نے ایک رسالہ''طي المراحل'' کے نام سے لکھا۔ابن بسام نے بعض ایسی فصلیں منتخب کی ہیں جو محمد بن مسلم کی ادبی مہارت پر غماز ہیں۔اس میں اس نے اغلب سے دوستی اور اس سے شوق ملاقات کا اظہار کرتے ہوئے فطری مناظر،باغات اور محلوں کی بڑے دلچسپ انداز میں تصویر کشی کی ہے۔عہد بنی امیہ کے قرطبہ اور مسجد قرطبہ کی عظمت اور اس کے محرابوں کی تصویرکشی کی ہے اور اس کے اختتام پر اشبیلیہ میں معتضد سے اس کی ملاقات اور اس کے استقبال اور ہدیہ وتحفہ کا تذکرہ کیا ہے۔

اندلس کے لوگوں نے چھٹی صدی ہجری میں اسفار بکثرت کیے،ان میں ایک مشہور نام ابوحامد الغرناطی (۴۷۴-۵۶۴ھ) کا ہے جس نے افریقہ،صقلیہ،مصروشام،عراق اور روس کا سفر کیا اور اپنے مشاہدات کو اپنی کتاب''تحفة الألباب و نخبة الإعجاب''میں قلم بند کیا۔

ان سفرناموں کے لکھنے والوں میں محمد بن احمد بن جبیر الکتانی ہے جو کہ ابن جبیر کے نام سے مشہور ہوا،اس کی پیدائش ۵۳۹ھ میں بلنسیہ میں ہوئی اس نے مصر کا سفر کیا اور بحر احمر سے گزرکر جدہ ہوتے ہوئے مکہ پہنچا اور فریضہ حج ادا کیا،پھر کوفہ،بغداد اور موصل جیسے شہروں کا سفر کیا اور ملک شام کا مشاہدہ کیا اور وہاں کے مشاہدات کو قلم بند کردیا جسے بعد میں اس کے تلامذہ نے''تذكرة بالأخبار عن اتفاقات الأسفار'' کے نام سے جمع کردیا اور بعد میں اس کتاب کو''رحلة ابن جبير'' کے نام سے جانا گیا۔اس سفرنامہ کا اسلوب آسان اور سلیس ہے،اس سفرنامہ میں جہاں اس نے شہروں اور ملکوں کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے،وہیں روضہ اطہر کی تصویرکشی کرتے ہوئے اپنے احساسات کا ذکر بھی کیا ہے۔

اس کے علاوہ جن لوگوں نے سفرنامے لکھے ان میں القاضی ابوالبقاء البلوی،خالد بن عیسی،ابن الحاج النمیری،ابن الخطیب اور عہد بنو احمر

میں غرناطہ ہی کے علی بن محمد القرشی کا نام قابل ذکر ہے۔

5.5 فن نثر کی بعض اہم تصانیف

جب ہم اندلس میں فنی نثر کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس فن سے متعلق مختلف کتابیں ہمیں ملتی ہیں جن کا تذکرہ اس اکائی کے مختلف صفحات میں مذکور ہے۔مگر ہم یہاں اس فن کی صرف ان مشہور تصانیف پر روشنی ڈالیں گے جن کے بغیر فنی نثر کا تذکرہ مکمل نہیں سمجھا جاتا اور ان تصانیف میں ابن شھید کی تصنیف''رسالة التوابع والزوابع''، ابن حزم کی''طوق الحمامة''اور ابن طفیل کی''قصة حي بن يقظان'' کا شمار ہوتا ہے۔مزید برآں النثر التاليفي کے ضمن میں ابن عبد ربہ کی تالیف''العقد الفريد''ہے جس کا ذکر آئندہ اکائی میں بالتفصیل ہوگا۔

5.5.1 رسالة التوابع والزوابع

اس کا بیشتر حصہ ابن بسام کی تصنیف "الذخيرة" کی پہلی جلد میں موجود ہے جسے بطرس البستانی نے ایک کتابی شکل دے دی ہے اور ساتھ ہی ابن شھید کی زندگی پر بھی مواد فراہم کر دیا ہے، یہ ایک ایسا خیالی قصہ ہے جس میں ابن شھید ایک ایسے عالم میں جہاں جنات رہتے ہیں، وہاں شعرو ادب اور تنقید کی محفلیں جماتا ہے، وہ شعر و ادب کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے اور مخالفین کے اعتراضات کا جواب دے کر یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ ایک تجربہ کار ادیب ہے۔

اس کہانی کے نام کی تشریح کچھ اس طرح ہے کہ توابع: تابع کی جمع ہے اور اس سے یہ مراد لیا ہے کہ جن یا پری جو انسان کا ہر وقت اور ہر جگہ پیچھا کرتی ہے اور زوابع: زوبعۃ کی جمع ہے جس کا مفہوم جنوں کا سردار ہے۔یہ کہانی ایک فرضی شخص کے نام لکھے ہوئے سلسلہ وار خطوط کا مجموعہ ہے۔ اس فرضی شخص کا نام ابوبکر ہے۔

اپنے پہلے خط میں وہ اپنا تعارف کراتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس کی پیدائش اور نشوونما کہاں ہوئی اور اس کی تعلیم و تربیت کیسے ہوئی اور پھر وہ آگے چل کر لکھتا ہے کہ اپنی محبوبہ کی وفات پر اپنے جذبات کے اظہار کے لیے اشعار کہنا چاہتا تھا اور اس نے کچھ اشعار کہے بھی، مگر بعد میں شعر گوئی کی یہ قدرت اس کی جاتی رہی، ایک دن اس کی ملاقات ایک پری سے ہوتی ہے جس نے شعر گوئی میں اس کی مدد کی اور وہ پری وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتی رہتی ہے۔

اس رسالہ میں اس نے لکھا ہے کہ ایک دن اس نے اس پری سے قدیم شعرا و ادبا کی روحوں سے ملنے کی خواہش ظاہر کی، تو وہ اسے اپنے گھوڑے پر سوار کرتی ہے اور جناتوں کی دنیا میں لے جاتی ہے جہاں اس کی ملاقات امرؤ القیس، طرفہ، قیس بن الخطیم، ابوتمام، بحتری، ابونواس اور ابوطیب وغیرہ کی روحوں سے ہوتی ہے، اسی طرح ادبا میں جاحظ اور عبدالحمید الکاتب کی روحوں سے بھی ہوتی ہے۔وہاں پر وہ اپنی ادبی تخلیقات کو پیش کرتا ہے اور اسے داد و تحسین ملتی ہے اور وہ عالم حیوانات اور چڑیوں کی دنیا میں پہنچتا ہے اور وہاں پر عشق و محبت کی داستانیں اس کے گوش گزار ہوتی ہیں۔

مغرب کے ساتھ ساتھ مشرق میں بھی قصوں کی شکل میں رسالے لکھے گئے۔جب اہل مشرق کے ادبا پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ابن شھید کی طرح ابوالعلاء نے بھی''رسالة الغفران'' لکھتے وقت ایک دوسری دنیا کو اپنے قصے کا موضوع بناتا ہے۔جیسا کہ ہم نے مذکورہ بالا سطروں میں رسالہ التوابع والذوابع کے بارے میں دیکھا کہ ابن شھید نے اپنے اس قصے میں ادبی بحثیں کی ہیں۔البتہ ابوالعلاء نے''رسالة

الغفران ''میں جنت ودوزخ کو اپنا میدان بنایا ہے جب کہ ابن شھید نے عالم جنات کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ابو العلا نے اس رسالہ میں ادب کے ساتھ ساتھ فلسفیانہ بحثیں بھی کی ہیں جب کہ ابن شھید نے زیادہ تر ادبی مسائل پر گفتگو کی ہے۔

چونکہ دونوں ادبا معاصر تھے اور ابو العلاء کی شہرت مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی تھی، اس لیے یہ گمان جاتا ہے کہ ہوسکتا ہے ابن شھید نے ابو العلاء سے متاثر ہوکر اپنا یہ رسالہ لکھا ہو، مگر محققین کی رائے میں ابن شھید نے ابو العلاء سے متاثر ہوکر اپنا رسالہ نہیں لکھا تھا، اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ''التوابع والزوابعُ' نامی رسالہ ''رسالة الغفران'' سے ۹ سال قبل لکھا گیا اور یہ رسالہ مشرق میں ابو العلاء کی زندگی میں پہنچ چکا تھا۔اس کا اسلوب جاحظ کے اسلوب سے ملتا جلتا ہے تو کہیں اس کے اسلوب میں بدیع الزماں کے اسلوب کی جھلک دکھائی دیتی ہے، اس میں اختصار کے بجائے تفصیل سے کام لیا گیا ہے، تکلف تو نہیں مگر سجع ہے اور اسی طرح اشعار کا استعمال ملتا ہے۔

5.5.2 طوق الحمامة

اس کتاب کا پورا نام ''طوق الحمامة في الألفة والأُلَّاف'' ہے، ابن حزم نے اپنی اس کتاب کو تیس ابواب یا تیس خطوط میں منقسم کیا ہے، کیونکہ یہ کتاب صحرانورد کے خطوط کی طرح کا ایک مجموعہ ہے جو اس نے ''المرية'' شہر سے لکھے گئے ان خطوط کے جواب میں لکھا ہے جن میں اس سے فلسفۂ محبت پر کچھ لکھنے کی فرمائش کی گئی تھی۔ کسی باب میں محبت کی علامتوں کے بارے میں لکھا تو کسی میں اس کے اقسام بیان کیے۔کن محبت میں وفاداری کا عنصر ہوتا ہے اور کس میں دھوکا، پہلی نظر کی محبت کیسی ہوتی ہے، محبت میں انسان کس چیز کا متقاضی ہوتا ہے، محبت دشمنی میں کب تبدیل ہوجاتی ہے، محبت میں فراق محبوب کی کیا لذت ہے، وصال کا کیا لطف ہے، محبت میں اخلاص کیسے لایا جاسکتا ہے اور محبت سے متعلق بہت سارے دوسرے موضوعات پر گفتگو کی گئی ہے۔

اگرچہ یہ کتاب عشق ومحبت کے عنوان سے عبارت ہے، مگر ضمناً اس دور کے حالات پر روشنی بھی پڑتی ہے، اس کتاب سے محلوں کے باہر جہاں شر وفساد کا ذکر ملتا ہے تو دوسری طرف محلوں کے اندر حسن وعشق کی فتنہ سامانیوں کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔اس کتاب میں نثر کے پہلو بہ پہلو اس کے اشعار بھی درآئے ہیں جو اس نے فلسفہ محبت کو بیان کرتے وقت جگہ جگہ لکھا ہے۔

بعض یورپی ادیبوں کے خیال میں فلسفۂ محبت پر عربی یا غیر عربی زبان میں یہ پہلی کتاب ہے مگر بعض دوسروں کے خیال میں محمد بن داوٗد الظاہری نے اس سے قبل ''الزاهرة'' نام کی ایک کتاب اس موضوع پر شائع کی مگر وہ اب ناپید ہے، اسی طرح ''إخوان الصفا'' کے رسائل عشق، ابوبکر السراج کی ''مصارع العشق''اور الخرائطی کی ''اعتدال القلوب''، ''طوق الحمامة'' سے قبل تالیف کی گئیں۔البتہ ''طوق الحمامة'' کو اس موضوع کی کتابوں میں جو شہرت حاصل ہوئی وہ اس موضوع پر لکھی گئی کسی دوسری کتاب کو نہ مل سکی۔ابن حزم ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ایسا فلسفی اور مورخ بھی تھا جس نے تقریباً ۴۰۰ تصانیف چھوڑی ہیں۔ادب اور فلسفہ دونوں اس کتاب میں جھلکتے ہیں۔

5.5.3 قصة حي بن يقظان

ابن طفیل کے اس قصہ کو اندلسی نثری ادب میں ایک خاص مقام حاصل ہے، غرناطہ کے قریب وادیٔ آش میں پیدا ہونے والے اس ادیب اور فلسفی نے فلسفہ، طب اور عمرانیات وغیرہ جیسے موضوعات پر ایک ایسی تحریر پیش کی جو فن قصہ نگاری کی ایک مثال بن گئی۔

قصہ یہ ہے کہ ایک نامعلوم والدکا بچہ کسی سنسان جزیرہ میں پیدا ہوتا ہے یا قریب کے جزیرے کی کوئی شہزادی اسے سمندر میں ڈال دیتی ہے اور پانی کی ایک رو سے اس جزیرے میں پہنچا دیتی ہے، ایک ہرنی اس بچے کو دودھ پلاتی ہے اور اس کی پہلی معلم بنتی ہے، جب بچہ کچھ بڑا ہوتا ہے تو دیکھتا ہے کہ جن حیوانوں سے اس کا سابقہ ہے ان کے مقابلے میں وہ غیر مسلح ہے، ایک چھڑی کو ہتھیار کے طور پر استعمال کرتا ہے اور بدن کو ڈھکنے کے لیے پتوں کا استعمال کرتا ہے، آہستہ آہستہ ہرنی بوڑھی ہوجاتی ہے اور اس کی کمزوری کو دیکھ کر وہ دل برداشتہ ہوتا ہے اور اس ضعف کی علت جاننا چاہتا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے وہ خود اپنی ذات کا مطالعہ کرتا ہے اور اسے اپنے حواس کا ادراک ہوتا ہے اور وہ خرابی کی تشخیص اس کے سینے میں کرتا ہے اور اس کا علاج نوکدار پتھروں سے جراحت کے ذریعے کرتا ہے۔ جہاں اسے دل اور پھیپھڑوں کا علم ہوتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ایک ایسی غیر مرئی چیز کا تصور بھی اس کے ذہن میں آتا ہے جو نکل چکی ہے اور اسی پر اس کے جسم کا دارومدار تھا۔

آگے چل کر اسے آگ کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس نے سوکھی ٹہنیوں کی رگڑ سے آگ لگتے دیکھا تھا، اس آگ کو وہ اپنے مسکن میں لاتا ہے اور برابر جلائے رکھتا ہے۔ یہیں سے اس کے دل میں مرئی آتش اور حیوانی حرارت پر غور کرنے کی تحریک پیدا ہوتی ہے اور دوسرے جانوروں کی چیر پھاڑ شروع کردیتا ہے اور وہ ان جانوروں کی کھالوں کو لباس بنالیتا ہے، ابابیلیں اسے سکھاتی ہیں کہ مکان کیسے بنایا جاتا ہے، اون اور پٹسن کے کاتنے کا ہنر آجاتا ہے اور شکاری پرندوں کو سکھاتا ہے کہ اس کے لیے شکار کریں۔

حی بن یقظان کا علم روز بروز بڑھتا جاتا ہے اور بالآخر فلسفی کی صورت اختیار کرلیتا ہے، جب وہ تمام نباتات، معدنیات اور ان کے خواص اور حیوانات کے اعضائے جسمانی کے استعمال کا مطالعہ کرلیتا ہے تو انھیں اصناف وانواع میں مرتب کرتا ہے، چنانچہ اجسام کو ثقیل اور خفیف میں تقسیم کرتا ہے، پھر روح حیات کی طرف لوٹ آتا ہے جس کا مقام اس نے قلب میں معین کر رکھا تھا۔ آگے چل کر وہ عناصر اربعہ کی شناخت کرلیتا ہے، زمین کا معائنہ کرتے وقت مادے کا تصور اس کے ذہن میں ابھرتا ہے اور یہ دیکھ کر کہ پانی بھاپ بن جاتا ہے اسے تحول کی صورت کا انکشاف ہوتا ہے اور بالآخر اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ ہر نئی تخلیق کے لیے کسی ایسی علت کا پایا جانا ضروری ہے جو اسے پیدا کرے، اس طرح اس کے ذہن میں خالق مطلق کا خیال آجاتا ہے، اس کی جستجو پہلے وہ مخلوقات میں کرتا ہے اور عناصر کو تغیر اور فانی پاتا ہے اور اپنا ذہن اجرام سماوی کی طرف منعطف کردیتا ہے۔

حی کی عمر اٹھائیس برس ہوجاتی ہے اور آسمان کے بارے میں غور وفکر کرتا ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ چاند اور سیاروں کے لیے مخصوص افلاک کی ضرورت ہے اور اس کے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ خالق کل کے لیے ضروری ہے کہ جسم نہ ہو اور اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خالق کل اپنے ارادے میں مختار ہے، دانا ہے، عالم ہے، رحیم ہے وغیرہ وغیرہ۔ اب اپنی توجہ خود اپنے نفس کی طرف کرتا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ حصول سعادت کے لیے اسے چاہیے کہ اس ہستی کے بارے میں غور وفکر کرے جو کامل اور مکمل ہے اور زاہدانہ اخلاق کی طرف مائل ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ الہامی مذہب کا سچا پیرو کار اس جزیرہ تک پہنچتا ہے جب یہ دونوں ایک دوسرے کی بات سمجھنے لگتے ہیں تو اس قصے میں یہ بتایا گیا ہے کہ درحقیقت الہامی مذہب وہی فلسفیانہ عقیدہ ہے جس تک حی پہنچ چکا ہے۔

اسال حی کو ترغیب دیتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ قریب کے ایک جزیرے میں چلے جہاں سلامان نامی ایک بادشاہ ہے جس کا اسال دوست اور وزیر ہے تاکہ اس کے سامنے اپنا فلسفہ پیش کرے۔ مگر یہ فلسفہ کسی کو سمجھ میں نہیں آتا اور دونوں غیر آباد جزیرے میں واپس چلے آتے ہیں تاکہ اپنی باقی زندگی خالص غور وفکر کے لیے وقف کردیں۔ ابن طفیل ایک فلسفی، طبیب اور ادیب تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس قصہ میں فلسفہ، طب اور ادب تینوں

دکھائی دیتے ہیں۔

5.6 بعض اہم نثر نگار

گزشتہ صفحات میں اندلس کی نثر نگاری پر کافی کچھ لکھا گیا ہے جس میں نثر فنی کے مختلف اصناف پر گفتگو کی گئی ہے، ان اصناف کے ضمن میں خطابت، مکالماتی ادب، رسائل، قصہ، مقامہ اور سفر ناموں کے ساتھ ساتھ ان اصناف کے ادبا کا ذکر کیا گیا ہے، ان ادبا میں سے کچھ بہت مشہور ہوئے جیسے ابن شہید، ابن بردالاصغر، ابن حزم، ابن زیدون، ابن طفیل اور لسان الدین بن الخطیب وغیرہ، آئندہ صفحات میں ان ادبا کی زندگی اور ان کی تصنیفات پر گفتگو کی جائے گی۔

5.6.1 ابن شہید

ابو عامر احمد بن عبدالملک بن احمد بن عبدالملک بن شہید الاشجعی القرطبی کی پیدائش ۳۸۲ھ میں قرطبہ میں ایک عربی النسل خاندان میں ہوئی۔اس کے اجداد میں عبدالملک بن شہید امیر محمد کا وزیر تھا۔اسی طرح عبدالملک کا لڑکا احمد اور احمد کا لڑکا عبدالملک مختلف امرا کے وزیر رہے۔

اس طرح ابن شہید کی پرورش عیش وعشرت کے ماحول میں ہوئی۔بچپن سے ہی اسے ادب سے ایک خاص شغف تھا۔مگر خاص طور پر قرطبہ میں خونریزی وغارت گری ہوئی اور فتنہ کی آگ بھڑکی جو بالآخر اموی سلطنت کے زوال کا باعث بنی تو ان حالات سے ابن شہید کافی متاثر ہوا۔

ابو عامر بن شہید اپنی بلاغت سے جانا جاتا ہے، اس نے ہزلیہ اور سنجیدہ دونوں طرح کی شاعری کی۔ڈاکٹر شوقی ضیف نے اس کے بارے میں کہا کہ اگر وہ ایک طرف بڑا شاعر تھا تو دوسری طرف ایک عظیم نثر نگار بھی تھا، بلکہ اس نے یہ بھی کہا کہ اس کی نثر نگاری اس کی شعر گوئی پر فائق تھی۔

ابن شہید کو فالج کی شکایت ہوئی اور جمادی الاولیٰ ۴۲۶ھ میں قرطبہ میں اس کا انتقال ہوا۔ابن خاقان نے اسے بلاغت کے اقسام اور اس کے معانی کا عالم قرار دیا۔

ابن بسام اور دیگر اہل ادب اگر اس کے اشعار اور رسائل کو محفوظ نہ کرتے تو اس کا ادبی سرمایہ ہم تک نہ پہنچتا۔خاص طور سے ابن بسام اگر اس کے ادبی رسائل کو محفوظ نہ کرتا تو اندلسی نثر کا ایک اہم حصہ ضائع ہو جاتا۔انھیں رسائل میں سے اس کا ایک رسالہ ''التوابع والزوابع'' ہے۔

ابن بسام نے اس رسالہ کو مکمل نہیں کیا بلکہ اس کی بعض فصلوں کو نقل کیا ہے، اس رسالہ پر تفصیلی گفتگو گزشتہ سطروں میں ہو چکی ہے۔

ابوالعلاء کا تحریر کردہ رسالہ ''رسالة الغفران'' اور ابن شہید کا رسالہ ''التوابع والزوابع'' میں اسلوب، کردار اور انداز کے اعتبار سے قدرے مشابہت پائی جاتی ہے۔دونوں ادیبوں نے اپنے اپنے انداز میں ایک دوسرے عالم کو میدان تحقیق بنایا جو انسانی دنیا سے مختلف ہے۔ان دونوں ادیبوں نے قدما سے ملاقات کی صورت میں ادبی بحثیں کی ہیں۔ہاں البتہ اتنا ضرور ہے کہ ابوالعلاء نے آخرت کے بعد جنت و دوزخ کو اپنا میدان عمل بنایا ہے جب کہ ابن شہید نے عالم جنات کو اپنے لیے کام کا میدان منتخب کیا ہے، دوسرا ایک اہم فرق یہ ہے کہ ابوالعلاء نے فلسفیانہ مسائل اور دینی موضوعات کو موضوع بحث بنایا ہے تو ابن شہید نے زیادہ تر ادبی امور پر گفتگو کی ہے۔

چونکہ دونوں ادیب معاصر تھے، اس لیے ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کون کس سے متاثر ہوا تو اس سلسلے میں بعض کا خیال یہ ہے کہ ابوالعلاء کی شہرت مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی تھی اور ابن شہید مشرق میں اتنا مشہور نہیں ہوا، اگر چہ مغرب میں اسے ایک خاص مقام حاصل تھا، اس وجہ

سے کہا جا سکتا ہے کہ ابن شھید ابو العلاء المعری سے متاثر ہوا ہوگا۔مگر ناقدین کی تحقیق یہ بتاتی ہے کہ ابن شھید ابو العلاء سے متاثر نہیں ہوا، کیونکہ ابن شھید کا یہ رسالہ ابو العلاء کے رسالے سے ۹ سال قبل تالیف ہوا اور ابو العلاء کی زندگی میں مشرق پہنچ چکا تھا۔

5.6.2 ابن برد الاصغر

ابو حفص محمد بن احمد بن برد جو کہ ابن برد الاکبر کا پوتا تھا، اندلس کے بڑے ادبا میں اس کا شمار ہوتا ہے اور اس کی پرورش بھی ایک ایسے ادبی گھرانے میں ہوئی تھی جس نے سلطنت کے انتظامی امور کے ساتھ ساتھ قلمی خدمات بھی انجام دی تھی۔ اندلس چوتھی صدی ہجری میں سیاسی اور ثقافتی اعتبار سے اپنے اوج پر تھا۔اس میں الناصر اور المنتصر کے بعد المنصور بن ابو عامر نے کافی اہم کردار نبھایا اور قرطبہ ایک طرح سے بغداد کا ہم پلہ نظر آنے لگا اور قرطبہ سے علم وادب کی وہ کرنیں پھوٹیں جن کی مثال عربی دنیا میں بہت کم ملتی ہیں۔اس کی تاریخ پیدائش کے سلسلے میں حتمی اور قطعی طور پر کچھ کہہ پانا مشکل ہے، کیونکہ قدیم مصادر میں اس کی تاریخ ولادت کا ذکر نہیں ہے، مگر چونکہ ابن برد الاکبر کی وفات ۴۱۴ھ یا ۴۱۸ھ بتائی جاتی ہے اور ابن برد الاصغر نے اپنے دادا ابن برد الاکبر سے تعلیم حاصل کی ہے، اس اعتبار سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کی پیدائش پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں ہوئی ہوگی۔

ابن برد کی پرورش وزرا اور کاتبین کے بچوں کی طرح عیش وعشرت میں ہوئی اور ابن شھید کی وفات تک جو کہ ۴۲۶ھ میں ہوئی وہ قرطبہ میں رہا۔پھر وہاں سے اندلس کے دانیہ شہر کے امیر مجاھد العامری الصقلبی کے پاس چلا گیا اور اپنا مشہور رسالہ ''**السیف والقلم**'' تحریر کیا۔

ابن برد الاصغر کی تربیت میں اس کے دادا ابن برد الاکبر نے اہم کردار ادا کیا۔ابن برد الاصغر نے المنصور بن ابو عامر اور پھر اس کے بعد المنصور کے دونوں بیٹوں المظفر ،الناصر اور بعض دوسرے امرا کے دربار میں کاتب کی حیثیت سے کام کیا، اس طرح بنو برد بنو شھید کے موالی میں سے تھے، مگر اس کے باوجود ابن برد اور ابن شھید کے درمیان دوستی اور محبت تھی اور جب المستظھر الاموی نے ۴۱۴ھ میں ابن شھید کو وزیر بنایا تو ابن برد نے اس کے لیے کاتب کے فرائض انجام دیے اور غالب گمان یہی ہے کہ یہ ابن برد الاکبر نہیں بلکہ ابن برد الاصغر ہی رہا ہوگا اور طوائف الملوکی کے دور میں ''المریۃ'' کے امیر معن بن صمادح نے اسے اپنا وزیر بنایا۔

اندلس کے اکثر نثر نگار شاعر بھی تھے، ابن برد الاصغر کا نام بھی انھیں ادبا میں شامل ہے، سب سے ابن بسام (وفات ۵۲۴ھ) نے اپنی کتاب ''**الذخيرة في محاسن أهل الجزيرة**'' میں اس کے کچھ اشعار جمع کیے، پھر اس کے بعد بعض دوسرے مصادر میں اس کے مزید اشعار جمع کیے گئے۔

ابن برد الاصغر نے شاعری کے ساتھ ساتھ نثری ادب میں بھی اپنے نقوش چھوڑے ہیں، جیسا کہ اس کا ایک مشہور رسالہ ''**السیف والقلم**'' دراصل سیف وقلم کے درمیان ایک مناظرہ ہے۔اس کے علاوہ اس کی دوسری کتاب ''**سر الأدب سبک الذھب**'' ہے جس میں اس نے اپنے دادا اور اپنے اوپر ان کی خاص توجہ کا ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ امیر معن بن صمادح کی تعریف کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ یہ امیر علوم وفنون کا دلدادہ ہے اور اسے اپنی نوازشوں سے نوازتا ہے۔

ابن برد الاصغر کے رسالوں میں ''**رسالة النخلة**'' اور ''**رسالة أهب الشاء**'' بھی ہے۔**رسالة النخلة** میں ایک خاص اندلسی عمدہ کھجور جسے ایک دوست نے اس سے چھپایا اس پر اس کی اظہار ناراضگی ہے اور اس کی طرف پھر اس کا جواب ہے اور وہ دوست کہتا ہے کہ اگر مجھے معلوم ہوتا

کہ تمھیں اس قدر پسند ہے تو اس کا میں ضرور خیال رکھتا اور رسالة أهب الشاء جس کا پورا نام ابن برد نے ''البديعة في تفضيل أهب (جلود) الشاء على ما يفترش من الوطاء'' رکھا اور اس میں اس نے ان لوگوں کو جواب دیا ہے جنھوں نے اسے عمدہ قالینوں کے بجائے بکری کی کھال کو بچھونے کے طور پر استعمال کرنے پر ملامت کی ہے، اسی طرح وہ اس رسالے کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ سے رشد و ہدایت کی طلب، تواضع کی برکت کی معرفت اور کبر و گھمنڈ سے نفرت کی، اپنے لیے دعا کرتا ہے۔

ابن برد نے اپنی زندگی کے آخری ایام بھی اسی امیر کے زیر سایہ گزارا اور تاریخ کی کتابوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ المرية میں ۴۴۰ھ کے بعد بھی اسے دیکھا جاتا رہا، لیکن یہ حتمی نہیں ہے کہ اس نے المعتصم بن معن بن صمادح (۴۴۳۔۴۸۴ھ) کا زمانہ پایا یا نہیں۔

5.6.3 ابن حزم

ابو محمد علی بن احمد بن سعید جو ابن حزم کے نام سے مشہور ہوا اس کی پیدائش رمضان کے آخری دن ۳۸۴ھ مطابق ۷ رنومبر ۹۹۴ء میں قرطبہ میں ہوئی۔ ابن حزم کا خاندان دریائے اودیل (Odiel) سے کچھ فاصلے پر منت لیشم موضع میں رہتا تھا۔ اس کے پردادا نے عیسائیت چھوڑ کر اسلام قبول کرلیا تھا، والد منصور الحاجب اور اس کے بیٹے مظفر کا وزیر تھا۔ ایک اعلیٰ عہدیدار کے فرزند کی حیثیت سے قدرتی طور پر ابن حزم نے بڑی اعلیٰ تعلیم پائی۔ ابن حزم نے عبد الرحمن بن محمد بن ابو یزید الازدی سے مختلف علوم حاصل کیے۔

بنو عامر کا تختہ جس انقلاب نے الٹا دیا اس نے باپ بیٹے دونوں کو متاثر کیا، چنانچہ ہشام الثانی جب دوبارہ تخت نشین ہوا تو ان دونوں کو بہت سے مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد وہ قرطبہ چھوڑ کر المرية میں اقامت پذیر ہوا۔ پھر بلنسیہ کا رخ کیا اور غرناطہ ہوتے ہوئے القاسم بن حمود کے دور میں پھر قرطبہ آ گیا۔ اس کے بعد ابن حزم کو عبد الرحمن الخامس المستظہر نے وزیر منتخب کیا اور اس بادشاہ کے قتل ہونے کے بعد ابن حزم کو قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ ابن حزم اپنی زندگی کے آخری ایام میں سیاست سے کنارہ کش ہو کر تصنیف و تالیف کی طرف مائل ہو گیا۔

ابن حزم کی ابتدائی تصانیف میں ''طوق الحمامة في الألفة والألاف'' جس پر تفصیلی بحث گزشتہ سطروں میں ہم کر چکے ہیں۔ یہ رسالہ عشق اور اس کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالتا ہے، ابن حزم نے علم نفس کے بعض نظریات کی وضاحت چھوٹے چھوٹے قصوں کے ذریعے کیا، اس کی قوت مشاہدہ بہت تیز تھی اور انشا پرداز ہونے کے ساتھ دلکش شاعر بھی تھا۔

ابن حزم کی تاریخی تصنیفات میں سے ''نقط العروس في تواريخ الخلفاء'' اور ''جمهرة الأنساب'' کے نام قابل ذکر ہیں۔

پہلے وہ شافعی مسلک سے تعلق رکھتا تھا، مگر بعد میں ظاہری فرقے سے جاملا اور اس کی طرف داری کرنے لگا، اس کے ظاہری فرقہ سے تعلق کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے ایک ظاہری استاد سے متاثر ہوا تھا۔

ابن حزم نے اپنی ایک تصنیف ''المحلى بالآثار في شرح المجلى بالاقتصار'' میں ظاہری اصول فقہ کو پیش کیا اور اپنی دوسری تصنیف ''كتاب الفصل في الملل والأهواء والنحل'' میں خاص طور سے شاعرہ اور ان کے خیالات پر تنقید کی۔ اس نے امام ابو حنیفہ اور امام مالک پر تنقید کی۔ ایک مشہور ضرب المثل کے مطابق ابن حزم کا قلم ایسا ہی تیز تھا جیسے حجاج کی تلوار۔ منطق کی بحث میں ابن حزم نے ایک کتاب ''التقريب في حدود المنطق'' تصنیف کی تھی جو غالباً ضائع ہو گئی۔

علم اخلاق میں ابن حزم کا ایک رسالہ ''کتاب الأخلاق والسیر في مداواۃ النفوس'' ہے اوراس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کومعیار اخلاق ٹھہرایا اور بالآخر منت لیشم جا کر اپنی خاندانی جاگیر میں عزلت گزیں ہو گیا۔اس گوشہ نشینی میں بھی ابن حزم نے لکھنے پڑھنے کا کام جاری رکھا۔اس کے بیٹے ابورافع کے مطابق اس کی کل تصنیف کی تعداد چار سو تھیں اور ۸۰ ہزار صفحات پر مشتمل تھیں۔مؤرخ الحمیدی بھی اس کے شاگردوں میں ہے۔

ابن حزم کا انتقال اپنے گاؤں میں ۲۸ شعبان ۴۵۶ھ/ ۱۰/اگست ۱۰۶۴ء میں ہوا اور اس کی وفات کے بعد خاص طور سے ایسی کتابیں لکھی گئیں جن میں اس کی تعلیمات پر شدید نکتہ چینی کی گئی اور مالکی فقہا ابن حزم کی تردید کے لیے میدان میں اتر آئے۔ابن زرقون نے اس کی کتاب ''المحلی'' کے جواب میں کتاب ''المعلی'' تصنیف کی۔

اس کی مشہور تصنیف ''طوق الحمامۃ'' کا انگریزی، فرانسیسی، روسی اور جرمن زبانوں میں ترجمہ ہوا اور وہ اپنی اس کتاب سے عربی ادب میں معروف ومشہور ہوا۔

ابن حزم کے رسائل کے اسلوب کو ہم تین قسموں میں تقسیم کرسکتے ہیں: پہلی قسم کے تحت ابن حزم کے وہ رسائل ہیں جن میں اس نے اندلس کے فضائل بیان کیے ہیں، ان رسائل میں اس نے آسان اور لفظی پیچیدگی سے خالی اسلوب اپنایا ہے اور منطقی نہج اپناتے ہوئے ایک نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کی ہے۔

دوسری قسم ابن حزم کے وہ رسائل ہیں جن میں اس نے علمائے اندلس اور اپنے معاصرین کا ذکر کیا ہے اور تفسیر، حدیث، فقہ، علم الکلام اور تاریخ پر گفتگو کی ہے، ان رسائل کے اسلوب میں اس نے تزئین سے کام لیا ہے۔ان رسائل کی تیسری قسم ایک طرح سے اندلس کے بڑے اہل علم اور مشرق کے بڑے اہل علم کے مابین موازنہ پر مبنی ہے جن میں تزئین سے کام نہیں لیا گیا ہے۔

5.6.4 ابن زیدون

ابوالولید احمد بن عبداللہ بن احمد بن غالب بن زیدون کی پیدائش قرطبہ میں ۳۹۴ھ بمطابق ۱۰۰۳ء میں ہوئی، ابن زیدون کا شمار جہاں اسلامی اندلس کے مشہور ترین شعرا میں ہوتا ہے وہیں ایک نثر نگار کی حیثیت سے بھی جانا جاتا ہے، وہ عرب امرائے اشبیلیہ کا وزیر بھی رہا۔والدین کے سایۂ عاطفت سے بچپن ہی میں محروم ہو گیا۔مگر اس کے باوجود اس کے لیے بہترین اساتذہ کا نظم ہوا اور اپنے ہم عمروں میں ممتاز اور نمایاں ہو گیا، بیس برس کی عمر میں شعر کہنے لگا اور اسے مغرب کا بحتری کہا جانے لگا۔

اموی مدعیان سلطنت کی خانہ جنگی اور اہل قرطبہ کی بربر حکمرانوں کو اپنے شہر سے بے دخل کرنے کی کوشش کی وجہ سے ابن زیدون بھی سیاست میں الجھ گیا۔خاندانی اقتدار اور بلند ہمتی کی وجہ سے اس نے سیاست میں حصہ لیا اور بربر حکمرانوں کے واپس چلے جانے کے بعد وہ قرطبہ کی حکمراں جماعت کے سردار ابوالحزم ابن جہور کے حاشیہ نشینوں میں نظر آنے لگا۔

شاہی خاندان کی ایک شاعرہ ولادۃ سے اس کا والہانہ عشق، اس کے اور اس کے ایک زبردست رقیب ابوالحزم ابن جہور کے وزیر عبدوس کے باہمی تصادم کا سبب بن گیا۔ابن زیدون نے اپنے رقیب کے خلاف دھمکی آمیز اشعار کہے اور ایک خط میں جو مشہور ہو گیا ہے اس کا مذاق اڑایا۔جواب میں ابن عبدوس نے اس پر کھلم کھلا یہ الزام لگایا کہ وہ بنوامیہ کو پھر برسراقتدار لانے کے لیے کام کرتا رہا ہے، چنانچہ اسے قید وبند کی صعوبتیں برداشت

کرنی پڑیں، قید خانے سے اس نے ولادۃ کے نام کئی رقت آمیز نظمیں لکھیں اور اس کے ایک دوست کو اسے رہا کرانے میں کامیابی حاصل ہوئی۔

ایک غیر ارادی جلاوطنی کے بعد جس کے درمیان وہ برابر اپنی محبوبہ کی مذمت کرتا رہا ابن زیدون، ابوالحزم ابن جہور کی وفات پر قرطبہ واپس آ گیا اور ابوالحزم کے بیٹے اور جانشین ابوالولید سے وابستہ ہوگیا اور قرطبہ کے گردونواح میں کئی مسلمان حکومتوں میں اس کے سفیر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ لیکن اس کی جاہ پسندی اس کی تنزلی کا باعث بن گئی۔ چنانچہ پھر وہ معرض عتاب میں آ گیا اور قرطبہ چھوڑنا پڑا۔

اس کی ادبی حیثیت، ماضی میں سفارتی خدمات کی وجہ سے اس کی رسائی اشبیلیہ کے امیر المعتضد کے دربار میں ہوگئی، ابتدا میں وہ اس حکمراں کا محض سکریٹری مقرر رہا، مگر بعد میں اس کا وزیر اعلیٰ بن گیا، المعتضد کی وفات کے بعد اس کے بیٹے اور جانشین نے اس کو اسی عہدے پر بحال رکھا اور قرطبہ فتح کرنے میں اس سے کام لیا، لیکن ابن زیدون کی ہر دل عزیزی کی وجہ سے دربار شاہی کے بہت سے لوگ خصوصاً ابن عمار جو کہ المعتمد کا منظور نظر شاعر بھی تھا، حسد کرنے لگے اور وہ لوگ ابن زیدون کو امن بحال کرانے کے نام پر اشبیلیہ بھجوانے میں کامیاب ہو گئے اور وہیں اس کے اہل خانہ بھی پہنچ گئے اور ۱۵/رجب ۴۶۳ھ/ ۱۸/اپریل ۱۰۷۱ء کو انتقال ہو گیا اور وہیں اشبیلیہ میں اس کی تدفین ہوئی۔

ابن زیدون شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ممتاز انشاء پرداز بھی تھا اور اپنی انشاء پردازی سے عربی ادب میں شہرت حاصل کی، اس کے مشہور رسائل میں: الرسالة الهزلية ہے، یہ رسالہ ابن عبدوس کے نام ہے اور عربی علم لغت کے اعتبار سے بڑی قدر و قیمت کا حامل ہے اور دوسرا رسالہ "الرسالة الجدية" جو اس نے ابن جہور کے نام لکھا، یہ رسالہ بھی عربی ادب میں بڑی قدر و قیمت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

5.6.5 ابن طفیل

ابوبکر محمد بن عبدالملک بن محمد بن محمد بن طفیل القیسی کی پیدائش ۴۹۴ھ/ ۱۱۰۰-۱۱۰۱ء کے قریب وادی آش میں ہوئی، یہ وادی غرناطہ سے تقریباً ۷۰ کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، ابن طفیل اسلامی اندلس کا نامور فلسفی ہے جسے ابوجعفر الاندلسی القرطبی الاشبیلی کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ شوقی ضیف نے اس کی زندگی ۵۰۶ سے ۵۸۱ھ بتائی ہے۔

ابن طفیل کے خاندان اور تعلیم و تربیت کے بارے میں زیادہ معلومات حاصل نہیں۔ وہ طبیب بھی تھا اور غرناطہ میں طبابت بھی کرتا تھا۔ پھر وہ والی صوبہ کا کاتب بنا اور یہی خدمات اس نے والی طنجہ اور سبتہ کے یہاں بھی انجام دیں، پھر الموحد تاجدار ابویعقوب یوسف اول کا طبیب مقرر ہوا، یہ وہ منصب ہے جو اس کے بعد اس کے دوست ابن رشد کو ملا، ابن طفیل کو ابویعقوب کے یہاں بڑا اثر و رسوخ حاصل تھا، اس نے متعدد علما کو دربار میں بلایا، ابن طفیل ہی نے ابویعقوب کی تحریک پر ابن رشد کو مشورہ دیا کہ ارسطو کی تصانیف پر حواشی لکھے، جب ابویعقوب کا انتقال ہوا تو اس کے بیٹے اور جانشین ابویوسف یعقوب نے بھی ابن طفیل سے دوستانہ مراسم قائم رکھے، ابن طفیل نے مراکش میں وفات پائی۔

ابن طفیل کا ایک مشہور رسالہ جسے "حي بن يقظان" کے نام سے جانا جاتا ہے جس میں اس نے فلسفیانہ خیالات کو ایک داستان کی شکل میں پیش کیا ہے۔ علاوہ ازیں دو رسالے طب میں بھی اس سے منسوب ہیں۔ ارسطو کی شروح اور الکلیات کی تصنیف میں اس سے مشورہ لیا اور ابن طفیل ہی کے اشارے پر اس کے شاگرد البطروجی نے ہم مرکز دائروں کے بطلی موسی نظریے کی ترمیم کی۔ چھٹی صدی ہجری کے اواخر میں ابن طفیل کا انتقال ہوا۔

ابن طفیل نے اس قصے میں متصوفین کی بھی تصویر کشی کی ہے، اس قصے کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کا ترجمہ لاطینی اور مختلف یورپی زبانوں میں کیا گیا اور پوکوک کا لاطینی ترجمہ اس کتاب کا قدیم ترجمہ سمجھا جاتا ہے، یہ ترجمہ ۱۶۷۱ء میں ہوا۔ اسی طرح سے انگریزی میں

اس کا ترجمہ ۱۷۰۸ء میں ہوا۔

اس کتاب کا ترجمہ جرمن زبان میں ابن جمہور نے ۱۷۸۲ء میں اور پونس بویجس نے ۱۹۰۰ء میں اسپینش میں اور بتروف نے ۱۹۴۸ء میں روسی زبان میں اور لیون نے ۱۹۰۰ء میں فرانسیسی زبان میں کیا۔ اس طرح سے مختلف زبانوں میں اس کتاب کے ترجمے سے اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے اور ابن طفیل کی ان فلسفیانہ بحثوں کی وجہ سے اسے اندلسی فلاسفہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

5.6.6 لسان الدین بن الخطیب

ابوعبداللہ بن عبداللہ بن سعید بن عبداللہ بن سعید بن علی السلمانی کی پیدائش ۲۵ رجب ۷۱۳ھ بمطابق ۱۰ر نومبر ۱۳۱۳ء میں لوشہ میں ایک ایسے خاندان میں ہوئی جو شام سے ہجرت کر کے قرطبہ، طلیطلہ، لوشہ اور غرناطہ کی طرف چلا گیا۔ یہ خاندان پہلے بنو وزیر کے نام سے موسوم تھا، لیکن سعید بن علی الخطیب کے نام پر بنو الخطیب بھی کہلاتا تھا۔

لسان الدین کے ایام شباب غرناطہ میں گزرے، جہاں اس کے والد بنونصر کے درباری منصب دار تھے، اپنے والد کے انتقال کے بعد اس نے فاضل وزیر ابوالحسن علی بن الجیاب کی ملازمت کے ساتھ ساتھ اس کی شاگردی اختیار کر لی۔ ابوالحسن کا ۱۳۴۹ء میں انتقال ہو گیا اور لسان الدین کو اس کی جگہ وزیر بنا دیا گیا۔ ۱۳۶۰ء میں محمد خامس کی معزولی کے بعد اسے غرناطہ میں قید کر دیا گیا اور پھر مراکش میں جلاوطن رہا۔

ابن الخطیب نے ۱۳۶۲ء تک سلا میں گوشہ نشینی کی زندگی گزاری، مگر جب محمد خامس دوبارہ تخت نشین ہوا تو وزیر بن کر غرناطہ واپس چلا آیا۔ لیکن بعد میں ۱۳۷۱ء میں سبتہ اور تلمسان چلا گیا اور بالآخر ۷۷۶ھ/ ۱۳۷۴ء میں اس کا گلا گھونٹ کر قتل کر دیا گیا۔

ابن الخطیب کی تاریخ، جغرافیہ، شعر و سخن، ادب، فلسفہ، تصوف اور طب کے موضوع پر تقریباً ۶۰ کتابیں تھیں جن میں سے ایک تہائی ہی ہم تک پہنچ سکی ہیں، اس کی سب سے اہم تصنیف ''الإحاطة في تاريخ غرناطة''ہے، اس کتاب میں تاریخ علمائے غرناطہ کے تراجم زیادہ ہیں، اس کی تاریخی تصانیف میں ''الحلل المرقومة' اور ''اللمحة البدرية في الدولة النصرية''، ابن الخطیب کی ایک اور کتاب جس کا نام ''أعمال الأعلام في من بويع قبل الاحتلام من ملوک الإسلام و ما يتعلق بذلک من الكلام'' بھی ہے۔

ابن الخطیب کو ''أكبر كتاب غرناطة و الأندلس في أز منتها الأخيرة''کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ اس نے آٹھویں صدی ہجری میں بنو الاحمر کے سلطان ابوالحجاج کی مدح کی اور وہ بہت خوش ہوا اور اسے اپنے دربار سے ملحق کر لیا اور بعد میں سلطان نے اس کو سرکاری کاتبوں کا صدر بنا دیا۔ ابن الخطیب نے زیادہ تر رسالے ابوالحجاج اور اس کے بیٹے کے بارے میں تصنیف کیے ہیں۔

5.7 اکتسابی نتائج

اندلس میں نثر نگاری کا ارتقا شعر گوئی سے کم نہیں بلکہ اس کے شانہ بشانہ ہوا اور زمانہ کے ساتھ ساتھ رسائل دیوانیہ (سرکاری خطوط) کی کثرت ہوئی، جن کے کاتبین میں البزلیانی، ابو محمد بن عبدالبر، ابن القصیرۃ، ابن ابوالخصال اور ابن الخطیب کا نام قابل ذکر ہے، اسی طرح شخصی رسائل بھی بکثرت لکھے گئے جن میں حبیب ابن الدباغ، ابن طاہر اور ابن الجد کو شہرت کی بلندیاں حاصل ہوئیں اور ادبی رسائل میں ابن شہید کے ''رسالة التوابع و الزوابع'' کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ ابن شہید نے بعض جدید افکار کے ساتھ بدیع الزماں کے ایک مقامہ سے استفادہ

کرتے ہوئے اس کو لکھا ہے، ابن برد کے ادبی رسائل اور ابن زیدون کے **الرسالة الهزلية** اور **الرسالة الجدية** بہت اہم ہیں، **الرسالة الهزلية** کو لکھنے میں ابن زیدون نے جاحظ کے رسالہ ''**التربيع و التدوير**'' سے استفادہ کیا ہے اور اسے بعض ردوبدل کے ساتھ لکھا ہے، اس کے ساتھ ساتھ رسائل نبویہ لکھنے والوں میں ابن الجنان نے شہرت پائی۔

جب ہم اندلس میں مختلف النوع اصناف نثر کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہماری نظر ابن حزم کی ''**طوق الحمامة**'' پر پڑتی ہے جس میں محبت اور اس کے مختلف موضوعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسی طرح ابن طفیل کی تصنیف ''**حي بن يقظان**'' اندلس کے نثری ادب میں اپنا ایک مقام رکھتی ہے ،اس تصنیف کے اثرات اسپینی ادب تک پہنچے اور قصہ موریسیکیہ اسی تصنیف سے استفادہ کر کے لکھا گیا ہے۔

اندلس میں نثری پیرایہ میں مقامہ بھی لکھے گئے جن میں بعض نے الحریری کے اسلوب اور بیان سے استفادہ کیا۔ اس صنف میں السرقسطی کے ''**المقامات اللزومية**'' بہت مشہور ہوئے۔

اسی طرح اندلس میں لکھے گئے سفر ناموں میں ابو حامد الغرناطی اور ابن جبیر کے سفر ناموں کو اندلسی نثری ادب میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔

5.8 امتحانی سوالات کے نمونے

ا۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات تیس سطروں میں لکھیے۔

1۔ اندلس میں نثر فنی کے ارتقا پر روشنی ڈالیے۔

2۔ اندلس کی نثر نگاری کے کن اصناف پر ادبا نے توجہ دی؟ وضاحت کیجیے۔

3۔ ''**رسالة التوابع والزوابع**'' پر تفصیل سے روشنی ڈالیے۔

4۔ ''**طوق الحمامة**'' پر مفصل بحث لکھیے۔

5۔ ''**قصة حي بن يقظان**'' پر بالتفصیل لکھیے۔

6۔ ابن شہید کی زندگی پر روشنی ڈالیے۔

ب۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات پندرہ سطروں میں تحریر کیجیے۔

1۔ اندلس میں مقامہ کے ارتقا پر روشنی ڈالیے۔

2۔ اندلسی ادب میں ابن زیدون اور اس کی نثر نگاری پر روشنی ڈالیے۔

3۔ ابن طفیل کو فن قصہ میں کیا مقام حاصل ہے؟ بیان کیجیے۔

4۔ ابن بردالاصغر کی زندگی پر روشنی ڈالیے۔

5۔ لسان الدین بن الخطیب کی حیات وخدمات پر نوٹ لکھیے۔

6۔ ابن حزم کی کتاب **طوق الحمامة** عربی ادب میں کس نظر سے دیکھی جاتی ہے؟

7۔ اندلس میں فن خطابت پر نوٹ لکھیے۔

5.9 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

1۔	تاريخ الأدب العربي، عصر الدول والإمارات والأندلس	شوقي ضيف
2۔	الأدب الأندلسي: موضوعاته وفنونه	مصطفى الشكعه
3۔	تاريخ الأدب الأندلسي: عصر سيادة قرطبة	الدكتور إحسان عباس
4۔	الأدب الأندلسي بين التأثر والتأثير	محمد رجب البيومي
5۔	اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج/۱، لاہور ۱۹۸۰ء	

اکائی 6 ''ابن طاؤوس والمنصور'' از: ابن عبدربہ

اکائی کے اجزا

6.1 تمہید

6.2 مقصد

6.3 متن سبق

6.4 صاحب متن کا تعارف

6.5 متن کا ترجمہ

6.6 لغوی تحقیق

6.7 ادبی صنف کا تعارف: صنف کی ہیئت وصورت

6.7.1 متن سبق کا موضوع

6.7.2 متن کی توضیح وتشریح

6.7.3 اسلوبی خصوصیات

6.8 اکتسابی نتائج

6.9 امتحانی سوالات کے نمونے

6.10 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

6.1 تمہید

گذشتہ اکائی میں اندلسی نثرفنی کے ارتقا پر گفتگو کی گئی تھی۔اس اکائی میں بطور نمونہ ایک اندلسی نثر کا اقتباس نقل کیا جارہا ہے جس سے ایک اندلسی نثر نگار کے اسلوب کا بخوبی اندازہ ہوگا۔اس بلاک کی دوسری اکائیوں میں مزید نثری شہ پاروں پر گفتگو ہوگی جس سے اندلسی نثر نگاری کے سرمایے پر اور وہاں کے نثر نگاروں پر ایک نظر پڑ جائے گی۔اس اکائی میں جو نثری عبارت منقول ہے وہ اندلس کے مشہور ادیب وشاعر ابو عمر شہاب الدین احمد بن محمد بن عبد ربہ کی مشہور ترین کتاب ''العقد الفريد'' کی پہلی جلد سے ماخوذ ہے۔اس کتاب کو بعض ناشرین نے سات اور بعض نے آٹھ جلدوں میں شائع کیا ہے۔

6.2 مقصد

یہ اکائی ''العقد الفريد'' کی پہلی جلد سے ماخوذ ایک اقتباس پر مبنی ہے، اس کو پڑھنے کے بعد جہاں ایک طرف ہم اندلس کے عظیم مصنف کے بہترین عربی نثری اسلوب سے واقف ہوں گے وہیں دوسری طرف صاحب اقتباس نے اس واقعہ کو رقم کر کے یہ بتانا چاہا کہ عہد عباسی کے مشہور بادشاہ ابو جعفر المنصور کے دربار میں ابن طاؤس نے کس طرح سے جرأت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے نصیحت کی اور تلوار کے سایے میں بھی بادشاہ کو انصاف کرنے کی نصیحت کی حتی کہ امام مالکؒ جو کہ اس وقت ان کے ساتھ موجود تھے ان کی بلندیٔ مرتبت کے قائل ہو گئے۔

6.3 متن سبق

زياد عن مالک بن أنس قال: أرسل أبو جعفرٍ المنصور إليَّ وإلى ابن طاؤوس ، فأتيناه، فدخلنا عليه ، فإذا هو جالسٌ على فرشٍ قد نُضِّدتْ ، وبين يديه أَنْطَاعٌ قد بَسطتْ ، وجلاوِزَةٌ بأيديهم السيوفُ يضربون الأعناقَ فَأَوْمأَ إلينا أن اجْلسا، فجلسنا، فأطرق عنا طويلاً، ثم رفع رأسَه، والتفتَ إلى ابن طاؤوس، فقال له: حدِّثْني عن أبيک، قال: نعم! سمعتُ أبي يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أشدَّ الناس عذاباً يومَ القيامةِ رجلٌ أشركه الله في حكمه، فأدخل عليه الجورَ في عدلِه''، فأمسک ساعةً، قال مالک: فضممتُ ثيابي مخافةَ أن يملأَني من دمه، ثم التفت إليه أبو جعفر، فقال: عِظْنِيْ يا بنَ طاؤوس، قال نعم! يا أمير المؤمنين، إن الله تعالىٰ يقول: {أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِعَادٍ (٦) إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ (٧) الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِيْ الْبِلَادِ (٨) وَثَمُودَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ (٩) وَفِرْعَوْنَ ذِيْ الْأَوْتَادِ (١٠) الَّذِيْنَ طَغَوْا فِيْ الْبِلَادِ (١١) فَأَكْثَرُوا فِيْهَا الْفَسَادَ (١٢) فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّکَ سَوْطَ عَذَابٍ (١٣) إِنَّ رَبَّکَ لَبِالْمِرْصَادِ (١٤)} [الفجر: ٦-١٤] قال مالک: فضممت ثيابي من ثيابه مخافة أن يملأ ثيابي من دمه، فأمسک ساعة حتى اسْوَدَّ مابيننا وبينه، ثم قال: يا بن طاؤوس ناوِلنِيْ هذه الدواةَ، فأمسک عنه، (ثم قال: ناولني هذه الدواة، فأمسک عنه) ، فقال: ما يمنعکَ أن تُنَاوِلَنِيْهَا؟ قال: أخشىٰ أن تكتبَ بها معصيةً لله، فأكونَ شريکَکَ فيها، فلما سمع ذلک قال: قُوماَ عَنِّيْ، قال ابن طاؤوس: ذلک ما كنا نَبغي (منذ اليوم)۔قال مالک: فما زلتُ أعرف لابْنِ طاؤوسٍ فضلَه۔

6.4 صاحب متن کا تعارف

ابن عبد ربہ:

یوں تو صاحب اقتباس "ابن عبد ربہ" سے مشہور ہوا، مگر اس کا پورا نام ابو عمر شہاب الدین احمد بن ابو عمر محمد بن عبد ربہ بن حبیب بن حدیر بن سالم القرطبی الاندلسی المالکی ہے اور اس کی پیدائش قرطبہ میں ۱۰/ رمضان المبارک ۲۴۶ھ بمطابق ۲۹/ نومبر ۸۶۰ء کو ہوئی۔

اس کے اجداد میں سے سالم اور بعض کے نزدیک حدیر، ھشام بن عبدالرحمن الداخل اموی کا غلام تھا۔ اس کی شہرت اس کی زندگی میں ہی پھیل گئی تھی اور اسے قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ یوں تو موسیقی اور طب میں بھی اسے دلچسپی تھی مگر اپنی شاعری اور ادب سے شہرت کی بلندیوں پر پہنچا اور ایک شاعر اور ادیب کی حیثیت سے اسے سماج میں مقام حاصل ہوا اور فواد بستانی نے اسے کثیر العلم ادیب گردانا، اگرچہ وہ ایک ایسے عام خانوادہ سے تعلق رکھتا تھا جو کہ اموی حکمراں ھشام کے عہد تک امویوں کے موالی میں سے تھا۔ لیکن ابن عبد ربہ کو اس کی تصنیف "**العقد الفرید**" نے اسے شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیا۔ حاجی خلیفہ نے اپنی کتاب "**کشف الظنون**" میں ابن کثیر کا قول نقل کیا ہے جس میں ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس کے بعض کلام تشیع پر دلالت کرتے ہیں۔ ابتدائی تعلیم کے لیے اس کے والد نے اسے ایک مکتب میں بھیجا، پھر مزید تعلیم کے لیے اس نے جامع قرطبہ کا رخ کیا اور فقہ، حدیث اور زبان کے مختلف اساتذہ سے علم حاصل کیا، ان کے اساتذہ میں الخشنی بقی بن مخلد بن فرید، محمد عبدالسلام قرطبی اور ابن وضاح کا نام قابل ذکر ہے۔

جیسا کہ یہ بات ذکر ہو چکی ہے کہ ابن عبد ربہ کی جائے پیدائش قرطبہ ہے، قرطبہ اس وقت اندلس کے بڑے شہروں میں سے تھا، بہت حد تک اس کی تشبیہ مشرق کے بغداد شہر سے دی جاتی تھی۔ صاحب نفح الطیب مقری نے جہاں ایک طرف قرطبہ، الزھرۃ اور الزاھراء کی پرشکوہ عمارتوں کا اور ان کی دور تک پھیلنے والی روشنی کا ذکر کیا ہے اور ان شہروں کی تہذیب وثقافت پر روشنی ڈالی ہے تو دوسری طرف ان پھولوں، خوشبوؤں اور لہلہاتے باغات کا بھی ذکر کیا ہے جن سے وہاں کی فضا خوشگوار اور معطر رہتی تھی۔

ظاہر ہے اسی گل و گلاب سے معطر فضا میں ابن عبد ربہ نے نشو و نما پائی تھی اور اسی شہر کے فطری اور خوشگوار ماحول میں جوانی کے ایام گذارے تھے اور اس ماحول میں اس نے شعر گوئی میں دلچسپی دکھائی۔ لہو و لعب اور طرب و غنا کی طرف بھی مائل ہوا اور اس میں دلچسپی رکھنے والے لوگ مختلف عرب علاقوں سے قرطبہ آئے کیونکہ قرطبہ اس وقت ایک مرکزی شہر کی حیثیت رکھتا تھا اور بعد میں اشبیلیہ طرب و غنا کا مرکز بن گیا اور قرطبہ کو علم وفقہ کے شہر کی حیثیت سے جانا جانے لگا اور آہستہ آہستہ یہ شہر ادب اور علوم دینیہ کا ایک بڑا مرکز بن گیا۔ ابن عبد ربہ نے اپنی زندگی کی چوتھی دہائی میں فقہ میں دلچسپی دکھائی اور گمرہی سے تائب ہو گیا۔

ابن عبد ربہ کا تعلق اس کے اپنے زمانے کے امرا سے بھی رہا اور اس نے امیر قرطبہ محمد بن عبدالرحمن الحکم کی مدح بھی کی، اسی طرح سے اس کا تعلق اس کے بیٹے المنذر سے بھی تھا اسی طرح اشبیلیہ کے امیر ابراہیم بن حجاج سے بھی اس کا خاص تعلق تھا جو کہ ایک سخی امیر تھا اور ادبا و شعرا کی حوصلہ افزائی کرتا تھا، یہی وجہ تھی کہ اندلس کے بہت سارے علما اور شعرا اشبیلیہ آ گئے تھے۔ ابن عبد ربہ کے تعلقات عبدالرحمن الناصر سے بھی تھے، یہ وہی بادشاہ ہے جس نے "مدینۃ الزھراء" کی تعمیر کی۔ ابن عبد ربہ نے اس کی مدح میں بھی کئی قصیدے لکھے جن میں سے اس کا وہ مشہور قصیدہ ہے

جس کواس نے **العقد الفرید** میں شامل کیا ہے۔

ابن عبدربہ زندگی کے آخری سالوں میں فالج زدہ ہوگیا جیسا کہ اسی مرض کا شکار اس سے پہلے جاحظ ہوا تھا اور اس کے بعد ابوالفرج اصفہانی بھی اسی مرض کا شکار ہوا، ابن عبدربہ چند سال اس بیماری میں مبتلا رہا، اس کے بعد ۱۸/جمادی الاولی ۳۲۸ھ مطابق ۳/مارچ ۹۴۰ء کو اس کی وفات ہوگئی اور اسے قرطبہ کے مقبرہ بنی العباس میں دفن کیا گیا۔

ابن عبدربہ نے شعرگوئی میں دلچسپی کے ساتھ ساتھ نثر نگاری میں بھی اپنے جوہر دکھائے، گو کہ موضوع بحث یہاں اس کی نثر نگاری ہے، لیکن چونکہ وہ ایک شاعر بھی تھا اس لیے اس کی شاعری کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔ ابتدا میں اس نے تشبیب ونسیب اور خمریات سے متعلق اشعار کہے۔ یہ اس کے ایام شباب کی شاعری تھی۔ اس کے پہلے دیوان میں اس طرح کی شاعری کی عکاسی ہوتی ہے، مگر بعد میں تشبیب ونسیب سے ہٹ کر ان ہی قوافی وبحور میں جن میں غزلیات کہہ چکا تھا زہد ومواعظ کے اشعار قلم بند کیے اور اس مجموعے کا نام "**الممحصات**" رکھا، متنبی جیسے عظیم شاعر نے اسے "**مليح الأندلس**" کے لقب سے نوازا اور ثعالبی نے اس کا موازنہ مشرق میں متنبی جیسے شاعر سے کیا ہے اور ابن شہید نے معانی اور بدیع پر قدرت کے ساتھ ساتھ متانت شعری میں اس کی تعریف کی، مگر بعض اشعار میں تصنع بھی پایا جاتا ہے۔

ابن عبدربہ کی سب سے اہم تالیف "**العقد الفريد**" ہے، گو کہ اس کی ایک اور کتاب کا ذکر حاجی خلیفہ نے کیا ہے جس کا نام "**اللباب في معرفة العلم والأدب**" ہے۔

ابن عبدربہ نے اپنی اس کتاب کا نام صرف "**العقد**" ہی رکھا تھا۔ چنانچہ فتح ابن خاقان، یاقوت اور ابن خلکان وغیرہ نے اس کا یہی نام دیا ہے، لیکن بعد کے ادبا اس کی یکتائی اور عظمت کے پیش نظر "**الفريد**" کا لفظ بڑھا کر اسے **العقد الفريد** کہنے لگے اور اب یہ کتاب اسی نام سے مشہور ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کلمہ کا اضافہ سب سے پہلے "**المستطرف**" کے مصنف **الأبشيهي** نے کیا۔

یہ کتاب عربی ادب کی ان تالیفات میں شمار ہوتی ہے جن میں نثر ونظم، نقد ونظر اور تاریخ ادب کے ساتھ ساتھ عربی ثقافت کا ذکر ملتا ہے۔ اس سلسلے کی مشرق میں جہاں ایک طرف جاحظ کی "**البيان والتبيين**"، المبرد کی "**الكامل**" اور ابوالفرج الاصفہانی کی "**الأغاني**" نمائندہ کتابیں سمجھی جاتی ہیں تو دوسری طرف ابن عبدربہ کی "**العقد الفريد**" مغرب (اندلس) میں اس کی نمائندگی کرتی ہے۔

یہ کتاب عربی ادب کی ایک ایسی انسائیکلوپیڈیا ہے جس میں تاریخ وطب، سیرت ادبا، شعری ونثری منتخبات، خود اس کی شاعری، بلاغت و فصاحت کی بحثیں، عروض اور علم الالحان سے متعلق گفتگو اور اخلاق وعادات جیسی مختلف چیزوں پر بحث کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض ادبا نے اسے مغرب میں اپنے وقت کا امام ادب کا لقب دیا ہے اور خواہ کوئی ادیب ہو کہ مؤرخ، اہل لغت ہو کہ نحوی، عروض پر بحثیں کرنے والا ہو یا کہ اخلاق و عادات پر گفتگو کرنے والا ہو سبھی اس کا مطالعہ کرتے ہیں۔

ابن عبدربہ پیدا مغرب میں ہوا اور وہیں پروان چڑھا، لیکن حیرت ہے کہ اس کی اس کتاب کا تمام تر مواد مشرقی لوگوں کے افکار پر مشتمل ہے، یہی وہ سبب ہے جس کی بنیاد پر ابن عباد نے "**العقد الفريد**" پڑھنے کے بعد ایک مشہور جملہ کہا تھا، "**هذه بضاعتنا ردت إلينا**" "یہ تو ہمارا ہی مال ہے جو ہمیں لوٹا یا گیا ہے" اس کتاب کی ترتیب کچھ اس نوعیت کی ہے کہ اس سے استفادہ میں مشکل پیش آتی تھی چنانچہ ڈاکٹر محمد شفیع نے فہرست مرتب کر کے یہ مشکل دور کر دی۔

ابن عبدربہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب کو پچیس ابواب میں منقسم کیا ہے اور ہر ایک باب کو مالا کے کسی خوب صورت موتی سے موسوم کیا ہے۔ جیسا کہ "اللؤلوة في السلطان"، الفريدة في الحروب ومدار أمرها۔ الزبرجدة في الأحواد و الأصفاد ۔ الجمانة في الوفود۔ المرجانة في مخاطبة الملوک۔ الياقوتة في العلم والأدب۔ الجوهرة في الأمثال۔ الزمرة في المواعظ والزهد۔ الدرة في المعازي والمراثي۔ اليتيمة في النسب وفضائل العرب۔ العسجدة في كلام العرب۔ المجنة في الأجوبة، وغیرہ۔

یہ کل بارہ ابواب ہوئے اور تیرہویں باب کا نام "الواسطة في الخطب" رکھا، اس طرح سے اس تیرہویں باب کے دونوں طرف بارہ بارہ ابواب یا مالے کے موتی ہوئے اور آخر کے بارہ موتی یا ابواب شروع کے بارہ ابواب کے مقابل اس طرح سے رکھا ہے کہ مالے کے پہلے موتی اور آخری موتی یعنی پچیسویں موتی کے نام ایک ہوگئے ہیں۔ صرف فرق اتنا ہے کہ لفظ "الثانية" آخر کے بارہ میں بڑھا دیا ہے اور موضوع بدل گیا ہے جیسے "اللؤلوة في السلطان" پہلا باب ہے "اللؤلوة الثانية في النتف والهدايا والفكاهات والملح" پچیسواں باب ہے۔ ان ابواب کی فہرست درج ذیل نہج پر بنائی جاسکتی ہے:

أبواب العقد (الأولىٰ)	أبواب العقد (الثانية)
١ ـ اللؤلؤة في السلطان	٢٥ ـ اللؤلؤة الثانية في النتف والهدايا والفكاهات والملح
٢ ـ الفريدة في الحروب ومدار أمرها	٢٤ ـ الفريدة الثانية، الطعام والشراب
٣ ـ الزبرجدة في الأجواد والأصفاد	٢٣ ـ الزبرجدة الثانية، بيان طبائع الإنسان وسائر الحيوان وتفاضل البلدان
٤ ـ الجمانة في الوفود	٢٢ ـ الجمانة الثانية في المتنبئين والممرورين
٥ ـ المرجانة في مخاطبة الملوک	٢١ ـ المرجانة الثانية في النساء وصفاتهن
٦ ـ الياقوتة في العلم والأدب	٢٠ ـ الياقوتة الثانية في علم الألحان واختلاف الناس فيه
٧ ـ الجوهرة في الأمثال	١٩ ـ الجوهرة الثانية أعاريض الشعر وحلل القوافي
٨ ـ الزمردة في المواعظ والزهد	١٨ ـ الزمردة الثانية في فضائل الشعر ومقاطعه ومخارجه
٩ ـ الدرة في المعازي والمراثي	١٧ ـ الدرة الثانية في أيام العرب ووقائعهم
١٠ ـ اليتيمة في النسب وفضائل العرب	١٦ ـ اليتيمة الثانية في زياد والحجاج والطالبيين والبراكمة
١١ ـ العسجدة في كلام الأعراب	١٥ ـ العسجدة الثانية في الخلفاء وتواريخهم وأيامهم
١٢ ـ المجنبة في الأجوبة	١٤ ـ المجنبة الثانية في التوقيعات والفصول وأخبار الكتبة
١٣ ـ الواسطة في الخطب	

ابن عبدربہ نے ہر باب کو لفظ کتاب سے تعبیر کیا ہے مثلاً "كتاب اللؤلؤة في السلطان" اور پھر ان ابواب میں اس نے سیاست و

حکومت، جنگ اوراس کا دارومدار، امثال وموعظت کی باتیں تعزیت ومرثیہ، عربوں کے خطبے اوران کے اشعار، علوم وآداب اورعربوں کے مشہور قائدین اوران کے امرا کے سلسلے میں گفتگو کی ہے اورقرآنی آیات، احادیث نبوی، اشعاراور تاریخی واقعات کو بھی نقل کیا ہے اوران معلومات کوادبی اسلوب میں پیش کیا ہے، بالجملہ اس کی اس کتاب میں ایک ایساادبی رنگ ہے جسے قاری بخوبی محسوس کرتا ہے، اس نے اپنی اس کتاب میں جاہلی دور سے لے کرعباسی دور کے تقریباً دوسوشعرا کے دس ہزار سے زیادہ اشعارکوشامل کیا ہے اورشاید وباید ہی ان ادوارکا کوئی مشہور ومعروف شاعر رہا ہوجس کا ذکراس نے نہ کیا ہو۔

ابن عبدربہ اپنی اس کتاب میں صرف ایک ناقل کے طور پر ہی نظرنہیں آتا بلکہ اس کی اپنی رائے اوراپنا ذوق جگہ جگہ دکھائی دیتا ہے۔اس کتاب میں تنقیدی بحثوں کے ساتھ ساتھ دینی امور پر بھی گفتگو کی گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کتاب میں بہت سارے فقہا اوران کے اقوال بھی ہیں۔موضوعات کے تنوع سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں معلومات کا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔اس کتاب نے اہل اندلس کو اہل مشرق سے متعلق بیش قیمت معلومات فراہم کیں، اس کا اسلوب وضاحت وسلاست پر مبنی ہے مگرکہیں کہیں سجع کا استعمال بھی کیا گیا ہے۔

اس کتاب کی تالیف میں مؤلف نے جن معروف مصادر سے استفادہ کیا ہے ان میں ابن قتیبہ کی ''**عیون الأخبار**''، جاحظ کی ''**البیان والتبیین**'' اور ''**البخلاء**''، ابن ہشام کی ''**السیرة النبویة**''، الاصمعی اورالشیبانی کی مرویات اورابن مقفع کی ''**کلیلة ودمنة**'' شامل ہیں۔

العقد الفرید کومصری مطبع ''**بولاق**'' نے ۱۲۹۳ھ مطابق ۱۸۷۶ء میں شائع کیا پھرمصر کے مختلف مطابع اورخوداس مطبع نے اس کو مختلف اوقات میں شائع کیااور یہ کتاب بیروت سے مفید **محمد قمیحة** کی ایڈیٹنگ کے ساتھ بھی شائع ہوئی۔

اس کتاب کے مختلف خلاصے بھی لکھے گیے جیسے ابواسحاق ابراہیم کی ''**مختصر العقد**''، عبدالحکم محمد وغیرہ کی ''**مختار العقد الفرید**'' اور فواد افرام بستانی کی ''**اختیارات من العقد الفرید**'' وغیرہ، اس طرح فرانسیسی مستشرق ٹورنل "Tournel" نے اصل کتاب کے بعض حصوں کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کرکے انھیں متن کے بغیر شائع کیا۔

6.5 اقتباس کا ترجمہ

زیاد نے مالک ابن انس سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ ابوجعفر المنصور نے مجھے اورابن طاؤوس کو بلایا لہٰذا ہم دونوں حاضر ہوئے وہ ترتیب سے بچھی ہوئی قالین پر بیٹھا تھااوراس کے سامنے چمڑے کا بچھونا مجرموں کوقتل کرنے کے لیے بچھا ہوا تھااور گردن زدنی کرنے والے پولیس کے افراد موجود تھے،ہمیں ابوجعفر نے بیٹھنے کا اشارہ کیااور ہم بیٹھ گئے، بہت دیر تک ہماری طرف متوجہ نہیں ہوا، پھرسراٹھایااورابن طاؤوس کی طرف متوجہ ہوکرکہا: اپنے والد کے بارے میں مجھے بتایئے۔انھوں نے کہا جی میں نے اپنے والد سے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے دن سخت ترین عذاب اس شخص پر ہوگا جس کواللہ نے اپنی سلطنت عنایت فرمائی اوراس نے ناانصافی کرکے ظلم کیا''۔وہ تھوڑی دیر خاموش رہا؛ مالکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے کپڑوں کوان کے کپڑوں سے اس ڈر سے سمیٹ لیا کہ وہ خون آلود کردیں گے۔پھرابوجعفران کی طرف متوجہ ہوا اورکہا کہ اے ابن طاؤوس مجھے نصیحت کرو۔انھوں نے کہا: ہاں امیرالمومنین! بلاشبہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''تم نے نہیں دیکھا کہ تمھارے رب نے کیا برتاؤ کیا بڑے ستونوں والے عاد ارم کے ساتھ جن کے مانند کوئی قوم سارے شہروں میں پیدا نہیں کی گئی اورثمود کے ساتھ جنھوں نے وادی

میں پتھروں کو تراشا اور میخوں والے فرعون کے ساتھ؟ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے ملکوں میں سرکشی کی اور ان میں بہت فساد پھیلایا، پھر تیرے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا بے شک ترا رب گھات میں لگا ہے۔'' (الفجر ۶۔ ۱۴)

امام مالک نے کہا کہ میں نے اپنے کپڑوں کو ان کے کپڑوں سے سمیٹ لیا اس ڈر سے کہ کہیں وہ خون آلود کر دیں گے، المنصور تھوڑی دیر خاموش رہا یہاں تک اس کے اور ہمارے درمیان تاریکی چھا گئی اور پھر اس نے کہا: اے ابن طاؤس! اس دوات کو مجھے دو تو انھوں نے ایسا نہیں کیا، دوبارہ اس نے کہا: یہ دوات مجھے دو، پھر بھی وہ رکے رہے تو منصور نے کہا کہ کس چیز نے تم کو اس دوات کو مجھے دینے سے روک رکھا ہے؟ انھوں نے کہا: مجھے اس چیز کا ڈر ہے کہ اس سے اللہ کی معصیت میں جو کچھ بھی آپ لکھیں گے میں اس میں شریک ہو جاؤں گا اور جب اس نے اس بات کو سنا تو کہا کہ تم دونوں اٹھو اور مجھ سے دور ہو جاؤ۔ ابن طاؤس نے کہا آج سے میں یہی چاہتا تھا۔ مالکؒ نے کہا: میں ابن طاووس کے فضل کا معترف ہو گیا۔

6.6 لغوی تحقیق

بعثه: (ف) بَعثاً و تَبعاثاً: أرسله وحده: تنہا بھیجنا اور بعثه اليه وله: أرسله: اس نے اس کو بھیجا

فراش: جمع: أفرشة و فُرُش، مايُفرَشُ: بچھونا

نَضَّد المتاع: نسقهٔ، رتبه، سامان کو ترتیب سے رکھنا

نَطْع و نِطعٌ و نَطَع و نِطَع، ج: أنطاع و نُطُوع: بساط من الجلد كثيراً ما كان يقتل فوقه المحكوم عليه بالقتل،

چمڑے کا فرش جو مجرم کو قتل کرنے کے لیے بچھایا جائے۔

جِلْوَاز: جمع: جلاوزة، شرطي؛ سپاہی

أطرق: أطرق رأسه: سر جھکایا، نگاہ جھکا کر زمین کی طرف دیکھا

عُنُق: جمع: أعناق: رقبة وصلة بين الرأس والبدن، يذكر ويؤنث: گردن

ضم (ن) ضما: ضم الشيء: جمع کرنا، ضم الشيء إليه: اپنی طرف کھینچنا

عاد: اسم رجل من العرب الأوائل وبه سميت قبيلة وكان من أجداده إرم: اوائل عرب میں ایک شخص کا نام تھا جس کی طرف یہ قوم منسوب ہوئی اور اس کے اجداد میں ایک شخص ارم نامی تھا۔

عماد: جمع عَمَد و عُمُد، واحد، عمادة، كلا ما رفع شيئا، جس کا سہارا لیا جائے۔ یہاں ذات العماد سے مراد ستون کھڑے کر کے بڑی بڑی اونچی عمارت بنانے یا یہ مطلب ہے کہ اکثر سیر و سیاحت میں رہتے اور اونچے ستونوں پر خیمے تانتے تھے اور بعض کے نزدیک ذات العماد کہہ کر ان کے اونچے قد و قامت اور ڈیل وڈول کو ستونوں سے تشبیہ دی ہے واللہ اعلم۔

جَابَ (ن) جَوباً: جاب الصخرة: نقبها، چٹان کو تراشنا

وتد: جمع: أوتاد: أوتاد الأرض: جبالها، میخ

طغیٰ و طغِي يطغیٰ طَغياً و طُغيانا: غلا في العصيان و أسرف في الظلم،

کفر میں غلو کرنا ظلم اور گناہوں میں حد سے بڑھ جانا

صَبَّ یَصب صباً: صب علیہ البلاءمن صبب، اس نے اس پر مصیبت ڈالی

صب اللہ علیہ صاعقة: اللہ اس کے اوپر بجلی ڈالے

مِرصاد: جمع: مراصد و مراصید، گھات

إسودّ: اسودت الدنیا في عینیه: صار یری کل شئ في الدنیا اسود لما حل به من مصاب؛ کالا ہونا

ناول: ناولهُ الشئ أعطاه إیاه؛ اس نے اس کو وہ چیز دی

6.7 ادبی صنف کا تعارف: ہیئت وصورت

گزشتہ اقتباس ادب کی صنف حکایت یا قصہ کے اس ضمن میں آتا ہے جس میں حقیقت اور واقعیت سے گفتگو ہوتی ہے، حکایت عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں: قصہ، کہانی اس کی جمع حکایات آتی ہے۔ انسانی زندگی میں انس و مدنیت کا مادہ بھر پور ہے، انسان ہمیشہ ایک دوسرے سے مل کر رہنا چاہتا ہے اور اپنی بیتی دوسروں کو سناتا ہے اور دوسرے کی بیتی خود سن کر اپنی فطرت کو سکون دیتا ہے، جب کسی تیسرے کی بات آپس میں کی جاتی ہے تو وہ حکایات کا روپ دھار لیتی ہے، تحریری شکل میں آجانے کے بعد حکایت کی افادیت مزید بڑھ جاتی ہے، اگر وہ بڑھا چڑھا کر اور مافوق الفطرت عنصر کا اضافہ کر کے بیان کی جانے لگے تو داستان کا نام دیا جاتا ہے اور یہ داستانیں اکثر غیر واقعی ہوتی ہیں۔

اس طرح کا حقیقی قصہ بیان کرنے کا مقصد لوگوں کے اندر سچائی پر کسی بھی قیمت پر قائم رہنے کا حوصلہ پیدا کرنا ہے، خواہ سچی بات تلواروں اور سنگینوں کے سایے میں کہنی ہو۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ابن طاؤس نے جو بات سچی سمجھی اس کو بادشاہ وقت کے سامنے کہنے سے گریز نہیں کیا۔ اس لیے کہ قیامت کے دن کے مالک کی طاقت وقدرت کے سامنے ان دنیاوی بادشاہوں کی کوئی حیثیت نہیں اور اس دن سے ڈرنا چاہیے جس دن ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا اور ہر ایک کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے گا۔

6.7.1 متن کے اقتباس کا موضوع

ابن عبدربہ نے اس اقتباس کو 'صاحب فضل اور اہل دین کی بادشاہ کے خلاف جرأت پر اس کی بردباری' کے تحت لکھا ہے، اس اعتبار سے اس کا موضوع ''بادشاہ کی بردباری'' ہوا، جیسا کہ ابن طاؤس نے ابوجعفر المنصور کو بے خطر نصیحت کی اور دوات دینے کے اس کے حکم کو نہیں مانا، اس کے باوجود بادشاہ نے ابن طاؤس کو کوئی سزا نہیں دی، مگر وہیں اس کا موضوع یہ بھی بن سکتا ہے ''بادشاہ کے دربار میں صاحب فضل اور اہل دین کی جرأت مندی'' کیونکہ بادشاہ نے اگر چہ کوئی سزا تو نہیں دی مگر اس سے بھی بڑی بات یہ ہے کہ گردن زدنی سے ڈرے بغیر بادشاہ کو خود اس کے سامنے پوری جرأت مندی سے نصیحت کی اور دوات دینے کے حکم کو بھی نہیں مانا۔

6.7.2 متن کی توضیح وتشریح

جیسا کہ پہلے یہ بتایا جا چکا ہے کہ یہ اقتباس ابن عبدربہ کی مشہور کتاب ''**العقد الفرید**'' کی پہلی جلد سے ماخوذ ہے جس میں اہل دین اور

صاحب فضل کی جرأتمندی اور بادشاہ کی بردباری کو بیان کیا گیا ہے، اس اقتباس کی تشریح سے پہلے ان دوشخصیات پر ایک نظر ڈالتے ہیں جن کے درمیان یہ واقعہ پیش آیا:

ابن طاؤس: پورا نام عبداللہ بن کیسان الھمدانی (۱۳۴ھ) ہے جن کا شمار یمن کے مشہور فقہا اور رجال حدیث میں ہوتا ہے، امرا و خلفا کو نصیحت کرنے میں اپنی جرأت مندی سے بھی جانے جاتے ہیں۔

ابوجعفر المنصور: ابوجعفر عبداللہ بن محمد (۹۵ھ۔۱۵۸ھ) جو المنصور نام سے مشہور ہوا۔ یہ دوسرا عباسی خلیفہ تھا۔مگر اسے عباسی سلطنت کا حقیقی بانی بھی کہا جاتا ہے جب کہ اس سلطنت کا بانی اس کا بھائی ابوالعباس عبداللہ السفاح ہے۔

ابن طاؤس اور المنصور کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ خواہ سنگینوں کے سایے میں نصیحت کرنی ہو پوری سچائی اور دیانت داری سے نصیحت کرنا چاہیے اور ہمیشہ ڈر مالک حقیقی کا ہونا چاہیے۔ یہ دنیوی بادشاہتیں ایک دن ختم ہوجائیں گی اور ''مالک یوم الدین'' کے سامنے ایک دن حاضر ہونا ہے تو اگر کسی کو اللہ تعالیٰ نے سلطنت عطا کی ہے تو اس میں ظلم نہ کرے بلکہ انصاف کرے، اگر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ سلطنت میں کوئی بادشاہ ظلم و جور کرتا ہے تو روز قیامت اس سے باز پرس ہوگی اور اسے سخت ترین عذاب دیا جائے گا۔ تاریخ عالم کے مطالعہ سے یہ بات پتہ چلتی ہے کہ جب بھی کسی نے ظلم کی چکی چلائی اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ سلطنت میں فساد برپا کیا تو خواہ وہ خود کتنا ہی طاقتور رہا ہو اور اس کی قوم خواہ کتنی طاقتور اور رفیع المنزلت رہی ہو، اللہ نے اس کو اپنی گرفت میں لے لیا اور تباہ کردیا اور وہ لوگوں کے لیے عبرت کا سامان بن کررہ گئے۔ اس سلسلے میں آگے چل کر ابن طاؤس ان قرآنی آیات کو پیش کرتے ہیں جن میں فساد فی الارض (زمین میں بگاڑ پیدا کرنے) کی بنا پر اپنے وقت کی طاقتور قوموں کو اللہ نے تباہ کردیا۔

مذکورہ بالا اقتباس میں سورۃ الفجر کی آیت ٦ سے ١٤ تک کو نقل کیا گیا ہے۔ جن میں انسانی تاریخ سے استدلال کرتے ہوئے بطور مثال عاد و ثمود اور فرعون کے انجام کو پیش کیا گیا ہے کہ جب وہ حد سے گذر گئے اور زمین میں انھوں نے بہت فساد مچایا تو اللہ کے عذاب کا کوڑا ان پر برس گیا۔ ان قوموں نے عیش و دولت اور زور و قوت کے نشہ میں مست ہوکر ملکوں میں خوب اودھم مچایا، بڑی بڑی شرارتیں کیں اور ایسا سر اٹھایا گویا ان کے سروں پر کوئی حاکم ہی نہیں ہے اور ہمیشہ اسی حال میں رہنا ہے؟ اور اس گمان کے ساتھ ایسا فساد مچایا کہ کبھی اس ظلم و شرارت کا خمیازہ بھگتنا نہیں پڑے گا؟ آخر جب ان کے کفر و تکبر اور جور و ستم کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور مہلت و درگزر کا کوئی موقع باقی نہ رہا دفعتاً اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے عذاب کا کوڑا برسا دیا۔ ان کی سب قوت اور بڑائی خاک میں مل گئی اور ان کے ساز و سامان کچھ کام نہ آئے اور بلاشبہ رب کائنات کی ہر چیز پر نظر ہے اور عالم الغیب ہے جیسے کوئی شخص گھات میں پوشیدہ رہ کر آنے جانے والوں کی خبر رکھتا ہے کہ فلاں کیوں کر گزرا اور کیا کرتا ہے اور فلاں کیا لایا اور کیا لے گیا؟ اور پھر وقت آنے پر اپنی ان معلومات کے موافق معاملہ کرتا ہے، اسی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ حق تعالیٰ انسانوں کی آنکھوں سے پوشیدہ رہ کر سارے بندوں کے ذرہ ذرہ احوال و اعمال کو دیکھتا ہے کوئی حرکت و سکون اس سے مخفی نہیں ہاں سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ غافل بندے سمجھتے ہیں کہ بس کوئی دیکھنے اور پوچھنے والا نہیں جو چاہو بے دھڑک کیے جاؤ۔ حالانکہ وقت آنے پر ان کا سارا کچا چٹھا کھول کر رکھ دیتا ہے اور تب پتہ لگتا ہے کہ وہ سب ڈھیل تھی اور بندوں کا امتحان تھا کہ دیکھیں کن حالات میں کیا کچھ کرتے ہیں اور ایک مہلت کے بعد بالآخر اللہ تعالیٰ کا

عذاب ان پر آ ہی گیا اور یہ قومیں خواہ کتنی ہی طاقتور تھیں اللہ کی قدرت کے سامنے ان کی کوئی حقیقت نہیں اور یہ حکومت اور یہ وقتی مال و دولت اللہ تعالیٰ جب چاہے چھین لے۔

اس اقتباس میں ابن طاؤس نے یہ کہنا چاہا ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو سلطنت عطا کی ہے اس میں عدل وانصاف سے کام لیجیے اور ظلم و ستم سے باز رہنے کی نصیحت کی ہے، اس کے بعد المنصور کا دوات کا مانگنا اور ابن طاؤس کا دوات نہ دینے والے واقعہ کو ابن عبدربہ نے نقل کیا ہے، اس مسئلے میں ابن طاؤس نے حد درجہ احتیاط سے کام لیا ہے اور یہ بتانا چاہا ہے کہ اگر میں آپ کو دوات دے دیتا اور آپ اس کے ذریعے اللہ کی معصیت کرتے تو میں بھی ''تعاون علی الاثم،، کا مرتکب ہو جاتا۔

6.7.3 اسلوبی خصوصیات

اس اقتباس کا اسلوب تکلف سے پاک بلکہ وضاحت اور سلاست سے زیادہ قریب ہے ابن عبدربہ نے اس واقعہ کو پیش کرنے میں عربی زبان وادب کا پورا خیال رکھا ہے، جہاں ایک طرف یہ سبق آموز واقعہ ہے وہیں دوسری طرف عمدہ اور سلیس اسلوب اس میں چار چاند لگا دیتا ہے۔

6.8 اکتسابی نتائج

اس سبق آموز قصہ کو پڑھنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ آدمی حق بات کہنے سے کبھی گریز نہ کرے، خواہ سنگینوں کے سایے میں ہی کیوں نہ کہنی پڑے، جیسا کہ ابن طاؤس نے بغیر کسی خوف کے المنصور کے دربار میں اس کے سامنے ایک بادشاہ کی کیا ذمہ داری ہے اسے پوری جرأت مندی سے بیان کیا اور یہ بتایا کہ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ طاقت کے زعم میں اگر کسی نے بھی زمین پر فساد برپا کیا تو اس کا حشر موجب عبرت بن گیا، اس لیے اگر کسی کو سلطنت ملی ہے تو اسے انصاف سے کام لینا چاہیے۔ اس قصہ کا اسلوب سلیس، واضح اور زبان وادب کے فنی معیار پر کھرا اترتا ہے۔

6.9 امتحانی سوالات کے نمونے

ا۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جواب تیس سطروں میں لکھیے۔

ا۔ ابن عبدربہ کی زندگی پر روشنی ڈالیے۔

۲۔ ''العقد الفرید'' پر سیر حاصل گفتگو کیجیے۔

۳۔ سورۃ الفجر کی آیت نمبر ۶ سے ۱۴ تک کی تشریح کیجیے اور بتائیے کہ ان آیات کو یہاں کس لیے پیش کیا گیا ہے؟

ب۔ مندرجہ ذیل سوالوں کے جواب پندرہ سطروں میں تحریر کیجیے۔

ا۔ ''العقد الفرید'' کو عربی ادب میں کیا مقام حاصل ہے؟

۲۔ ابن عبدربہ کا اس قصے کو نقل کرنے کا کیا مقصد ہے؟

۳۔ مذکورہ بالا اقتباس کا ترجمہ کیجیے۔

يناه، فدخلنا عليه ، فإذا هو جالس على فرشٍ قد نُضِدتْ ، وبين يديه أَنْطاعٌ قد بَسطتْ ، وجلاوِزَةٌ بأيديهم السيوفُ يضربون الأعناقَ فأَوْمأَ إلينا أن اجْلسا، فجلسنا، فأطرق عنا طويلاً، ثم رفع رأسَه، والتفتَ إلى ابن طاؤوس، فقال له: حدِّثْني عن أبيك، قال: نعم ! سمعتُ أبي يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أشدَّ الناس عذاباً يومَ القيامةِ رجلٌ أشركه الله في حكمه، فأدخل عليه الجورَ في عدلِه".

۴۔ اندلس کی عربی نثر نگاری میں ابن عبدربہ کا کیا مقام ہے؟

6.10 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

۱۔	العقد الفريد	أحمد بن عبد ربه الأندلسي
۲۔	منثورات من أدب العرب	محمد رابع الحسني الندوي
۳۔	تاريخ الأدب العربي، عصر الدول والإمارات، الأندلس	شوقي ضيف
۴۔	اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، ج۔۱، لاہور ۱۹۸۰ء۔	

اکائی 7 "وصف مجالس ابن الجوزي" از: ابن جبیر الاندلسی

اکائی کے اجزا

7.1 تمہید

7.2 مقصد

7.3 متن سبق

7.4 صاحب متن کا تعارف

7.5 متن کا ترجمہ

7.6 لغوی تحقیق

7.7 ادبی صنف کا تعارف

7.7.1 متنِ سبق کا موضوع

7.7.2 متن سبق کی توضیح وتشریح

7.7.3 متن کی خصوصیات

7.7.4 اسلوبی خصوصیات

7.8 اکتسابی نتائج

7.9 امتحانی سوالات کے نمونے

7.10 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

7.1 تمہید

ادب کی مختلف اصناف میں ایک صنف سفرنامے بھی ہیں، جس میں ادیب سیاح دوران سفر درپیش حوادث وامور اور تاریخی مقامات کا تذکرہ معلومات افزا، بڑے انوکھے، دلچسپ اور پرکشش انداز میں کرتا ہے، جس سے اس جگہ کی تاریخی، تہذیبی اور معاشرتی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے۔ سیاح اس جگہ براہ راست پہنچ کر وہاں کے احوال اور مشاہدات کی منظرکشی نہایت جامع انداز میں کرتا ہے۔ صنف ادب میں سفرناموں کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے، ابن جبیر (وفات: ۶۱۴ھ) کی "تذکار الأخبار عن اتفاقات الأسفار" ابن بطوطہ (وفات: ۷۷۶ھ) کی "تحفة الأنظار في غرائب الأمصار وعجائب الأسفار" وغیرہ سفرنامے عربی میں بہت مشہور ہیں۔ ویسے تو سفرنامے عربی میں بہت ہیں، جن میں مسعودی کی "مروج الذهب"، یعقوبی (المتوفی: ۲۸۴) کی "معجم البلدان"، بیرونی کی "الآثار الباقية" ادریسی کی "نزهة المشتاق في اختراق الآفاق" اور ابوحامد اندلسی کی "تحفة الأصحاب ونخبة الأعجاب" (وفات: ۵۶۴ھ) وغیرہ ہیں۔

یہ سفرنامے بہت جامع ہوتے ہیں، جس جگہ کا ادیب کو سفر درپیش ہوتا ہے وہاں کے سیاسی، سماجی، تہذیبی اور جغرافیائی احوال پر تفصیل سے روشنی پڑتی ہے۔

7.2 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے سے طلبہ کو:

☆ سیاح ابن جبیر کے حالات زندگی سے واقفیت حاصل ہوگی۔

☆ ادب الرحلۃ کا تعارف اور اس کی اہمیت کا علم ہوگا۔

☆ متن سبق کو صحیح پڑھنے کی صلاحیت پیدا ہوگی۔

☆ لغوی تحقیق اور ترجمے کے ذریعے سفرناموں کے فنی محاسن اور ان کی ادبی خصوصیات وامتیازات سے واقف ہوسکیں گے۔

☆ عربی الفاظ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ جمع کرنے کو موقع ملے گا، اس میں استعمال ہونے والی تعبیرات، جغرافیائی حالات، تاریخی مقامات، تہذیبی خصوصیات، رہن سہن اور بود وباش کا علم ہوگا، نیز سفرناموں کے ادبی وبلاغی مقام کا پتہ چلے گا۔

7.3 متن سبق

ثُمَّ شاهَدْنا صَبِيحَةَ يَوْمِ السَّبتِ بَعْدَه مَجلِسَ الشَّيخِ الفَقِيهِ، الإمَامِ الأَوْحَدِ، جَمَالِ الدِّينِ أَبِي الفَضَائِلِ بنِ عَلِيِّ الجَوْزِيِّ، بإزَاءِ دَارِهِ عَلَى الشَطِّ بالجَانبِ الشَرْقِيِّ وَفِيْ آخِرِهِ عَلى اتِّصالٍ مِنْ قُصُوْرِ الْخَلِيْفَةِ وَبِمَقْرُبَةٍ مِنْ بابِ البَصَلِيَّةِ آخِرِ أَبْوَابِ الْجَانِبِ الشَّرقِيِّ، وَهُوَ يَجْلِسُ بِهِ كُلَّ يَوْمِ سَبْتٍ، فَشَاهَدْنَا مَجْلِسَ رَجُلٍ لَيْسَ مِنْ عَمْرٍو وَلاَ زَيْدٍ، وَفِيْ جَوْفِ الفَرا كُلّ الصَّيدِ، آيَةِ الزَّمَانِ، وَقُرَّةِ عَيْنِ الإِيْمَانِ، رَئِيسِ الحَنبَلِيَّةِ، وَالْمَخْصُوصِ فِيْ العُلُوْمِ بالرُّتَبِ العُلِيَّةِ، إِمَامِ الْجَمَاعَةِ، وَفَارِسِ حَلْبَةِ هَذِهِ الصَّنَاعَةِ، وَالْمَشْهُوْدِ لَهُ بِالسَّبَقِ الْكَرِيمِ فِيْ البَلاَغَةِ وَالْبَرَاعَةِ وَمَالِكِ أَزِمَّةِ الْكَلامِ فِيْ النَّظْمِ وَالنَّثْرِ، وَالْغَائِصِ فِيْ بَحْرِ فِكْرِهِ عَلَى نَفَائِسِ الدُّرِّ، فَأَمَّا نَظْمُهُ فَرَضِيُّ الطِباعِ، مِهْيَارِيُّ الانْطِباعِ، وَأَمَّا نَثْرُهُ فَيَصْدَعُ بِسِحْرِ البَيَانِ، وَيُعَطِّلُ الْمَثَلَ بِقُسٍّ وَسُحْبَانَ.

وَمِنْ أَبْهرِ آيَاتِهِ، وَأَكْبرِ مُعْجِزَاتِهِ، أَنَّه يَصْعَدُ المِنْبَرَ وَيَبْتَدِئُ القُرَّاءُ بِالقُرْآنِ، وَعَدَدُهُمْ نَيفٌ عَلَى الْعِشْرِيْنَ قَارِئًا، فَيَنْتَزِعُ الإِثْنَانِ مِنْهُمْ أَوِ الثَّلَاثَةُ آيَةً مِنَ القِرَاءَةِ يَتْلُوْنَها عَلَى نَسَقٍ بِتَطْرِيْبٍ وَتَشْوِيْقٍ، فَإِذَا فَرَغُوْا تَلَتْ طَائِفَةٌ أُخْرَى عَلَى عَدَدِهِمْ آيَةً ثَانِيَةً، وَلَا يَزَالُوْنَ يَتَنَاوَبُونَ آيَاتٍ مِنْ سُوَرٍ مُخْتَلِفَاتٍ إِلَى أَنْ يَتَكَامَلُوا قِرَاءَةً، وَقَدْ أَتَوْا بِآيَاتٍ مُشْتَبِهَاتٍ، لَا يَكَادُ المتَّقِدُ الخَاطِرِ يَحْصُلُها عَدَدًا، أَو يُسَمِّيْهَا نَسَقًا. فَإِذَا فَرَغُوْا أَخَذَ هَذَا الإِمَامُ الغَرِيْبُ الشَّأْنِ فِيْ إِيْرَادِ خُطْبَتِهِ، عَجِلًا مُبْتَدِرًا، وَأَفْرَغَ فِيْ أَصْدَافِ الأَسْمَاعِ مِنْ أَلْفَاظِهِ دُرَرًا، وَانْتَظَمَ أَوَائِلَ الآيَاتِ المقرُوْءَاتِ فِيْ أَثْنَاءِ خُطْبَتِهِ فِقَرًا، وَأَتَى بها عَلَى نَسَقِ القِرَاءَةِ لها، لَا مُقدِّمًا ولاَ مُؤَخِّرًا. ثُمَّ أَكْمَلَ الخُطْبَةَ عَلَى قَافِيَةِ آخِرِ آيَةٍ مِنْهَا. فَلَوْ أَنْ أَبَدَعَ مَنْ فِيْ مَجْلِسِهِ تَكَلَّفَ تَسْمِيَةَ ما قرأَ القُرَّاءُ آيَةً آيَةً عَلَى التَّرْتِيْبِ لَعَجزَ عَنْ ذَلِك، فَكَيْفَ بِمَنْ يَنْتَظِمُها مُرتَجلًا، ويُوْرِدُ الخُطبةَ الغَرَّاءَ بِهَا عَجِلًا! "أَفَسِحْرٌ هَذَ أَمْ أَنْتُمْ لاَ تُبصِرُوْن" فَحَدِّثْ وَلاَ حَرَجَ عَنِ الْبَحْرِ، وهَيْهَاتَ لَيْسَ الخَبرُ عَنْهُ كَالخُبرِ!

ثُمَّ أَنَّهُ أَتَى بَعْدَ أَنْ فرغَ مِنْ خُطْبَتِهِ بِرَقَائِقٍ مِنَ الْوَعْظِ وَآيَاتٍ بيِّنَاتٍ مِنَ الذِّكْرِ، طَارَتْ لَهَا القُلُوْبُ اِشْتِيَاقًا، وَذَابَتْ بِهَا الأَنْفُس اِختِرَاقًا، إِلَى أَنْ عَلَا الضَّجِيْجُ، وَترَدَّدَ بِشَهْقَاتِهِ النَّشِيْجُ، وأَعلَنَ التَّائِبُوْنَ بِالصِّيَاحِ، وَتَسَاقَطُوْا عَلَيْهِ تَسَاقُطَ الفِرَاشِ عَلَى الْمِصْبَاحِ، كُلٌّ يُلقِي ناصِيَته بَيدِه فَيَجُزّهَا، ويَمسَحُ عَلَى رَأْسِه دَاعِيًا لَهُ، ومِنْهُمْ مَنْ يُغشَى عَليْهِ فَيُرفَعُ فِيْ الأَذْرُعِ إِلَيْهِ، فَشَاهَدْنَا هَوْلًا يملأُ النُّفُوْسَ إِنَابَةً وَندامَةً، وَيُذكِّرُهَا هَوْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، فَلَوْ لَمْ نَركَبْ ثَبَجَ البَحْرِ، ونَعْتَسِفْ مَفَازَاتِ القَفْرِ إِلّا لمشَاهَدَةِ مَجْلِسٍ مِنْ مَجَالِسِ هَذَا الرَّجُلِ، لَكَانَتِ الصَّفْقَةَ الرَّابحةَ والوِجهةَ المفلحةَ النَّاجِحَةَ، وَالحَمْدُ للهِ عَلَى أَنْ مَنَّ بِلِقَاءِ مَنْ تَشْهَدُ الجَمَادَاتُ بِفَضْلِهِ، وَيَضِيْقُ الوُجُوْدُ عَنْ مِثْلِهِ.

وفِيْ أَثْنَاءِ مَجْلِسِهِ ذَلِك يَبْتَدِرُوْنَ الْمَسَائِلَ، وَتَطِيْرُ إِلَيْهِ الرِّقَاعُ، فيُجَاوِبُ أَسْرَعَ مِنْ طَرْفَةِ عَيْنٍ. ورُبَّما كَانَ أَكْثَرُ مَجْلِسِهِ الرَّائقِ مِنْ نَتَائِجِ تِلْك المسَائِلِ، وَالْفَضْلُ بِيَدِ اللهِ يُؤْتِيْه مَن يَّشَاءُ، لَا إِلَهَ سَوَاهُ.

ثُمَّ شَاهَدْنَا مجلِسًا ثَانِيًا لَهُ، بُكْرَةَ يَوْمِ الخَمِيْسِ الحَادِيَ عَشَرَ لِصَفرٍ، بِبَابِ بَدْرٍ فِيْ سَاحَةِ قُصُورِ الخَلِيْفَةِ، وَمَنَاظِرُه مُشْرِفَةٌ عَلَيْهِ. وَهَذَا الْمَوْضِعُ المذْكُوْرُ هُوَ مِنْ حَرَمِ الخَلِيْفَةِ، وَخَصَّ بِالوُصُولِ إِلَيْهِ والتَّكَلُّمِ فِيْهِ لِيَسْمَعَهُ مِنْ تِلْك الْمَنَاظِرِ الخَلِيْفَةُ وَالِدَتُهُ وَمَنْ حَضَرَ مِنَ الحَرَمِ. ويُفْتَحُ البَابُ لِلْعَامَةِ فَيَدْخُلُوْنَ إِلَى ذلكَ المَوْضِعِ، وَقَدْ بُسِطَ بِالحَصِيْرِ. وَجُلُوْسُهُ بِهَذَا الْمَوضِعِ كُلَّ يَوْمِ خَمِيْسٍ. فَبَكَّرْنَا لِمُشَاهَدَتِهِ بِهَذَا المجْلِسِ المذْكُوْرِ، وقَعَدْنَا إِلَى أَنْ وَصَلَ هَذَا الحَبْرُ الْمُتَكَلِّمُ، فَصَعِدَ المِنْبَرَ، وَأَرْخَى طَيْلَسَانَهُ عَنْ رَأْسِهِ تَوَاضُعًا لحُرْمَةِ الْمَكَانِ، وَقَدْ تَسَطَّرَ القُرَّاءُ أَمَامَه عَلَى كَرَاسِيّ مَوْضُوْعَةٍ، فَابْتَدَرُوْا القِرَاءَةَ عَلَى التَّرْتِيْبِ، وَشَوَّقُوا مَا شَاءُوا، وَأَطْرَبُوا مَا أَرَادُوْا. وبَدَرَتِ العيُوْنُ بِإِرْسَالِ الدُّمُوْعِ. فَلَمَّا فَرَغُوْا مِنَ الْقِرَاءَةِ، وَقَدْ أَحْصَيْنَا لَهُمْ تِسْعَ آيَاتٍ مِنْ سُوَرٍ مُخْتَلِفَاتٍ، صَدَعَ بِخُطْبَتِهِ الزَّهرَاءِ الغَرَّاءِ، وَأَتَى بِأَوَائِلِ الآيَاتِ فِيْ أَثْنَائِها مُنْتَظِمَاتٍ، وَمَشَى الخُطْبَةَ عَلَى فِقْرَةِ آخِرِ آيَةٍ مِنْهَا فِيْ التَّرْتِيبِ إِلَى أَنْ أَكْمَلهَا، وكَانَتِ الآيَةُ "اللهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهارَ مُبْصِراً إِنَّ اللهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ."

فتَمَادَى عَلَى هَذَا السّنِنِ وحَسَنَ أَيَّ تَحْسِيْنٍ، فَكَانَ يَوْمُهُ فِيْ ذَلِّك أَعْجَبَ مِنْ أَمْسِهِ، ثُمَّ أَخَذَ فِيْ الثَّنَاءِ عَلَى الخَلِيْفَةِ وَالدُّعَاءِ لَهُ وَلِوَالِدَتِهِ، وكَنَى عَنْهَا بِالسِّتْرِ الأَشْرَفِ، وَالجَنَابِ الأَرْأَفِ. ثُمَّ سَلَكَ سَبِيْلَهُ فِيْ الْوَعْظِ، كُلُّ ذَلِك بَدِيْهَةً لاَ رَوِيَّةً، وَيَصِلُ كلامَهُ فِيْ

ذَلِك بِالآيَاتِ المقْرُوءَاتِ عَلَى النَسقِ مَرَّةً أُخرَى. فَأَرْسَلتْ وَابِلَها العيُوْنَ، وأَبْدَتِ النُّفوْسُ سِرَّ شَوقِهَا المكنُونِ وَتُطَارِحُ النَّاسَ عَلَيْهِ بِذُنُوْبِهِم مُعْتَرِفِيْنَ، وَبِالتَّوْبَةِ مُعْلِنِيْنَ، وَطَاشَتِ الأَلْبَابُ وَالْعُقُوْلُ، وكَثُرَ الوَلَهُ وَالذُّهُوْلُ، وصَارَتِ النُّفُوْسُ لاَ تَمْلِكُ تَحْصِيلًا، ولاَ تُمَيِّزُ مَعْقُوْلاً، وَلاَ تَجِدُ لِلصَّبْرِ سَبِيلًا.

ثُمَّ فِيْ أَثْنَاءِ مَجْلِسِهِ يَنْشُدُ بِأَشْعَارٍ مِنَ النَّسِيْبِ مُبَرِحَةَ التَّشْوِيْقِ، بَدِيْعَةَ التَرْقِيْقِ، تَشْعَلُ القُلُوْبُ وَجْدًا، وَيَعُوْدُ مَوْضِعُهَا النَسِيْبِيِّ زُهْدًا. وَكَانَ آخِرُ مَا أَنْشَدَهُ مِنْ ذَلِك، وَقَدْ أَخَذَ المجلِسَ مَأْخَذَه مِنَ الاحترامِ، وَأَصَابَتِ الـمُقَاتِلُ سِهَامَ ذَلِكَ الكَلامِ:

أَيْنَ فُؤَادِيْ أَذَابَهُ الوَجْدُ وَأَيْنَ قَلْبِيْ فَمَا صَحَا بَعْدُ
يَا سَعْدُ زِدْنِي جَوَيْ بِذِكْرِهِمْ بِاللهِ قُلْ لِيْ فَدَيْتُ يَا سَعْدُ

ولم يزَلْ يُرَدِّدُهَا وَالإِنْفَعَالُ قَدْ أَثَّرَ فِيْهِ، وَالْمَدَامِعُ تَكَادُ تَمْنَعُ خُرُوْجَ الْكَلامِ مِنْ فِيْهِ، إِلَى أَنْ خَافَ الإِفْحَامَ، فَابْتَدَرَ القِيَامَ، وَنزَلَ عَنِ المنبرِ دَهِشًا عَجِلاً، وَقَدْ أَطَارَ القلوبَ وَجِلًا، وَتَرَكَ النَّاسَ عَلَى أَحَرِّ مِنَ الجَمرِ، يُشَيِّعُونَهُ بِالمدَامِعِ الحُمْرِ.

فَمِنْ مُعْلِنٍ بِالإِنْتِحَابِ، وَمِنْ مُتَعَفِّرٍ فِي التُّرابِ. فَيَا لَهُ من مَشْهَدٍ مَا أَهولَ مَرآهُ، وَمَا أَسْعدَ مَنْ رآهُ! نفعَنَا اللهُ ببركتِه، وجعلَنَا ممن فَازَ به بنصِيبٍ من رحمتِه، بمنّهِ وفضْلِهِ.

وَفِيْ أَوَّلِ مَجْلِسِهِ أَنشَدَ قَصِيْدًا نَيِّرَ القَبَسِ، عِرَاقِيَ النَفَسِ، فِيْ الخَلِيْفَةِ، أَوَّلُه:

فِيْ شُغُلٍ مِنَ الغِرَامِ شَاغِلُ مَنْ هَاجَهُ البرقُ بسفْحِ عَاقِلِ

يَقُوْلُ فِيْهِ عِنْدَ ذِكْرِ الخَلِيْفَةِ:

يَا كَلِمَاتِ اللهِ كُوْنِيْ عَوْذَةً مِنَ العُيُوْنِ لِلإِمَامِ الكَامِلِ

ففرغَ مِنْ إِنشَادِهِ وَقَدْ هَزَّ الْمَجْلِسَ طَرَبًا، ثم أَخَذَ فِي شَأْنِهِ وَتَمَادَى فِيْ إِيْرَادِ سِحْرِ بَيَانِهِ، وَمَا كُنَّا نَحْسِبُ أَنَّ مُتَكَلِّمًا فِي الدُّنْيَا يُعطِيْ مِنْ مَلَكَةِ النُّفُوْسِ وَالتَّلاعُبِ بِهَا مَا أُعطِيَ هَذَا الرَّجُلُ، فَسُبْحَانَ مَنْ يَخُصُّ بِالْكَمَالِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ، لاَ إِلَهَ غَيْرُه.

وَشَاهَدْنَا بَعْدَ ذَلِكَ مَجَالِسَ لِسِوَاهُ مِنْ وُعَّاظِ بُغْدَادَ مِـمَّنْ نَسْتَغْرِبُ شَأْنَهُ، بِالإِضَافَةِ إِلَى مَا عهدنَاهُ من متكلمي الغربِ. وكُنَّا قد شاهدْنَا بمكةَ والمدينةَ، شرَّفها اللهُ، مجالسَ مَنْ قَدْ ذَكَرْنَاهُ فِيْ هَذَا التَّقْيِيْدِ، فَصَغُرَتْ، بِالإِضَافَةِ لِـمَجْلِسِ هَذَا الرَّجُلِ الفَذِ، فِيْ نُفُوْسِنَا قَدرًا، وَلَـمْ نَسْتَطِبْ لَهَا ذِكْراً. وَأَيْنَ تَقَعَانِ مِـمَّا أُرِيْدُ وَشَتَّانَ بينَ اليَزِيْدَيْنِ، وَهَيْهَاتَ! الفِتْيَانُ كَثِيْرٌ، وَالْمَثَلُ بِـمَالِكٍ يَسِيْرُ! وَنَزَلْنَا بَعْدَهُ بِـمَجْلِسٍ يَطِيْبُ سَمَـاعُه، وَيَرُوقُ اسْتِطْلاَعُه.

وَحَضَرْنَا لَهُ مجْلِسًا ثالثًا، يَوْمَ السَّبْتِ الثَّالِثَ عَشَرَ لِصَفَرَ، بِالْـمَوضِعِ الْمَذْكُوْرِ بِإِزَاءِ دَارِهِ عَلَى الشَطِّ الشَرْقِيِ فَأَخَذَتْ مُعْجِزَاتُه البَيَانِيَةُ مَأْخَذَهَا، فشَاهَدْنَا مِنْ أَمرِهِ عَجَبًا، صَعِدَ بِوَعْظِهِ أَنْفَاسَ الحَاضِرِينَ سَحْبًا، وأَسَالَ مِنْ أَدمُعِهِم وَابِلاً سَكْبًا، ثُمَّ جَعَلَ يُرَدِّدُ فِي آخِرِ مَجلِسِهِ أَبياتًا مِنَ النَّسِيْبِ شَوقًا زُهدِيًا وَطَرَبًا، إِلَى أَنْ غَلَبَتْهُ الرِقَّةُ فَوَثَبَ مِنْ أَعْلَى مِنْبَرِهِ وَالِهًا مُكْتَئِبًا، وَغَادَرَ الْكُلُّ مُتَنَدِّمًا عَلَى نَفْسِهِ مُنْتَحِبًا، لهفَانَ يُنَادِيْ: يَا حَسْرَتَا وَاحَزْبَاهُ، وَالمنَادُوْنَ يَدُوْرُوْنَ بِنَحِيْبِهِم دَورَ الرَّحَى، وَكُلٌ منهم بعدَ من سكرتِه ما صَحَا، فسُبحانَ من خَلْقِهِ عبرةً لأُولي الألبَابِ، وجَعَلَه لتوبةِ عِبَادِهِ أَقْوَى الأَسبابِ، لاَ إِلَهَ سِوَاهُ.

7.4 صاحب متن کا تعارف

ابن جبیر کا نام محمد بن احمد اور کنیت ابوالحسین ہے۔نسب یوں ہے: محمد بن احمد بن سعید بن جبیر بن محمد بن عبدالسلام بن جبیر الکتانی الاندلسی الشاطبی البلنسی ۔

ابن جبیر کی ولادت ہفتہ 10 ربیع الاول 540ھ مطابق یکم ستمبر 1145ء کو بلنسیہ، اندلس میں ہوئی۔ان کا گھرانہ عرب تھا اور بنو کنان قبیلے سے تھا۔ان کے والد سرکاری خدمت گار تھے۔ابن جبیر نے تعلیم شاطب کے قصبے سے حاصل کی جہاں ان کے والد ملازمت کرتے تھے۔وہ بعد میں غرناطہ کے گورنر الموحدون کے مشیر بھی رہے۔

شرق کی جانب سفر

انہوں نے غرناطہ کے حاکم کے کہنے پر حج کی خدمت کے لیے بحری راستے سے سفر اختیار کیا اور جبل طارق سے ہوتے ہوئے اسکندریہ پہنچے۔انہوں نے اس بحری سفر کے دوران جنوبی افریقہ میں اس مسلمان گھرانے کو بھی دیکھا جس کی عورتوں اور بچوں کو بطور غلام فروخت کر دیا گیا۔ انہوں نے سسلی کے ساحل پر اپنے بحری جہاز کے شدید سمندری طوفان میں گھر جانے کا بھی تذکرہ کیا۔وہ مصر کے سلطان صلاح الدین بن یوسف کا تذکرہ بھی کرتے ہیں۔قاہرہ میں مدرسوں کی کثرت سے وہ کافی متاثر نظر آتے ہیں۔ابن جبیر نے مکہ، مدینہ، دمشق اور شام کی بھی سیاحت کی۔

ابن جبیر ایک بڑا ادیب

ابن خطیب نے لکھا ہے کہ محمد ابن جبیر عالم فاضل، ادیب کامل، شاعر بے مثل، خوش خلق، نیک فعال، صاحب ہمت، پاک نفس اور زہد وتقوی سے آراستہ تھا۔اس کی نظم اعلی اور نثر نادر، کلام سلیس و پاکیزہ اور مضامین نفیس ہیں، اس کی خوبیاں بے شمار اور اس کے حالات مشہور ہیں، اس کی تصانیف میں سفرنامہ منفرد اور بےنظیر ہے اور اس کے فضل وکمال کا پورا ثبوت ان مراسلات سے ہوسکتا ہے جو اس نے اپنے ہم عصر ادیبوں کو لکھے ہیں۔

ابن الخطیب نے اس کے اکثر بلیغ اشعار نقل کیے ہیں، مدینہ منورہ حاضری کے وقت جو قصیدہ اس نے لکھا ہے وہ بھی کتاب میں نقل کیا ہے اور ایک نہایت بلیغ نثر بھی جو بالکل مقفی اور مسجع ہے اور صنائع و بدائع سے بھری ہوئی ہے، نقل کی ہے، علامہ مقریزی کہتے ہیں: ابن جبیر بہت بڑا ادیب تھا، اس نے فن شعر وکتابت میں کامل دستگاہ پیدا کی اور اس کے ذریعہ خوب کمایا، اس کے بعد معاملات دنیوی پر خاک ڈال دی، زہد وتقوی اختیار کیا، حج کو گیا اور واپسی میں بغداد وشام کے علما کی خدمت سے مستفیض ہوا۔

ابن جبیر کا سفرنامہ: تعارف وحقیقت

محمد ابن جبیر دنیا کے ان چند سیاحوں کی صفِ اول میں نظر آتے ہیں جنہوں نے اپنی سیاحت میں ایک دنیا کو شامل کرلیا ہے۔یہ سفرنامہ کم و بیش آٹھ سو سال پہلے کا ہے۔ابن جبیر کا تعلق غرناطہ (اندلس) سے تھا۔یہ دراصل ان کا سفرنامۂ حج ہے جو انہوں نے ذوالحجہ 578ھ میں شروع کیا اور صقلیہ، شام، مصر، فلسطین، عراق، لبنان اور حجاز مقدس کے مکمل احوال و آثار اور مشاہدات کو سمیٹتے ہوئے محرم 581ھ غرناطہ واپس پہنچنے پر مکمل کیا۔اس سفرنامے کی اہمیت یہ بھی ہے کہ یہ دوسری صلیبی جنگوں کے زمانے کی مستند تاریخی دستاویز ہے۔ابن جبیر جہاں جہاں سے گزرے؛ انہوں نے وہاں کے سیاسی، سماجی اور اقتصادی حالات کے ساتھ ساتھ لوگوں کے مذہبی عقائد ونظریات اور رسوم ورواج تک تفصیل سے بیان کر دیے ہیں۔مزید

برآں جس انداز واسلوب میں یہ سفر نامہ لکھا گیا ہے، اس سے پہلے اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ یہاں تک کہ ابن بطوطہ جیسے سیاحِ عالم نے اپنے شہرہ آفاق سفر نامے میں متعدد جگہوں پر سفر نامۂ ''ابن جبیر'' کو بطور حوالہ پیش کیا ہے۔ اس سفر نامے کے متعدد قلمی نسخے دنیا کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں اور تقریباً تمام ترقی یافتہ زبانوں میں اس کے تراجم ہو چکے ہیں۔

اس سفر نامہ کی تاریخ صاحب ملتمس کے قول کے مطابق یہ ہے کہ اس کا باپ کاتب (میر منشی) تھا اور شاطبہ کے اکابر میں اس کا شمار ہوتا تھا، ابن جبیر نے شاطبہ کی سکونت ترک کی اور غرناطہ میں بود و باش اختیار کی، یہاں وہ ابوسعید عثمان بن عبدالمؤمن والی غرناطہ کا کاتب مقرر رہا۔ شیخ احمد المقری نے اپنی کتاب ''نفح الطيب من غصن الأندلس الرطيب'' کے پانچویں باب میں ابن رفیق کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ایک روز عبد المومن نے مے نوشی کے جامہ میں کسی کام کے لیے ابن جبیر کو طلب کیا، وہ حسب طلب حاضر ہوا اور اس کی جانب بھی جام شراب بڑھایا گیا، ابن جبیر نے عرض کیا کہ میں نے کبھی شراب نہیں پی ہے، اس پر کچھ حمیت سلطنت اور کچھ نشے کے سبب سے قسم کھا کر کہہ دیا کہ اب تو سات جام پینے پڑیں گے، مجبور ہو کر اس نے سات جام پیے اور عبدالمؤمن نے اس اتباع حکم کے صلے میں اس جام کو سات بار اشرفیوں سے بھر کر انعام دیا، ابن جبیر نے گھر آ کر مصمم ارادہ کر لیا کہ اس گناہ کے کفارے میں حرمین شریفین کی زیارت کو جائے گا، اس ارادے کو اپنے آقا سے ظاہر کر کے سفر کی اجازت حاصل کی، آخر کار تمام املاک اور جائداد کو فروخت کر کے زادِ راہ کا انتظام کیا اور عبدالمؤمن کے عطیہ کو خیرات کر دیا۔ ابن الخطیب کا بیان ہے کہ اس سفر کے واسطے وہ جمعرات کے دن آٹھویں شوال ۵۷۸ھ کو غرناطہ سے روانہ ہوا، اس دور دراز سفر میں اس کا رفیق ابوجعفر احمد بن حسان تھا، یہ شخص اندہ علاقہ بلنسہ کا باشندہ تھا۔

مقری نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ علم طب کا بڑا ماہر تھا، اس کی تصانیف اس علم میں موجود ہیں، اس نے پچاس برس کی عمر میں بمقام مراکش ۵۹۸ھ یا ۵۹۹ھ میں رحلت کی۔ یہ دونوں شخص حج سے فارغ ہو کر علمائے مشرق کی فیض صحبت سے مستفیض ہوئے، پھر دمشق آئے، یہاں ابوطاہر خشوعی، ابوسعید بن عصرون اور ابومحمد القاسم بن عساکر وغیرہ کے مجالس درس میں حاضر ہوئے اور اپنے علوم کی تکمیل کر کے ان سے سندیں حاصل کیں، جہاں سے پلٹ کر دونوں نے اہل مغرب کو حدیث وفقہ کا درس دینا شروع کیا، واپسی میں مقام عکہ سے سوار ہو کر خلیج صقلیہ کی تباہی سے بچ کر ۲۲ محرم ۵۸۱ھ کو جمعرات کے دن غرناطہ میں واپس آئے، موجودہ سفر نامہ میں اسی سفر کے کل حالات قلم بند کیے ہیں۔

ابن جبیر نے عمارات کو ایسے الفاظ میں بیان کیا ہے کہ کوئی لائق سے لائق مصور بھی ایسی صاف تصویر نہیں کھینچ سکتا۔ سفر نامے کے لیے جن جن باتوں کی ضرورت آج کے اس زمانے میں مانی گئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ ابن جبیر آج سے کئی سو برس پہلے وہ ان اصول وضوابط سے واقف تھا، اس لیے کہ اس سفر میں وہ جس جگہ گیا، وہاں کے باشندوں کے خصائل، طرز معاشرت، تجارت کی حالات، پیدوار کی کیفیت، آب وہوا وغیرہ کی حالت، غرض کہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو اس نے نہ بیان کی ہو۔ اس کے سوا سیاست اور ملک داری میں بھی وہ نہایت لائق ثابت ہوتا ہے ہر جگہ کے قلعے کے حالات میں وہ فوجی معاملات کو مدنظر رکھ کر کیفیت لکھتا ہے اور مجمل الفاظ میں حملہ آوروں کے لیے مفید باتیں اور مستحصروں (محصور لوگوں) کے لیے حفاظت کی تدبیریں بھی بتلاتا جاتا ہے، ابن خطیب کا تو یہ قول ہے کہ اس سفر نامے کو اس نے راہ کے مقامات اور عجائبات عالم کے اظہار کے واسطے تصنیف کیا، لیکن سیاست کا ذوق رکھنے والے اس سفر نامے کو پڑھ کر اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس نے اپنے آقا اور والی اندلس کی فتوحات کی راہ صاف کرنے کے لیے غالباً اس سفر نامے کو جمع کیا تھا۔

وفات

ابن جبیر نے دوبارہ 1217ء میں مشرق کی طرف سفر اختیار کیا اور اسکندریہ میں فوت ہوگیا۔جس وقت سلطان صلاح الدین کے ہاتھوں سے بیت المقدس کی فتح ہوئی اور اسلامی پرچم بیت المقدس پر لہرانے لگا تو اس خبر کو سنتے ہی ابن جبیر دوبارہ جمعرات کے دن ۹ / ربیع الاول ۵۸۵ھ کو غرناطہ سے ممالک شرقیہ کے سفر کو روانہ ہوا، اس دفعہ بھی زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوا اور جمعرات کے دن ۱۳ / شعبان ۵۸۷ھ کو غرناطہ میں واپس آیا۔

اس دوسرے سفر کے بعد نہیں معلوم کن اسباب سے اس نے غرناطہ چھوڑ دیا اور مالقہ میں جارہا، مالقہ سے پھر سبتہ اور وہاں سے فاس میں جا کر اقامت اختیار کی، فاس میں اس زمانہ میں حدیث شریف اور تصوف کا زیادہ چرچا تھا؛ اس لیے اس نے اشاعت علوم اور درس وتدریس کے واسطے بھی یہی جگہ بہتر سمجھی۔ابن جبیر کی بی بی کا نام عاتکہ اور کنیت ام المجد تھی، یہ عورت وزیر ابوجعفر الوقشی کی بیٹی تھی۔ابن جبیر کو اپنی بی بی سے بے حد انس تھا، سبتہ میں بی بی کا انتقال ہوا اور اس صدمے سے کچھ ایسا پریشان ہوا کہ وہاں سے زیارت بیت اللہ کے واسطے چل دیا، مدت تک خانہ مطرہ ومقدس میں رہا اور آخر کار مصر کو چلا گیا، پھر وہاں سے اسکندریہ کو آیا اور مقریزی کے قول کے مطابق وہیں بدھ کے روز بتاریخ ۲۷ / شعبان ۶۱۴ھ مطابق ۱۲۱۷ء انتقال کیا۔

7.5 متن کا ترجمہ

اس (مجلس) کے بعد ہم نے بروز ہفتہ صبح کو شیخ فقیہ، امام فرید جمال الدین ابوالفضائل بن علی جوزی کی مجلس کا مشاہدہ ان کے گھر کے سامنے مشرقی جانب (دجلہ) کے کنارے کیا، اس گھر کا آخری حصہ خلیفہ کے محل سے ملتا تھا اور یہ گھر باب بصلیہ کے قریب تھا، یہ دروازہ شہر کے مشرقی حصے کا آخری دروازہ تھا، یہاں ہر ہفتہ شیخ کی مجلس منعقد ہوتی، ہم نے کسی معمولی اور عامی شخص کی مجلس کا مشاہدہ نہیں کیا؛ بلکہ وہ فخر زمان، قرۃ عین ایمان، مسلک حنبلی کے امام، علوم میں یگانہ، مراتب عالیہ کے حامل، امام الجماعۃ اور اس میدان کے شہسوار، مبارز معرکہ فصاحت وبلاغت، نظم ونثر میں شہرۂ آفاق، فکری تبحر میں غوطہ زنی کر کے قیمتی گوہر وصدف تلاش کرنے والے، ان کی نظم میں شریف رضی اور ابوالحسن مہیار بن مرزویہ کا پرتو، نثر سحر بیان کے مصداق، رشکِ قس بن ساعدہ الایادی اور سحبان بن وائل تھی۔

اس مجلس کی عجیب وغریب بات یہ تھی کہ امام جوں ہی منبر پر تشریف فرما ہوتے، قرائے کرام قرآن شریف کی تلاوت شروع کرتے، جن کی تعداد بیس سے بڑھ کر ہوتی، ان میں سے دو یا تین قرائے کرام آیت کریمہ کو نہایت طربیہ اور شوقیہ انداز میں پڑھتے، جب یہ فارغ ہوجاتے تو پھر تین قرا ایک آیت پڑھتے، اسی طرح مسلسل یہ تین تین قرا مختلف سورتوں کی آیتیں باری باری تلاوت کرتے۔اس طرح جب یہ قرآن کی تلاوت مکمل کر لیتے، کبھی یہ آیات متشابہات کی تلاوت کرتے، ذہین وفطین آدمی سے بھی ان کا شمار نہیں ہوسکا اور نہ کوئی ترتیب خیال میں آئی، جوں ہی انہوں نے اس کی تکمیل کی تو فی الفور امام صاحب نے خطبے کی ابتدا کی، صدف ساعت میں گوہر افشانی کرنے لگے (یعنی قیمتی باتوں سے مستفید کرنے لگے)، انہوں نے قاریوں کی تلاوت کردہ آیتوں کو مرتب انداز میں اپنے خطبے میں پیش کیا، چنانچہ وہ ان آیتوں کو بغیر کسی تقدیم وتاخیر کے سابقہ ترتیب کے ساتھ پڑھنے اور پیش کرنے لگے، پھر خطبہ آخری آیت پر ختم ہوا۔حاضرین مجلس سے اگر کوئی شخص ان آیتوں کے ترتیب وار بھی لینا چاہتا تو کسی طرح

ممکن نہ تھا،مگراس عالم بے بدل نے تمام آیتوں کے الفاظ کو بہت خوبی سے ایسی بلیغ عبارت کے ساتھ بے تر دد منتظم کیا،تو یہ منظر ''أفسحرٌ هذا أم انتم لا تبصرون'' (الطور:١٥)(کیا یہ سحر ہے یا تم کو دکھائی نہیں دیتا) کا مصداق ہے،اس بحر بیکراں کی جتنی بھی توصیف وتعریف کی جائے،کم ہے اورخبر مشاہدہ کے مثل نہیں ہوتی،خطبہ سے فراغت کے بعد پند ونصیحت کی شکل میں رقت انگیز کلمات اور ذکر وموعظت کی واضح دلائل پیش کرنے لگے،مارے شوق کے دل اڑ گئے،جس کی جلن سے دل پگھل گئے ہر طرف سے گریہ وزاری اور آہ وبکا کا شور بلند ہوا،لوگ سانسوں سے ہچکیاں لینے لگے،توبہ کرنے والوں کی چیخیں بلند ہوگئیں اور وہ پروانوں کی طرح امام پر فدا ہونے لگے،،امام صاحب کے سامنے سب نے پیشانیاں جھکائیں اور ان سے اپنے ہاتھ سے پیشانی کے بال کترے اور سروں پر دست شفقت پھیر کر دعائے خیر کی،کچھ لوگوں پر توغشی اور بیہوشی طاری ہوگئی،جن کو ہاتھوں پر اٹھا کر ان کے پاس لایا گیا،ہم نے یہاں ہول وگھبراہٹ کا وہ منظر دیکھا جس سے دل ندامت اور شرمندگی سے بھر جاتے،جس سے آخرت کی ہولنا کی یاد آتی،اگر اس شیخ کی فیض صحبت اور برکت مجلس سے مستفید نہ ہوتے تو ہمارا کوہ وبیاباں میں چلنا اور دریاؤں میں سفر کرنا بالکل بیکار تھا،،اللہ کا شکر ہے ہمیں اس نے ایسے شخص کی صحبت نصیب فرمائی جس کا ثانی عالَم میں ملنا دشوار ہے اور جس کے فضل وکمال کا جمادات کو بھی ادراک ہے۔دوران مجلس لوگ مسائل کو پیش کرنے لگے،چاروں طرف سے نوشتے آنے لگے،،لمحہ بھر میں اس کا جواب مرحمت فرماتے،بسا اوقات ان کی مجالس وعظ ونصیحت انھیں مسائل کی وجہ سے منعقد ہوتیں،اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے وہ دیتا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

پھر ہم نے ان کی دوسری مجلس کا مشاہدہ کیا جو جمعرات گیارہ صفر کی صبح باب بدر میں خلیفہ کے محل کے اندر میدان میں منعقد ہوئی،یہ جگہ خلیفہ کے حرم میں تھی،وہاں جانا آنا اور وہاں بات چیت کرنا یہ انھیں کے لیے مخصوص تھا،تا کہ خلیفہ اور ان کی والدہ محترمہ اور بیویاں جھروکوں سے ان کی وعظ ونصیحت کو سن سکیں،دوسری طرف سے ساری مخلوق کے لیے دروازہ کھول دیا جاتا،وہ اس جگہ پر پہنچ جاتے،وہاں پر حصیریں بچھی ہوتیں،ان کی یہ بیٹھک ہر جمعرات کے دن ہوتی،ہم اس مجلس کا مشاہدہ کرنے کے لیے صبح سویرے چلے،اس عالم جلیل کے آنے تک بیٹھے رہے،وہ منبر پر چڑھے مقام کی تعظیم کے باعث کالی چادر سر سے سرکائی،قراان کے سامنے اس جگہ سامنے رکھی ہوئی کرسیوں پر بیٹھ گئے،انہوں نے ترتیب سے پڑھنا شروع کیا،نہایت جذب وشوق کے ساتھ جو چاہا پڑھا،جس کی وجہ سے آنکھیں اشک بار ہوگئیں،جب انہوں نے تلاوت کو مکمل کیا تو ہم نے تلاوت کردہ آیتوں کو شمار کیا تو معلوم ہوا کہ یہ مختلف سورتوں کی نو آیتیں تھیں،امام صاحب نے ان سب آیتوں کی ابتدائی الفاظ ترتیب وار خطبہ کے ساتھ منتظم کر کے خطبہ پڑھنا شروع کیا اور خطبہ کو آخری آیت کی سب سے آخری لفظ کے ساتھ مقفی کیا،جب خطبہ اس آیت شریف پر پہنچا''الله الذي جعل لكم الليل لتسكنوا فيه والنهار مبصرا، إن الله لذو فضل على الناس۔۔۔۔''(غافر:٦١)(اللہ وہ قادر مطلق ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی ہے،تا کہ تم اس میں آرام کرو اور دن بنایا ہے کہ اپنی روشنی میں تم کو سب چیزیں دکھائے،بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا ہی مہربان ہے)اس آخری سین پر نہایت صنعت اور خوبی سے خطبہ کو ختم کیا،ان کا آج کا یہ خطبہ کل کے خطبہ سے زیادہ بہترین تھا،پھر انہوں نے خلیفہ کی تعریف وتحسین کی ان کے اور ان کے والدہ محترمہ کے لیے دعا کی،خلیفہ کی ماں کو ستر الاشرف اور جناب الارف سے مخاطبت کیا،پھر وعظ شروع کیا،وعظ فی البدیہ تھا،اس میں کوئی تکلف نہ تھا اور دوبارہ ان آیتوں کو جو قاریوں نے پڑھی تھیں ترتیب وار وعظ میں شامل کیا،جس کی وجہ سے آنکھوں سے دریا امنڈ آئے،دل اپنے پوشیدہ جذبات شوق کا اظہار کرنے لگے،لوگ اپنے گناہوں کا اعتراف اور توبہ کا اعلان کرتے ہوئے ٹوٹ پڑے،دل وعقل حیران وسرگرداں ہوگئے،حیرانی وششدرگی کی کیفیت طاری ہوگئی،جس کی وجہ سے دل کا پیمانہ صبر ٹوٹ گیا،عقلیں گنگ ہوگئیں اور دل سے صبر رخصت ہوگیا۔

دوران وعظ غزل کے کچھ رقیق اشعار سامعین میں تشویق پیدا کرنے کے لیے پڑھے جو قلوبی وجدان کو جلا بخشے، سخن از زنانہ گفتن کی جگہ زہد کو پیش کیا، انہوں نے آخر میں جو شعر پڑھا، وہ اہل مجلس پر ادب واحترام اور سکینت طاری کردی اور تیر انداز کے تیر کا نشانہ صحیح جگہ پر لگ گیا یعنی (مقصود کلام برآیا)۔

میرا دل اب کہاں ہے! ؟شوق نے اسے پگھلا دیا　　　اور قلب کہاں ہے !؟ وہ ابھی تک صحت یاب نہیں ہوا

اے ہمدم !ان کے ذکر سے سوز وگداز کو بڑھا　　　خدا کی قسم! اے ہمدم !تو مجھ سے کہہ دے کہ تو مجھ پر قربان

ان شعروں کی اس قدر تکرار کی کہ انفعال واثر انگیزی کے آثار ان کے چہرے سے ظاہر ہونے لگے اور وفورِ گریہ سے آواز بند ہوگئی، ان کو رات کا خوف ہونے لگا، جلدی سے اٹھ گئے، مدہوش وحیران ہو کر منبر سے اترے، لوگوں کے دلوں کو خوف سے اڑا دیا سامعین کو آتشِ بیقراری پر تڑپتا چھوڑا، خون کے آنسوؤں کے ساتھ لوگوں نے ان کو وداع کیا، کوئی چلا چلا کر رو رہا تھا تو کوئی خاک پر لوٹ رہا تھا، کیا ہی ہولناک منظر تھا! کیا ہی نیک بخت تھا وہ شخص جس نے یہ منظر دیکھا، اللہ ان کی برکت سے ہمیں مستفید کرے، اپنے فضل اور رحمت سے ہمیں اس کا حصہ دار بنائے۔

شروع میں امام نے ایک نہایت روشن شعر، جو عراقی الاصل تھا خلیفہ کے سلسلے میں پڑھا، جس کا مطلع یہ ہے

وہ شغل غم میں مشغول ہے　　　جس کی عقل کو برق شوق زائل کردیا

اور خلیفہ کے ذکر کے وقت اس طرح گریز کی ہے

اے اسمائے الٰہی !امیر المؤمنین کو نظر بد سے بچانے کے لیے تم تعویذ ہو جا!

اس شعر کے بعد مجلس خوشی سے جھوم اٹھی، پھر انہوں نے اپنا کام شروع کیا، پھر اپنی سحر بیانی میں لگ گئے۔ میں نہیں سمجھتا کہ دنیا میں کسی کو کلام کا ایسا ملکہ تسخیر قلوب کے لیے عطا کیا گیا ہو جو اس مجمع کمالات کو عطا کیا گیا ہے، اللہ کی ہی ذات پاک ہے، جو اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتی ہے سحر کلامی سے نوازتا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اس کے علاوہ ہم بغداد کے اکثر علما کی مجلسوں۔ جو ہمارے مغربی علما سے بدرجہا بہتر ہیں۔ شریک ہوئے اور حرمین شریفین میں بھی بہت سے فضلا کے وعظ سنے جس کا بیان پیچھے ہو چکا ہے، اس امام محقق کی مجلس کے مقابل دیگر مجالس حقیر نظر آنے لگیں، اس مجلس کے ذکر کے بعد اس کا تذکرہ محض بے فائدہ ہے، میرے مطلوب کے مقابلہ میں وہ دونوں کیا حیثیت رکھتے ہیں، دونوں میں بہت فرق ہے، بہت سارے نوجوانوں کو لے آؤ، مگر مالک کی مثال پیش کرنا مشکل ہے۔(یہ امام اور ان کی مجلس بالکل بے مثل ہے)

پھر اس کے بعد ایک مجلس میں شریک ہوئے جس کے بارے میں سننا اچھا لگتا ہے، اس کی اطلاع بھلی معلوم ہوتی ہے۔ ہم نے ان کی (امام برگزیدہ) تیسری مجلس میں تیرہ صفر بروز ہفتہ اسی جگہ ان کے گھر کے سامنے مشرقی کنارہ پر شرکت کی، ان کی بیانیہ قدرت انتہا کو پہنچی ہوئی تھی، ہم نے ان کے حوالے سے نہایت عجیب وغریب امور کا مشاہدہ کیا، ان کے وعظ سے حاضرین کے دل کھنچے جاتے تھے، ان کے آنسوؤں سے سیلاب جاری تھے، پھر انہوں نے مجلس کے آخر میں غزلیہ، زہد اور طرب پر مشتمل اشعار پڑھے جس کی وجہ سے ان پر غلبہ اور رقت طاری ہوگئی، وہ نہایت حیران اور غمزدہ منبر سے نیچے اترے، ہر شخص ندامت اور شرمندگی کے ساتھ روتا ہوا واپس ہوا، لوگ کہتے تھے: ہائے ندامت! وائے تباہی! بعد میں آنے والے ان کے چاروں طرف گھومتے تھے، ہر شخص اس کے بعد حرکات بیخودی میں مصروف تھا۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے مخلوق میں

لوگوں کے لیے نصیحت کا سامان رکھا اور اپنے بندوں کی توبہ کے لیے سب سے مضبوط اسباب فراہم فرمائے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

7.6 لغوی تحقیق

شاهد: (مفاعلة)	:	دیکھنا، مشاہدہ کرنا
الشَطّ	:	کنارہ
مجلسُ رجلٍ ليس من عمرو ولا زيد	:	کوئی عام عمرو زید کی مجلس نہیں تھی، (تعبیر ہے)
في جوف الفرا كل الصيد	:	یہ ایک مثل ہے، ہرکس وناکس کو کہتے ہیں، اس کا ایک پس منظر ہے کہ تین اشخاص شکار کے لیے گئے، ان میں سے ایک شخص نے خرگوش، دوسرے نے ہرن اور تیسرے نے جنگلی گدھے کا شکار کیا، پہلے دو اشخاص نے خرگوش اور ہرن کے شکار پر اپنے بڑے پن کا اظہار کیا، تو تیسرے نے کہا کہ تمہارے شکار تو میرے وحشی گدھے کے پیٹ میں آجاتے ہیں، یعنی یہ بڑا شکار ہے، جس نے اس کا شکار کیا ہے اسے تمہارے شکار کی کوئی ضرورت نہیں
فارس حلبة	:	یعنی ان گھوڑوں کا شہسوار جو گھوڑے ایک اصطبل سے نہیں؛ بلکہ دنیا کے ہر کونہ سے لائے جاتے ہیں
الدرّ	:	موتی، جمع: (درر)
رضي الطباع	:	یعنی ان کی نظم میں وہ ادبیت جھلکتی ہے جو شریف رضی کے ادب میں جھلکتی ہے۔ رضی کے مثل نظم
مهاری الانطباع	:	یعنی ان کے نظم میں ابوالحسن مہیار بن مرزویۃ کاتب فارسی دیلمی کی بھی جھلک ہے
فينتزع	:	افتعال، چھینا، لینا
يتنابون		افتعال، باری باری سے کسی کام کو انجام دینا
متقد الخاطر	:	حاضر باش، ذہین وفطین
مبتدرا	:	اسم فاعل، باب افتعال، جلدی کرنے والا
أصداف	:	واحد: صدف، موتی
فحدث ولا حرج عن البحر	:	(مثال ہے) یعنی: سمندر کی گہرائی وگیرائی کا کوئی پتہ نہیں کرسکتا، یعنی نہایت ذی علم واستعداد شخص
ليس الخبر كالخُبر	:	یہ بھی مثل ہے کہ خبر دیکھنے کے برابر اور ہم سر نہیں ہوسکتی

طارت القلوب اشتياقا		شوق میں دل کا اڑ جانا
ذابت بها الأنفس احتراقا	:	جلن کی وجہ سے دلوں کا پگھل جانا۔ذاب (ن)
الضجيح	:	چیخ، پکار
شهقات	:	واحد،شهقوة،سانس
تدور (ن)	:	حرکت کرنا
النشيج	:	آہیں،سسکیاں
أعلن	:	افع اعلان کرنا
الصياح: صاح يصيح (ض)	:	چیخنا، پکارنا
يتسقاطوا (تفاعل)	:	ایک دوسرے پر گر پڑنا
الفراش جمع فراشة	:	چھوٹا پتنگا جو چراغ پر گرتا ہے اور اپنے آپ کو جلا لیتا ہے
غشی عليه(س)	:	بیہوشی طاری ہونا
ثبج	:	سمندر کا وسط اور درمیانی حصہ
نعتسف (افتعال)	:	بغیر علم کے راستے پر چل پڑنا
مفازات:واحد مفازة	:	جنگل، بیاباں
الصفقة الرابحة	:	نفع بخش تجارت
الوجوه المفلحة الناجحة	:	کامیاب سمت
يبتدرون: افتعال	:	جلدی کرنا، عجلت کرنا
رقاع: واحد: رقعة	:	ٹکڑا، چیتھڑا
يجاوب: (مفاعلة)	:	سوال کا جواب دینا
يتغايرون: (تفاعل)	:	ایک دوسرے پر حملہ آور ہونا
بسط (ن)	:	بچھانا
أرخى: (افعال)	:	ڈالنا
طيلسان	:	سبز رنگ کی چادر جسے خواص مشائخ وعلما پہنتے ہیں، جو عجمیوں کے یہاں رائج ہے
تسطر: (ن)	:	لکھنا
الدموع: واحد، (دمع)	:	آنسو
تمادى	:	تفاعل، زیادہ کرنا

وابل	:	تیز رفتار
تطارع:تفاعل	:	ایک دوسرے سے ٹکرانا
تنفس الصعداء	:	غم ،افسوس یا راحت والی سانس لینا۔ٹھنڈی سانس لینا
كنّ عنه	:	کسی کی کنیت بیان کرنا
طاش:(ض)	:	حیران،سرگرداں ہونا
الوله	:	حیرت،تعجب
ينشد:(فعال)	:	شعر کہنا
الذهول	:	غنودگی،غفلت
مقاتل: جمع مقتل:	:	یعنی وہ عضو اگر اس کو زخم ہو جائے وہ شخص صحت مند نہیں رہ سکتا
سهم	:	جمع سہام
أذاب:(افعال)	:	پگھلانا
صحا	:	جھپٹن (ن) صحت مند ہونا
يردد:(تفعيل)	:	بار بار کہنا کرنا
الانفعال	:	اثر انگیزی
(تفعيل)	:	اثر کرنا
أثر: انفعال	:	اثر
مدامع: واحد مدمع، اسم ظرف	:	آنکھیں
الإفحام:(افعال)	:	رات کا ہونا
أحر من الجمر	:	انگارے سے زیادہ تیز
يشيعون: (تفعيل)	:	مردہ کے ساتھ جانا
الانتحاب: (افتعال)	:	رونا
المتعفر: اسم فاعل (تعفل)	:	مٹی سے لت پت
الغرام	:	محبت
هاج:(ض)	:	ابھارنا
هز:(ن)	:	ہلنا
استغرب	:	استفعال، کسی چیز کو انوکھی سمجھنا

استطاب	:	افتعال، اچھا لگنا
شتان بين اليزيدين	:	شعر کا ٹکڑا ہے، دو اشخاص کی دوری اور ان کے بیچ کے فرق کو بتانا مقصود ہے
لشتان ما بين اليزدين في الندي	:	يزيد سليم والأغر بن حاتم
والمثل بمالک يسير	:	یہ ایک مثال ہے، جو کسی کے بے مثل اور بے نظیر ہونے کو بتلاتی ہے، جس کا پس منظر یہ ہے کہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مالک بن نویر کو قتل کیا، تو اس کا بھائی متمم جو اس سے بے انتہا محبت کرتا تھا، اس کے لیے بہت غمگین ہوا، اس کے سامنے عرب کے دیگر نوجوانوں کے قتل کا ذکر ہونے لگا تو وہ ان پر افسوس کر کے کہتا: ''فتی ولا کمالک''۔
راق يروق: (ن)	:	اچھا لگنا
استطلاع	:	استفعال، خبر طلب کرنا
أخذ الشيء مأخذه	:	کسی چیز کا اپنی انتہا کو پہنچ جانا
وابل سكب	:	موسلا دھار بارش
النادب	:	پیچھے آنا، بعد میں آنا
يدورون	:	گردش کرنا
صحا: السكرانُ (ن)	:	اچھا ہونا، صحیح ہونا، افاقہ ہونا

7.7 ادبی صنف کا تعارف

سفرنامے کو عربی میں رحلة کہتے ہیں، جس کی جمع رحلات آتی ہے، اس میں سیاح یا مسافر شخص مختلف شہروں کا سفر کرتا ہے، جنگل بیاباں، دریاؤں اور سمندروں کو عبور کرتے ہوئے مختلف جگہوں میں پہنچتا ہے، وہاں کے اصحاب علم وفضل ومقام اور اصحاب حل وعقد سے ملاقات کرتا ہے، وہاں کی تہذیب وثقافت اور وہاں کے رہن سہن، طور واطوار، رسوم ورواج اور وہاں کی موسمیاتی کیفیات اور جغرافیائی اور تاریخی حیثیت کا تذکرہ کرتا ہے، وہاں پر اپنے قیام کے دوران جن لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے، سفر میں جو احوال درپیش ہوتے ہیں، جو تاریخی اور جغرافیائی اہمیت والے مقامات آتے ہیں، ان تمام کا نہایت اچھوتے، البیلے انداز میں بیان کرتا ہے، سفر نامہ کا تسلسل اور انداز بیان کچھ حد تک ناول نگاری اور افسانہ نگاری کے مثل ہوتا ہے، قاری سیاح کے سفر کے دوران اپنے آپ کو اس کے ساتھ ان مقامات اور ان لوگوں کے بیچ محسوس کرتا ہے، اس میں جہاں سیاح، تہذیب وثقافت اور تاریخ کو بیان کرتا ہے، اسی طرح اپنے طرز تحریر کے ذریعے طلبہ کو زبان دانی اور طرز نگارش اور الفاظ وتعبیرات کے استعمال کی جانب بھی توجہ دلاتا ہے، جس سے اس کی نثر نہایت اہمیت کی حامل ہوجاتی ہے، جو دراصل قاری کی تشنگی کا سامان بنتی ہے۔ یہ سفرنامے نہ صرف تاریخی وتہذیبی سرمایہ کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہوتے ہیں، بلکہ ایک اعلی طرز کی انشا پردازی اور نہایت پر مغز ادبی تحریر کا آئینہ دار ہوتے ہیں، جس سے

طلبہ میں زبان دانی کے اصول اوراس کے زیر و بم اور بندش کا پتہ چلتا ہے۔

اس میں طرزتحریر، مجلس اور مقام کی عکاسی، وہاں کے ماحول اور کیفیات کا تذکرہ ہوتا ہے، یہ تحریر بھی فصاحت و بلاغت کے اعلی معیار پر ہوتی ہے، اس میں اشعار وامثال کا مجموعہ ہوتا ہے، چھوٹے چھوٹے پیرائے میں بڑے بڑے مفہوم ادا کیے جاتے ہیں، اس کی شکل دراصل افسانہ نگاری کی سی ہوتی ہے۔ اس کا مقصود طلبہ کے لیے لغت دانی، تعبیرات اوراس کے استعمالات پر عبور اور سفرنامے اور روزنامچے کی تیاری میں ممکنہ مدد کی فراہمی ہوتی ہے، یہ صنف ادب کی انوکھی اور نرالی طرز تحریر اور صنف ہوتی ہے، جو مختلف اسالیب تعبیر، ادیب کی قوت گویائی، اظہار اور ادائیگی کی صلاحیت کو اجاگر کرتی ہے۔

7.7.1 متنِ سبق کا موضوع

محمد ابن جبیر دنیا کے ان چند سیاحوں کی صفِ اول میں نظر آتے ہیں جنھوں نے اپنی سیاحت میں ایک دنیا کو شامل کرلیا ہے۔ یہ سفر نامہ کم و بیش آٹھ سو سال پہلے کا ہے۔ ابن جبیر کا تعلق غرناطہ (اندلس) سے تھا۔ یہ دراصل ان کا سفر نامۂ حج ہے جو انہوں نے ذوالحج 578ھ میں شروع کیا اور صقلیہ، شام، مصر، فلسطین، عراق، لبنان اور حجاز مقدس کے مکمل احوال وآثار اور مشاہدات کو سمیٹتے ہوئے محرم 581ھ غرناطہ واپس پہنچنے پر مکمل کیا۔ اس سفرنامے کی اہمیت یہ بھی ہے کہ یہ دوسری صلیبی جنگوں کے زمانے کی مستند تاریخی دستاویز ہے۔ ابن جبیر جہاں جہاں سے گزرے؛ انہوں نے وہاں کے سیاسی، سماجی اور اقتصادی حالات کے ساتھ ساتھ لوگوں کے مذہبی عقائد ونظریات اور رسوم ورواج تفصیل سے بیان کردیے ہیں۔ مزید برآں جس انداز واسلوب میں یہ سفرنامہ لکھا گیا ہے، اس سے پہلے اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ یہاں تک کہ ابن بطوطہ جیسے سیاحِ عالم نے اپنے شہرہ آفاق سفرنامے میں متعدد جگہوں پر سفرنامہ ابن جبیر کا حوالہ پیش کیا ہے۔

اس متن کا موضوع بحث یہ ہے کہ ابن جبیر جب بغداد پہنچا ہے تو وہ ابن الجوزی کی مجالس وعظ ونصیحت میں شرکت کی جس کا تاریخ وار اور جگہ کی تفصیل کے ساتھ تذکرہ کیا ہے اوران کے مجلس وعظ کی ہیئت وصورت حال اور لوگوں پر ان کی باتوں کی اثر انگیزی، ان کی فصاحت و بلاغت اور ان کی قدرت تکلم اوران کی واعظانہ وناصحانہ کلام کے انداز کو بیان کیا ہے جولوگوں پراس قدرخوف وخشیت طاری کردینا کہ بیشتر لوگ تائب ہوجائیں اوراپنے گناہوں سے توبہ کرلیں۔ اس وعظ کی اثر انگیزی اور رقت کا یہ عالم کہ لوگوں کی آنسوؤں کی لڑیاں جاری ہوجائیں، چیخ وپکار، آہ وبکا کی آواز ہر سمت سنائی دے اور لوگ وعظ کے اثر سے غش کھا کر گرنے لگیں۔ ابن جبیر نے تین دفعہ اس مجلس وعظ میں شرکت کی جس میں ایک مجلس وعظ خلیفہ وقت کے حرم خاص میں تھی، جس میں شیخ نے سابقہ انداز میں قرآنی آیات کی رقت انگیز تلاوت اوراس کے درمیان انسجام اور ہم آہنگی پیدا کرتے ہوئے ایسے باریک نکات اور پندونصائح پیش کیے کہ حاضرین مجلس کی آہ وبکا نکل گئی، سب گریہ وزاری کرنے لگے، لوگ جب شام کے خوف سے گھروں کا رخ کرنے لگے تو شیخ وعظ ونصیحت کی مجلس ختم کی لوگ تائب ہوئے، گناہوں پر ندامت اور شرمندگی کا اظہار کیا۔

اسی طرح ابن جبیر علامہ ابن الجوزی کی ایک اور مجلس وعظ جوان کے گھر پر منعقد تھی اس میں شرکت کی اوراس کے اوصاف واحوال بیان کیے کہ اس قدر رقت انگیز، تکلم پر قدرت اور فصاحت و بلاغت کے اعلی معیار پر فائز کلام کی قدرت اللہ عزوجل جس کو چاہتے ہیں عطا کرتے ہیں، آخر میں وہ کہتا ہے کہ میں نے مکہ ومدینہ مشرفہ کی درسگاہوں اور وعظ ونصیحت کی مجالس اور بغداد کی مجالس سے استفادہ کیا ہے، لیکن اس شخص کو اللہ عزوجل نے وافر مقدار میں ذہن رسا اور قدرت تکلم اور نطق وکلام اور وعظ ونصیحت کی قدرت وصلاحیت عطا کی ہے یہ صرف بخشش خداوندی ہے، یہ بزور بازو

حاصل کردہ نہیں ہے۔

7.7.2 متن سبق کی توضیح وتشریح

(۱) **ثُمَّ أَنَّهُ أَتَى بَعْدَ أَنْ فَرغَ مِنْ خُطْبَتِه بِرَقَائِقَ مِنَ الْوَعْظِ وَآيَاتٍ بيِّنَاتٍ مِنَ الذِّكْرِ، طَارَتْ لَهَا الْقُلُوْبُ اِشْتِيَاقًا، وَذَابَتْ بِهَا الأَنْفُسُ اِحْترِاقًا، إِلَى أَنْ عَلاَ الضَجِيْجُ، وَتردّدَ بشَهْقَاتِه النَشِيْجُ، وأَعلَنَ التَائِبُونَ بِالصِّيَاحِ، وَتَسَاقَطُوْا عَلَيْهِ تَسَاقُطَ الفِرَاشِ عَلَى المِصْبَاحِ، كُلٌّ يُلقِي ناصِيَتَه بَيدِه فيَجُزّهَا، ويَمسحُ عَلَى رَأسِه دَاعِيًا لَهُ، ومِنْهُم مَنْ يُغشَى عَلَيْهِ فيَرْفَعُ فِيْ الأَذْرُعِ إِلَيْهِ، فَشَاهَدْنَا هَوْلًا يَملأُ النُّفُوْسَ إِنَابَةً وَندَامَةً، وَيُذَكِّرُهَا هَوْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، فَلَوْ لَمْ نَرْكَبْ ثَبَجَ البَحْرِ، ونَعْتَسِفْ مَفَازَاتِ القَفْرِ إِلّا لمشَاهَدَةِ مَجْلِسٍ مِنْ مَجَالِسِ هَذَا الرَّجُلِ، لَكَانَتِ الصَفقَةَ الرَابحة والوِجهةَ المفلحة النَاجِحَة، وَالحَمْدُ للهِ عَلَى أَنْ مَنَّ بِلِقَاءِ مَنْ تَشْهَدُ الجَمَادَاتُ بَفَضْلِهِ، وَيَضِيْقُ الوُجُوْدُ عَنْ مِثْلِه.**

یہ اقتباس ابن جبیر نے اپنی کتاب رحلۃ ابن جبیر میں عالم کبیر، مفسر، محدث، فقیہ حنبلی، مورخ شہیر، واعظ بے بدل صاحب تلبیس ابلیس وزاد المسیر في علم التفسیر شیخ جمال الدین ابو الفرج عبد الرحمن بن علي بن الجوزي (پیدائش: بغداد، ۵۱۰۔وفات: ۵۹۷ھ) میں ذکر کیا ہے۔ شیخ کے خطبے کے اختتام کے بعد سامعین پر جو اثر انگیزی اور سحر بیانی ہوئی تھی یہ اقتباس اس کا پتہ دیتا ہے، خطبے سے فراغت کے بعد شیخ نے سامعین کو پند ونصیحت اور ذکر وموعظت کے واضح دلائل پیش کیے، آپ کے رقت انگیز کلمات نے لوگوں پر اس طرح اثر کیا کہ ان کی رقت انگیزی اور دل گدازی کا حال یہ تھا کہ ان کے دل مارے شوق کے اڑ گئے، سوز وگداز سے پگھل گئے، رقت طاری ہوگئی، ہر طرف سے آہ وبکا اور گریہ وزاری کا شور بلند ہوا، آنسوؤں کی لڑیاں مالا پرونے لگیں، شور وغل سے کہرام مچ گیا، سانسیں اٹک گئیں، خدا کے حضور توبہ کرنے والوں کی چیخیں بلند ہوگئیں، وہ بمثل پروانہ آپ پر فدا ہونے لگے، ندامت کے ساتھ اپنی جبینوں کو جھکایا، سرِ خم تسلیم ہو کر اطاعت پر آمادہ ہوگئے۔ شیخ نے ان کے سروں پر دست شفقت پھیرا اور دعائے خیر کی۔

یہ اقتباس سامعین کے اس منظر کو بھی پیش کرتا ہے جو ابن الجوزی کے "إن من البیان لسحرا" کی عکاسی کرتا ہے، اس لیے کہ آپ کی زبان میں اللہ نے اس قدر تاثیر عطا فرمائی تھی کہ لوگوں کو غشی اور بیہوشی طاری ہوجاتی، بعد میں جن کو ہاتھوں پر اٹھا کر شیخ کے پاس لایا جاتا۔ ابن جبیر کہتا ہے کہ ہم نے ہول وگھبراہٹ کا ایسا منظر دیکھا کہ جس سے دل میں ندامت وشرمندگی پیدا ہوگئی، آخرت کی ہولناکی یاد آگئی۔

ابن الجوزی کے مقام ومرتبہ کی اہمیت ابن جبیر کے اس قول سے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ اگر دوران سفر صحبتِ شیخ سے فیضاب نہ ہوتا تو میرا یہ سفر جہاں کوہ وبیاباں میں چلنا اور تلاطم خیز موجوں سے لڑنا بیکار ہوجاتا، پورے سفر میں سب سے زیادہ علم وعمل کے کہیں جواہر ریزے میں نے بٹورے ہیں تو شیخ کامل کے ملفوظات اور مجالس ہیں۔ ابن جبیر بارگاہِ ایزدی میں تحدیثِ نعمت کا شکر اس طرح بجالاتا ہے کہ اللہ عزوجل نے ہمیں ایسے شخص کی صحبت نصیب فرمائی جس کا ثانی اس عالم رنگ وبو میں دشوار ہے۔

فتَمَادَى عَلَى هَذَا السِّنِ وحَسَنَ أَيَّ تَحْسِيْنٍ، فَكَانَ يَوْمُهُ فِيْ ذَلِكَ أَعْجَبَ مِنْ أَمْسِهِ، ثُمَّ أَخَذَ فِيْ الثَّنَاءِ عَلَى الخَلِيْفَةِ وَالدُّعَاءِ لَهُ وَلِوَالِدَتِهِ، وكَنَى عَنْهَا بِالسِّتْرِ الأَشْرَفِ، وَالجَنَابِ الأَرْأَفِ. ثُمَّ سَلَكَ سَبِيْلَهُ فِيْ الوَعْظِ، كُلُّ ذَلِكَ بَدِيْهَةً لاَ رَوِيَّةً، وَيَصِلُ كلامَهُ فِيْ ذَلِكَ بِالآيَاتِ المقْرُوْءَاتِ عَلَى النَسَقِ مَرَّةً أُخْرَى. فَأَرْسَلَتْ وَابِلَها العيُوْنَ، وأَبْدَتِ النُّفُوْسُ سِرَّ شَوقِهَا المكْنُوْنِ وَتُطَارِحُ النَّاسَ

عَلَيْهِ بذُنُوْبِهِم مُعْتَرِفِيْنَ، وَبِالتَّوْبَةِ مُعْلِنِيْنَ، وَطَاشَتِ الأَلْبَابُ وَالْعُقُوْلُ، وكَثُرَ الوَلَهُ وَالذُّهُوْلُ، وصَارَتِ النُّفُوْسُ لاَ تَملِكُ تَحْصِيلًا، ولاَ تُمَيِّزُ مَعْقُوْلاً، وَلاَ تَجِدُ لِلصَّبْرِ سَبِيلًا.

یہ اقتباس اس مجلس کا ہے جو بروز جمعرات بادشاہ کے محل میں منعقد ہوئی، ابن الجوزی کا یہ خطبہ پچھلے خطبوں سے بہت زیادہ فصیح وبلیغ اور سامعین کے قلوب کو گرمانے والا تھا، خطبہ کی ابتدا میں شیخ نے خلیفہ کی شان اور ان کی عظمت کو بیان کیا اور تعریف وتحسین کی، بعد ازاں خلیفہ کی والدہ محترمہ کے لیے گلہائے عقیدت پیش کیے اور دعائیہ کلمات کہے اور ان کو خراج تحسین پیش کیا، بہترین القاب ستر الاشرف اور جناف الارف سے مخاطب کیا، پھر وعظ شروع کیا۔

وعظ فی البدیہ تھا، آمد ہی آمد تھی، تکلف وتصنع سے پاک تھا، آورد دور دور تک نہ تھی، آپ کی ذہانت اور فطانت کا ثبوت دے رہا تھا، قارئین کرام کی تلاوت کردہ آیتوں کو بالترتیب اپنے وعظ میں شامل کیا، جس کی وجہ سے آنکھیں اشکبار ہوگئیں، دلوں میں رقت طاری ہوگئی، لوگوں کے دل جذبات سے بھر آئے اور انہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا اور دربار خداوندی میں صدقِ دل سے توبہ کی، عقل وخرد اور دل حیران وسرگرداں ہو گئے، اضطراب وبے چینی کی کیفیت طاری ہوگئی، جس کی وجہ سے دل کا پیمانہ صبر لبریز ہوگیا، عقلیں محو ہوگئیں، دل سے صبر کی کیفیت ختم ہوگئی۔

ابن الجوزی، صاحب کمال اور صاحب عمل عالم بے بدل تھے، اللہ نے انھیں قوتِ گویائی اس طرح مرحمت فرمائی تھی کہ لوگوں کے دل پگھل جاتے اور تاثیر قلبی اس طرح ہوتی کہ لوگ برائیوں کو ترک کر کے اچھائیوں کی طرف راغب ہوجاتے، ایسی مجلسیں اقطاعِ عالم میں شاذ ونادر ہی دیکھنے کو ملتی ہیں، زبان میں تاثیر اس وقت پیدا ہوتی ہے جب قول وفعل متضاد نہ ہوں، حقیقت میں واعظ وہی ہے جو اپنے خطابات کے ذریعے لفظوں کی دروبست اور اپنے جذبات کو اس طرح ادا کرے جس سے بے راہ روی کے شکار لوگ راہ پر آجائیں۔

یہاں یہ اقتباس اپنے اندر کئی فنی محاسن کو لیے ہوئے ہے، جس سے ابن جبیر کی علمی استعداد اس کے رحلۃ کے ذریعہ وہاں کی علمی، ثقافتی، تہذیبی اور تمدنی حیثیتوں کا پتہ چلتا ہے اور ابن جبیر کے عواطف وجذبات، اظہارِ پیشکش اور تعبیرات کے استعمال کا طریقۂ کار معلوم ہوتا ہے۔

7.7.3 متن کی خصوصیات

مذکورہ بالا متن کی خصوصیات کو درج ذیل نقاط میں بیان کیا جاسکتا ہے:

۱۔ یہ سفرنامہ نہ صرف ایک تاریخی، جغرافیائی اور تہذیبی وتمدنی سرمایہ ہے بلکہ یہ فن ادب میں بھی اعلیٰ نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

۲۔ اس سفرنامے کی خصوصیت دیگر سفرناموں کے مقابلے میں یہ ہے کہ یہ عربی ادب اور فصاحت وبلاغت اور حسن بیان، طرز نگارش کے حوالے سے نہایت ممتاز ہے، اسی لیے اس سفرنامے کے مختلف اقتباسات کو بعد کے ادبانے بطور صنفی نمونے کے کتابوں میں شامل کیا ہے۔

۳۔ ابن جبیر کا یہ سفرنامہ دراصل سفرنامۂ حج ہے جو اس نے بحری اور بری راستوں کو عبور کرتے ہوئے طے کیا ہے، اس سفرنامے میں وہ اسکندریہ، قاہرہ، بغداد وغیرہ جیسے تمام مشہور مقامات کی سیاحت کرتا ہے، وہاں کے احوال وآثار، علما وخطبا، مصلحین کا تذکرہ کرتا ہے۔

۴۔ اس اقتباس میں اس نے علامہ ابن الجوزی کی مجالس وعظ ونصیحت میں اپنی شرکت اور وہاں کی کیفیات اور مشاہدات کا تذکرہ کیا ہے۔ ان کے یہاں عموماً قارئین کرام نہایت مرتب انداز میں تلاوت قرآن کرتے ہیں، تین تین قاری ایک ایک آیت کی تلاوت نہایت شیرینی اور میٹھی آواز میں کرتے، جس سے لوگوں کے دلوں پر رقت طاری ہوجاتی، پھر ان آیات کو تمہید بنا کر ابن الجوزی اپنی وعظ ونصیحت کی ابتدا کرتے، اس وعظ میں وہ

تمام آیات کونہایت منظم انداز میں ان کے تمام معانی ومفاہیم کا احاطہ کرتے ہوئے اس طرح پیش کرتے کہ سننے والا حیران وششدر رہ جاتا، ان کی فصاحت وبلاغت اور قدرت بیان پر حیرت وتعجب میں پڑ جاتا۔

۵۔ اس وعظ نصیحت کے دوران اس کی اثر انگیزی اور حاضرین کا عالم یہ ہوتا کہ وہ زاروقطار رونے لگتے اور ان کی آوازیں بلند ہوجاتی، خوف وخشیت کا یہ عالم ہوتا کہ ہر طرف گریہ وزاری، آہ وبکا سے مجلس ماتم کناں ہوجاتی، آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں سیپ کی موتیاں بن کر بہنے لگتیں، ہر شخص آپے سے باہر ہوجاتا، سب کا پیمانہ صبر لبریز ہوجاتا اور بے ساختہ رو پڑتا۔

۶۔ اس اقتباس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ واعظوں کی مجالس اس وقت نہایت سرگرم تھی، پندوموعظت کے لیے اکابر علما کی مجالس لگتی تھی، جس میں لوگ توجہ الی اللہ اور دین وشریعت اور خدا سے اپنے تعلق خاطر کو مضبوط کرنے کے لیے حاضر ہوتے، یہ مجالس نہایت رقت انگیز اور پر مغز اور بھرپور استفادہ کی قابل ہوتی۔

۷۔ اس اقتباس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ علامہ ابن الجوزی کی اثر انگیز شخصیت، ان کی نظم ونثر پر یکساں قدرت، ان کی قوت گویائی، قرآنی مفاہیم کی صحیح عکاسی اور منظر کشی اور احوال آخرت کا تذکرہ اور قرآنی آیات کی روشنی وعظ ونصیحت کا انداز ہی کچھ ایسا تھا کہ حاضرین مجلس اثر لیے بغیر نہ رہتے تھے۔

۸۔ اس وقت کے بادشاہ بھی علما سے استفاد کرتے، خصوصا ان کی مجالس اپنے حرم اور محلوں میں منعقد کراتے، عوام کو بھی ان مجالس سے استفادہ کی سہولت ہوتی، اس طرح اس دور کے بادشاہ اور ان کے اہل خاندان بھی علما اور صلحا سے مربوط ہونے کی وجہ سے بلا تفریق جنس سبھی دین دار اور دین پسند واقع ہوتے تھے۔

۹۔ خصوصا علما اور صلحا بادشاہوں کے دربار میں ان کے لیے پند ونصیحت کرتے، انھیں عدل وانصاف، رعایا پروری، خوف خدا، خشیت الٰہی کا درس دیتے، جس سے بادشاہوں میں بھی ربط مع اللہ تعلق مع اللہ کی کیفیات پیدا ہوتی۔

۱۰۔ ابن الجوزی کی مجالس وعظ آج بھی شہرت رکھتے ہیں اور کتابوں کی شکل میں موجود ہیں، جس کا تذکرہ ابن جبیر نے اپنے سفرنامے میں کیا ہے۔

7.7.4 اسلوبی خصوصیات

☆ اس سفرنامے اور اس میں موجود اس اقتباس کی اسلوبی خصوصیت یہ ہے کہ یہ عربی ادب کا اعلی نمونہ ہے، اس میں سیاح کی زبان پر قدرت جھلکتی ہے۔

☆ یہ سفرنامہ عربی ادب کا نہایت اعلی اور جامع شاہکار ہے، اس کی ادبیت اس کے ہر ہر لفظ اور ہر ہر تعبیر سے جگہ جگہ ظاہر ہے۔ جا بجا فصیح تعبیرات کا استعمال اور اشارے کنایوں میں مختلف ناموں اور مختلف امثال وحکم کا تذکرہ اور اشعار کا توارد اور مختلف اشعار سے مفہوم کے اخذ وغیرہ کی وجہ سے اس کی ادبی خصوصیت اور نمایاں ہوجاتی ہے۔

☆ اس چھوٹے سے اقتباس پر نظر کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ابن جبیر نے اپنے سفرنامے کو امثال کے ذریعے مزین کیا ہے جس کہ مثال اس میں استعمال کی گئی مختلف تعبیرات ہیں، مثلا: ”مجلس رجل لیس من عمرو و لا زید“ (ایسے مجلس جو کسی عمروزید کی نہیں) یہ ایک تعبیر ہے، جس سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ یہ کوئی معمولی اور بے حیثیت آدمی کی مجلس نہیں؛ بلکہ یہ ایک نہایت پختہ کار اور علوم وفنون میں دسترس رکھنے والے ماہر عالم دین

کی مجلس ہے، پھراسی مفہوم کی ادائیگی کے لیے ایک مثل کا استعمال کیا ہے "وفي جوف الفرا كل الصيد" وحشی گدھے میں تمام شکار آ جاتے ہیں، یعنی یہ ایک نہایت نامکار، شہرت یافتہ اوراپنے زمانہ کے یگانہ روزگار شخصیت کی مجلس وعظ ہے۔

☆ "أما نظمه فرضي الطباع، مهياري الانطباع" اس کے ذریعہ ابن جبیر نے ابن الجوزی شعری صلاحیت کا موازنہ شریف رضی اور حسین مہیار کے ذریعے کرنا چاہا ہے، یعنی عبارت میں ناموں کو اس طرح ڈھالا ہے کہ عامی کا ذہن اس کے سمجھنے میں پس منظر کے ذکر کے بغیر وہاں تک پہنچنے سے قاصر ہے۔

اسی طرح یہ امثال بھی اس قطعۂ نثر کی جان کو بڑھاتے ہیں کہ "فحدث و لا حرج عن البحر" اور "هيهات ليس الخبر كالخُبر" یعنی سمندر کی تعریف جتنی کی جائے اس کی گہرائی اور گیرائی اور اس کی وسعت کی وجہ سے کم ہے، یہ ابن الجوزی کے لیے اس نے استعمال کیا ہے اور اس تعریف کے بیان کرنے میں لوگ مبالغہ نہ سمجھ لیں اس کے لیے کہتا ہے، خبر مشاہدہ کے مثل نہیں ہوتی، میں خود اس مجلس وعظ کا حاضر باش ہوں۔

☆ نثر کا یہ نمونہ نہایت آسان، سہل، تکلف سے خالی، ادبیت اور عربیت کا جامع ہے، گرچہ اس میں مختلف تعبیرات کے استعمال کے ذریعے اس کی چاشنی اور ادبیت کو بڑھانے کی کوشش کی گئی ہے، لیکن قاری پر یہ تعبیرات بار نہیں ہوتیں۔ یہ صنف ادب عربی کا ایک اعلی اور ارفع نمونہ ہے۔

☆ استعارہ، مجاز، مرسل، تشبیہ، جناس، طباق، سجع، مقابلہ، نظیر کی رعایت، حالانکہ ان کی معنوی حیثیت کچھ نہیں ہوتی، معانی اور مطالب الفاظ سے کم کا بھی ہلکا پھلکا سادہ انداز میں استعمال نے اس نثر کی خوبی اور خاصیت کو مزید کر دیا ہے، مثلاً "تساقطوا عليه تساقط الفراش على المصباح" یعنی لوگ ایسے ٹوٹے پڑ رہے تھے جیسے پتنگیں چراغوں پر ٹوٹے پڑتے ہیں۔

اس میں سجع بندی کی بھی ہلکی پھلکی کیفیت نے اس نثر کے حسن کو دوبالا کر دیا ہے، مثلاً کہتے ہیں: "طارت لها القلوب اشتياقا"، "وذابت بها الأنفس احتراقا" پھر کہتا ہے "إلى أن علا الضجيج، وتردد بشهقاته النشيج" اور کہتا ہے: "وأعلن التائبون بالصياح، وتساقطوا عليه تساقط الفراش على المصباح" اور کہتا ہے: "فشاهدنا هولا يملأ النفوس إنابة وندامة، ويذكرها هول يوم القيامة" اور کہتا ہے: "فلو لم نركب ثبج البحر ونعتسف مفازات القفر" اور آگے کہتا ہے: "وطاشت الألباب والعقول، وكثر الوله والذهول، وصارت النفوس لا تملك تحصيلا، ولا تميز معقولا، ولا تجد للصبر سبيلا"

یہ جملہ بھی قابل التفات ہے: "ولم يزل يرددها والانفعال قد أثر فيه، والمدامع تكاد تمنع خروج الكلام من فيه، إلى أن خاف الإفحام، فابتدر القيام، ونزل عن المنبر دهشا وعجلا، وقد أطارت القلوب وجلا، وترك الناس على أحر من الجمر، يشيعونه بالمدامع الحمر، فمن معلن بالانتحاب، ومن متعفر في التراب، فيا له من مشهد ما أهول مرآه، وما أسعد من رآه" ہر دو جملہ کا قافیہ ایک ایک ہے۔

7.8 اکتسابی نتائج

یہ سفرنامہ ابن جبیر جو سفر حج پر مشتمل ہے جو عربی میں "تذكار الأخبار عن اتفاقات الأسفار" سے معروف ہے اور یہ عربی سفرنامہ عربی زبان و ادب کا ایک شاہکار اور اعلی نمونہ ہے۔ محمد ابن جبیر کا شمار دنیا کے مشہور سیاحوں میں ہوتا ہے، ابن جبیر نے اپنے سفرنامے میں نہ صرف دنیا کے

ایک وسیع حصے کو شامل کیا ہے اور اپنے سفرنامے کو تاریخی دستاویز کی حیثیت دی ہے بلکہ اپنے زور بیان، منظر کشی، دلکش اور حسین تعبیرات کے ذریعہ سے فن ادب کا بھی ایک اعلی نمونہ بنایا ہے۔ ابن جبیر کا تعلق غرناطہ (اندلس) سے تھا۔ یہ دراصل ان کا سفرنامہ حج ہے جو انھوں نے ذوالحجہ 578ھ میں شروع کیا اور صقلیہ، شام، مصر، فلسطین، عراق، لبنان اور حجاز مقدس کے مکمل احوال وآثار اور مشاہدات کو سمیٹتے ہوئے محرم 581ھ غرناطہ واپس پہنچنے پر مکمل کیا۔ اس سفرنامے کی اہمیت یہ بھی ہے کہ یہ دوسری صلیبی جنگوں کے زمانے کی مستند تاریخی دستاویز ہے۔ ابن جبیر نے اپنے سفرنامے میں سیاسی، سماجی اور اقتصادی حالات کے ساتھ ساتھ لوگوں کے مذہبی عقائد ونظریات اور رسوم ورواج کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ مزید برآں جس انداز واسلوب میں یہ سفرنامہ لکھا گیا ہے، اس سے پہلے اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ یہاں تک کہ ابن بطوطہ جیسے سیاحِ عالم نے اپنے شہرہ آفاق سفرنامے میں متعدد جگہوں پر سفرنامہ ابن جبیر کو بطور حوالہ پیش کیا ہے۔ غرض کہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو اس نے نہ بیان کی ہو، سیاست اور ملک داری میں بھی وہ نہایت لائق ثابت ہوتا ہے ہر جگہ کے قلعہ کے حالات میں وہ فوجی معاملات کو مدنظر رکھ کر کیفیت لکھتا ہے اور مجمل الفاظ میں حملہ آور ں کے لیے مفید باتیں اور مستحصروں (محصور لوگوں) کے لیے حفاظت کی تدبیریں بھی بتلاتا جاتا ہے۔ اس سفرنامے میں اس نے عجائبات عالم کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

ابن جبیر کا مذکورہ بالا اقتباس اسلامی تاریخ کے ایک مشہور عالم دین کی علمی محفل کی روداد ہے، جس میں ابن جبیر اپنے جذبات کا اظہار بڑے دلکش پیرائے میں کیا ہے اور ابن جوزی کی علمی سیادت ان کے محفل کے آداب ووقار کو بڑے خوب صورت انداز میں نہ صرف بیان کیا ہے بلکہ یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اپنے اس سفر میں اگر وہ ابن جوزی کی اس محفل کو نہ پاتا تو اس کا سارا سفر بیکار ہو جاتا۔

یہ سفرنامہ عربی ادب کا نہایت اعلی اور جامع شاہکار ہے، اس کی ادبیت اس کے ہر ہر لفظ اور ہر ہر اقتباس سے جگہ جگہ ظاہر ہے۔ جا بجا تعبیرات کا استعمال اور اشارے کنایوں میں مختلف ناموں اور مختلف امثال وحکم کا تذکرہ اور اشعار کا توارد اور مختلف اشعار سے مفہوم کے اخذ وغیرہ کی وجہ سے اس کی ادبی خصوصیت اور نمایاں ہو جاتی ہے۔

نثر کا یہ نمونہ نہایت آسان، سہل، تکلف سے خالی، ادبیت اور عربیت کا جامع ہے، گرچہ اس میں مختلف تعبیرات کے استعمال کے ذریعے اس کی چاشنی اور ادبیت کو بڑھانے کی کوشش کی گئی ہے، مگر یہ کوشش اس میں تکلف اور تصنع کو پیدا نہیں کرتی۔ یہ صنف عربی ادب کا ایک اعلی اور ارفع نمونہ ہے۔

7.9 امتحانی سوالات کے نمونے

ا۔ درج ذیل عبارت پر اعراب لگائیے اور اس کا ترجمہ کیجیے۔

فتمادى على هذا السين وحسن أي تحسين، فكان يومه في ذلك أعجب من أمسه، ثم أخذ في الثناء على الخليفة والدعاء له ولوالدته، وكنى عنها بالستر الأشرف، والجناب الأرأف. ثم سلك سبيله في الوعظ، كل ذلك بديهة لا روية، ويصل كلامه في ذلك بالآيات المقروءات على النسق مرة أخرى. فأرسلت وابلها العيون، وابدشوقها المكنون وتطارح الناس عليه بذنوبهم معترفين، وبالتوبة معلنين، وطاشت الألباب والعقول، وكثر الوله والذهول، وصارت النفوس لا

تملك تحصيلا، ولا تميّز معقولا، ولا تجد للصبر سبيلاً۔

۲۔ سبق میں استعمال کیے گئے چند تعبیرات لکھتے ہوئے اس کا ترجمہ کیجیے۔

۳۔ سفرنامہ کی تعریف کیجیے اور اس کی ادبی اہمیت کو اجاگر کیجیے۔

۴۔ وصف مجلس ابن الجوزی کا خلاصہ لکھیے۔

۵۔ ابن جبیر کے احوال وکوائف بیان کیجیے۔

۶۔ متن کی خصوصیات بیان کیجیے۔

7.10 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

۱۔	رحلة ابن جبير	ابن جبير
۲۔	مختارات من أدب العرب	أبو الحسن علي الندوي
۳۔	أدب الرحلات	د۔ حسين م
۴۔	أدب الرحلات وتطوره في الأدب العربي	أحمد أبو سعد

اکائی 8 ہذیل بن رزین کے نام ابوحفص ابن بردالاکبر کا خط

اکائی کے اجزا

8.1 تمہید

8.2 مقصد

8.3 رسالہ: تعریف اور قسمیں

8.4 رسالہ نویسی کا سیاسی پس منظر: فتنۂ اندلس

8.5 رسالہ ابوحفص ابن بردالاکبر کا تعارف

8.5.1 کاتب کا تعارف

8.5.2 مکتوب الیہ کا تعارف

8.5.3 مکتوب عنہ کا تعارف

8.5.4 مکتوب کا تعارف

8.6 خط/ رسالہ کا متن

8.7 ترجمہ

8.8 کلیدی الفاظ

8.9 اکتسابی نتائج

8.10 امتحانی سوالات کے نمونے

8.11 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

8.1 تمہید

اسلام سے پہلے عربوں میں شعر وخطابت اور امثال وحکم کا بازار گرم تھا۔ تحریر وکتابت کا رواج نہ کے برابر تھا۔ اسلام کی آمد کے بعد حالات میں تغیر پیدا ہوا اور آہستہ آہستہ تحریر وکتابت کا فروغ ہونے لگا۔ ایک طرف قرآن کریم کی پہلی نازل ہونے والی آیت ''إقرأ'' نے تعلیم وتعلم کی اہمیت واضح کی، تو دوسری طرف ''والطور و کتاب مسطور'' اور ''ن والقلم وما یسطرون'' جیسی دوسری آیات نے اہل اسلام کو تحریر و کتابت کی طرف متوجہ کیا۔ رسول اکرم ﷺ نے قرآن کریم کو تحریری طور پر جمع کرنے کے لیے کاتبوں کی ایک جماعت بنائی تھی، جس میں خلفائے اربعہ کے علاوہ، حضرت امیر معاویہ اور دیگر متعدد صحابہ کرام - رضوان اللہ علیہم اجمعین - شامل تھے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے کئی عملی اقدامات کے ذریعے لوگوں کو تحریر کی جانب راغب کیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خلفائے راشدین نے بھی لوگوں کو کتابت کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی۔ اس سلسلے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشہور قول ہے: ''قیدوا العلم بالکتابة''۔ یعنی علم کو کتابت کے ذریعے اپنی گرفت میں کرلو۔

جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ (15ق ھ-60ھ/ مطابق 608ء-680ء) کے ہاتھوں خلافت امیہ کا قیام (41ھ/ مطابق 662ء) عمل میں آیا تو آپ نے نظم سلطنت کے ارادے سے دیگر ضروری محکموں کے ساتھ ایک محکمہ دیوان الرسائل کا بھی قائم کیا۔ شروع شروع میں خلیفہ خود رسائل کا املا کراتا تھا۔ بعد میں یہ ہونے لگا کہ کاتب حضرات اپنی طرف سے رسائل لکھ دیتے اور پھر خلیفہ کے سامنے انھیں پیش کر کے منظوری حاصل کر لیتے۔ ہشام بن عبدالملک (72ھ-125ھ/ مطابق 691-743ء) کے عہد (105ھ-125ھ/ مطابق 724ء-743ء) میں جب اس کے مولی سالم نے دیوان الرسائل کی ذمہ داری سنبھالی، تو فن رسالہ میں کافی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ اس کے بعد آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد (72ھ -132ھ/ مطابق 691ء-750ء) کے زمانۂ حکمرانی (127ھ-132ھ) میں عبدالحمید بن یحییٰ الکاتب (وفات: 132ھ/ 750ء) نے دیوان الرسائل کا منصب سنبھالا۔ یہ، سالم مولی ہشام کے شاگرد تھے۔ عبدالحمید نے اپنی ماہرانہ نثر نگاری کے ذریعے رسالہ نگاری کو باقاعدہ ایک فن کے درجے تک پہنچا دیا۔ یہاں تک کہ یہ کہا جانے لگا کہ کتابت کا آغاز عبدالحمید سے ہوا ہے۔ (قد بدأت الکتابة بعبد الحمید)۔ عبدالحمید الکاتب کے اسلوب کی نمایاں خصوصیات میں سے چند امور درج ذیل ہیں:

1- ازدواج: یعنی اپنی فکر کو مضبوط کرنے کے لیے متعدد قریب المعنی عبارتوں کا استعمال۔

2- اطناب۔

3- حمدیہ عبارتوں میں طوالت

4- صورت حال کا تفصیلی بیان

5- رسالہ کے مقاصد کی توسیع۔

عبدالحمید کے چند اہم مکتوبات یہ ہیں:

1- خط بنام اہل قلم (رسالة إلی الکتاب)

2- خط بنام عبداللہ بن مروان، اس کے والد کی طرف سے (**رسالة إلى عبد الله بن مروان على لسان أبيه**)۔

3- شکار اور شطرنج کے بارے میں ایک رسالہ (**رسالة في وصف الصيد و الشطرنج**)۔

4- مروان کی معیت میں شکست خوردگی کے بعد اپنے اہل خانہ کے نام ایک خط۔(**رسالته إلى أهله وهو منهزم مع مروان بن محمد**)۔

عباسی خلفا نے محکمہ دیوان الرسائل کی جانب خاص توجہ مرکوز کی، اس وجہ سے عباسی دور میں کاتبوں کی اچھی خاصی تعداد پیدا ہوئی اور فن ترسل میں مقابلہ آرائی کا ماحول وجود پذیر ہونے لگا؛ کیونکہ اس میں مہارت پیدا کر کے دیوان الرسائل کے شعبے تک رسائی حاصل ہو سکتی تھی اور اس شعبے تک رسائی کے بعد کسی صوبے کی ولایت (گورنری) اور دربار شاہی میں وزارت کا راستہ آسان اور ہموار ہو جاتا تھا۔ یحییٰ بن خالد برمکی (وفات: 190ھ)، جعفر برمکی (وفات: 803ء)، محمد بن عبد الملک الزیات، معروف بہ ابن الزیات (وفات: 233ھ/ 847ء)، احمد بن یوسف الکاتب (وفات: 213ھ/ 828ء)، ابن العمید (جاحظ ثانی) (وفات: 367ھ)، الصاحب بن عباد (وفات: 385ھ) اور ضیاء الدین ابن الاثیر (558ھ-637ھ) وغیرہ اس سلسلے کے چند اہم نام ہیں۔ تیسری اور چوتھی صدی ہجری فن الرسائل کے عروج وارتقا کا زمانہ تھا۔

اندلس میں بھی فن رسالہ نویسی مشرقی نہج اور مشرقی اسلوب پر جاری رہا۔ عبدالرحمن الداخل نے دیوان الرسائل کی طرف خصوصی توجہ کی اور امیہ بن یزید بن ابوحوثرہ کو کتابت کی ذمہ داری تفویض کی۔ بعد میں اس کے جانشینوں نے اس کی پیروی کی اور اپنے زمانے کے نمایاں اہل علم وقلم کو ''کاتب'' کا منصب عطا کرتے رہے۔ الحکم الثانی المستنصر کے عہد تک رسالہ نگاری سجع کی بندشوں سے آزاد رہی۔ اس کے بعد ہشام ثانی المؤید، اس کے وزیر المنصور بن ابوعامر اور اس کے دونوں فرزندوں المظفر اور الناصر کے زمانہ اقتدار میں سجع کا عام استعمال نظر آنے لگتا ہے، جس کی واضح مثال ابن بردالاکبر کی تحریریں ہیں۔

8.2 مقصد

اس اکائی کا مقصد:

☆ اندلس میں فن رسالہ نویسی سے آپ کو واقف کروانا ہے۔

☆ اس دور کے ایک اہم کاتب اور ادیب کے ایک خط کا جائزہ لینا ہے تاکہ ہم کو یہ معلوم ہو سکے کہ اندلس میں فن رسالہ نویسی کی کیا حالت تھی۔

☆ فن رسالہ کی تاریخ، اس کے اقسام اور اس کی خصوصیات پر مطلع ہوں گے۔

8.3 رسالۃ: تعریف اور قسمیں

عربی ادب میں خطوط نگاری (فن الرسالۃ/ فن الرسائل) ایک قدیم ادبی اور نثری صنف ہے۔ اس کی چار بڑی اور اہم قسمیں ہیں:

☆ **الرسائل الديوانية**: (سرکاری خطوط): ان خطوط کو کہا جاتا ہے جو بادشاہ وقت کی طرف سے اس کے امیروں، وزیروں، قاضیوں، فوج کے سالاروں، دیگر ماتحت حکام یا دوسرے ملک کے بادشاہوں کے نام روانہ کیے جائیں۔ عہدوں اور مناصب پر کسی کے تعین یا برطرفی سے متعلق دستاویزوں کا شمار بھی اسی ذیل میں ہوتا ہے۔ آسان لفظوں میں انھیں "شاہی فرمان" یا سرکاری دستاویز بھی کہا جا سکتا ہے۔

رنج وغم یا خوشی ومسرت کے کسی موقع کی مناسبت سے حکومتی عہدے داروں کا ایک دوسرے کو ہدیۂ تبریک پیش کرنا، اظہار مسرت کرنا،

تعزیت ظاہر کرنا وغیرہ بھی اسی ذیل میں شامل ہے۔مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ نظم سلطنت میں شامل افراد کے درمیان تحریری سرگرمیوں کا نام ہے الرسائل الدیوانیۃ ۔اس قسم کی تحریروں کو دوسرے مختلف نام بھی دیے گئے ہیں، مثلاً: **الرسائل السياسية** (سیاسی خطوط)، **الرسائل السلطانية** (شاہی خطوط)، **الرسائل الرسمية** (سرکاری خطوط)۔

☆ **الرسائل الإخوانية:** (دوستانہ خطوط): ان خطوط کو کہا جاتا ہے جو عام لوگ ایک دوسرے کے نام ارسال کریں۔اس قسم کے خطوط لوگوں کے مبارکباد، تعزیت، شکر گزاری، معذرت، شوق ملاقات، نصیحت و خیر خواہی، ناراضی یا ہمدردی اور محبت کا اظہار وغیرہ، جیسے امور ان کے باہمی تعلقات اور ان کی نوعیت و کیفیت کا آئینہ ہوا کرتے ہیں۔مختصر لفظوں میں انسانی جذبات و احساسات کی صورت گری، **الرسائل الإخوانية** یعنی دوستانہ خطوط کے موضوعات ہیں۔دوستانہ خطوط کا اسلوب سادہ و دل نشیں ہوتا ہے۔اس میں خوش اخلاقی، رواداری، عاجزی و انکساری پر مشتمل عبارتوں اور مرسل الیہ سے تعلق اور اس کے مرتبے کے لحاظ سے القاب و آداب کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔عربی ادب میں دیوانی رسائل کی طرح اخوانی رسائل کا آغاز بھی اموی دور میں ہوا اور عہد عباسی ان ادبی اصناف کی ترقی کا زمانہ تھا۔اخوانی رسائل کو "**الرسائل الاجتماعية**" (سماجی/ معاشرتی خطوط) اور "**الرسائل الشخصية**" (شخصی/ ذاتی خطوط) بھی کہا جاتا ہے۔

☆ **الرسائل الأدبية:** (ادبی خطوط): علمی، ادبی، دینی، تاریخی یا اس جیسے دیگر موضوعات پر تبادلہ خیال، اظہار رائے یا اطلاع کے لیے اہل علم کے مابین مکاتبت و مراسلت کا نام **الرسائل الأدبية** ہے۔جاحظ کا نام ادبی خطوط نگاری کے میدان میں امام فن کی حیثیت رکھتا ہے، اس کا رسالہ "**التربيع و التدوير**" ادبی رسائل میں کافی شہرت کا حامل ہے۔اسی طرح ابو العلاء المعری کے رسائل: "**رسالة الغفران**"، "**رسالة الصاهل و الشاحج**" اور "**رسالة الملائكة**" یہ سب ادبی رسائل و خطوط کی مثالیں ہیں۔اس سلسلہ کے اندلسی نثر نگاروں میں ابن شہید (382ھ-426ھ) کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے، جس کا "**رسالة التوابع و الزوابع**" متعدد جہتوں سے اہمیت کا حامل ہے، یہ بھی ادبی رسائل کی ایک مثال ہے۔ یوں ہی ابن زیدون (394ھ -463ھ) کے رسائل "**الرسالة الهزلية**" اور "**الرسالة الجدية**" مثالی ادب پارے اور رسالہ نگاری کے میدان میں جدت طرازی کے پیش رو ہیں۔

ادبی رسالہ نگاری اصل میں تصنیف و تالیف کا میدان ہے۔فن رسالہ کی قدیم صنفی شکل و ہیئت کے پیش نظر جدید اصطلاح کے اعتبار سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ادبی رسالہ نگاری کی ترقی یافتہ شکل وہ ہے جسے آج کل "مقالہ" کے نام سے جانا جاتا ہے۔یعنی قدیم معنی کے اعتبار سے آج کل رسالہ کا مطلب ہے: خط/ خطوط نگاری یا مقالہ اور مقالہ نگاری۔اس کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رکھنا لازم ہے کہ پہلے رسالے کا لفظ "کتاب" کے مقابلے میں بھی بولا جاتا تھا، یعنی ایسی تحریر جو بہت زیادہ طویل اور مفصل ہونے کے بجائے مختصر ہو۔اس اعتبار سے بھی رسالہ کا لفظ مقالہ کا ہم معنی قرار پاتا ہے۔آج کل رسالہ کا لفظ "مفصل تحقیقی مقالات" کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً "**رسالة الماجستير**" اور "**رسالة الدكتوراه**"، یہاں آکر کتاب اور رسالہ ہم معنی ہو جاتے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ قدیم تحریروں میں رسالہ کا لفظ دو معنوں کے لیے استعمال ہوتا تھا:

1- ادبی خطوط/ ادبی تحریریں
2- کسی ایک موضوع پر مختصر علمی تحریر

پہلا معنی ابھی بھی باقی ہے۔ دوسرے معنی کی جدید شکل مقالہ نگاری ہے۔ ان دونوں معنوں کے ساتھ ایک تیسرا معنی جدید دور کی پیداوار ہے، جو کہ کتاب کا ہم معنی ہے۔ یا یہ کہا جائے کہ عہد جدید میں دوسرے معنی کے ابعاد واہداف میں وسعت اور کشادگی پیدا ہوگئی اور اس طرح رسالہ کا جو لفظ کتاب کا مقابل تھا وہ کتاب کا ہم معنی ہوگیا۔

☆ **الرسائل الوعظية:** (اصلاحی خطوط): وہ خطوط جو تقوی شعار اور پرہیز گار حضرات اپنے زمانے کے حکام وسلاطین اور امرا اور وزرا کی اصلاح کی غرض سے انھیں ارسال کریں، مثلا: عوامی امور کی جانب توجہ دلانا، ظلم و ناانصافی پر تنبیہ کرنا، دینی معاملات کی طرف متوجہ کرنا، دنیاوی امور میں حد سے زیادہ مشغول رہنے پر تنبیہ اور فکر آخرت کی رغبت پیدا کرنا، وغیرہ۔ متعدد مقامات پر رسائل کی اقسام میں دیوانی، اخوانی اور ادبی رسائل کا ذکر کیا جاتا ہے مگر اس چوتھی قسم کا ذکر نہیں کیا جاتا۔ آئندہ صفحات میں جو خط پیش کیا جا رہا ہے، وہ اندلسی عربی ادب سے دیوانی رسائل کی ایک مثال ہے۔

8.4 مکتوب کا سیاسی پس منظر: فتنۂ اندلس

سلطنت اموی دمشق کے خلیفہ ولید بن عبدالملک کا زمانہ خلافت تھا، طنجہ کے امیر طارق بن زیاد تھے اور افریقہ کے والی موسی بن نُصَیر (نون پر پیش، صاد پر زبر) تھے، دونوں کی سیاسی حکمت عملی اور مشترکہ عسکری کارروائیوں کے نتیجے میں 92ھ-107ھ مطابق 711ء-726ء کے درمیان جزیرہ ایبیریا کے ملک اندلس کے علاقے، ایک ایک کر کے خلافت اسلامیہ کا حصہ بن گئے۔ یہ مسلم فتوحات کا نیا عنوان اور اسلامی حکومت کا زریں دور تھا۔ دمشق کی اموی حکومت قائم رہنے تک مرکز کی طرف سے افریقہ کے والیوں کا تعین ہوتا رہا اور اندلس کا زرخیز خطہ والی افریقہ کے ماتحت رہا۔ اندلسی تاریخ کا یہ دور، دور ولایت کے نام سے جانا جاتا ہے۔ دور ولایت کی مدت 716ء سے 756ء تک رہی۔ اس درمیان یہاں 21 گورنروں نے مرکز کی سرکردگی میں حکومت کی۔

132ھ میں عباسی انقلاب کے بعد یہ علاقہ مرکزی خلافت سے آزاد ہوگیا۔ کچھ عرصے بعد اموی خاندان کا شہزادہ عبدالرحمان، عباسیوں کے انتقام سے بچتا بچاتا، چھپتا چھپاتا اندلس میں داخل ہوا۔ عبدالرحمان چونکہ باہر سے اندلس میں آیا تھا؛ اس لیے تاریخ میں اسے عبدالرحمان الداخل کہا گیا۔ یہاں اس نے 138ھ/ 756ء میں نئے سرے سے اموی حکومت کی بنیاد ڈالی اور شہر قرطبہ کو دارالحکومت قرار دیا۔ اندلس کی یہ اموی سلطنت ڈھائی سو سال سے زیادہ یعنی 138ھ سے 421ھ تک قائم رہی۔ اندلس کے اموی حکمراں شروع میں امیر کہلاتے تھے۔ اس طرح سات اموی حکمراں امیر کے نام سے یاد کیے گئے۔ اس عرصے کو دور امارت یا **عصر الإمارة** کہا جاتا ہے، یہ دور 138ھ سے 316ھ مطابق 756ء-929ء تک محیط ہے۔

آٹھواں حکمراں عبدالرحمان الناصر یا عبدالرحمان الثالث 300ھ/ 912ء میں تخت سلطنت پر رونق افروز ہوا۔ شروع کے پندرہ-سولہ سال اس نے بھی امیر کی حیثیت سے انتظام حکومت چلایا۔ لیکن کچھ مدت بعد جب اس نے دیکھا کہ بغداد کی عباسی خلافت کمزور ہوچکی ہے، تو اس نے 316ھ/ 929ء میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا، اس کے بعد سارے حکمراں خلیفہ کہلائے۔ عبدالرحمن سوم 350ھ مطابق 961ء تک تخت خلافت پر متمکن رہا۔ عبدالرحمن کا عہد اندلسی تاریخ کا عہد زریں ہے۔

عبدالرحمن کے بعد اس کے فرزند حکم بن عبدالرحمن 350ھ-366ھ مطابق 961ء-976ء اور پھر حکم کے بیٹے ہشام دوم بن حکم 366ھ-

399ھ مطابق 976ء-1009ء نے تخت خلافت کو زینت بخشی۔ ہشام دوم جب تخت خلافت پر متمکن ہوا، اس وقت اس کی عمر بہت کم تھی، اس لیے حکومت کا نظم ونسق اس کے حاجب (وزیر) جعفر مصحفی کے ہاتھ آ گیا۔ اس وقت ابو عامر محمد بن ابو عامر المنصور، صاحب الشرطہ (پولیس چیف کوتوال) تھا، جس نے دو ہی سال کے عرصے میں جعفر مصحفی کو کنارے لگا دیا اور حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی۔ المنصور نے 392ھ مطابق 1002ء میں اپنی وفات تک بہت خوبی سے حکومت کا نظام رواں رکھا۔ اس درمیان اس نے آس پاس کی عیسائی ریاستوں کو بھی محکوم بنا لیا اور حدود سلطنت کو کافی وسیع کر دیا۔ منصور کہنے کو تو حاجب یا وزیر اعظم تھا لیکن اصل میں عنان خلافت اسی کے ہاتھ میں تھی۔ منصور کے اقتدار میں آنے سے اصل اموی سلطنت کے اندر ایک اور حکومت قائم ہوگئی، جسے سلطنت عامری کا نام دیا گیا ہے۔ منصور کے بعد اس کے لڑکے عبد الملک المظفر باللہ نے 399ھ مطابق 1009ء تک کامیابی سے انتظام حکومت سنبھالا۔ مظفر کے بعد جب اس کے بھائی عبد الرحمن شنجول نے حکومت اپنے ہاتھ میں لی، تو شاہی خاندان کے افراد نے بغاوت کر دی، کیونکہ عامری حکومت کے تحت اصل اموی حکومت کا اثر ورسوخ ختم ہونے لگا تھا۔

اس بغاوت سے اندلسی تاریخ ایک نئے مرحلے میں داخل ہوگئی اور اندرون خانہ باہمی جدل وقتل کی آگ بھڑک اٹھی۔ تقریباً بائیس سال جاری رہنے والی اس خانہ جنگی کا انجام یہ ہوا کہ اندلس کی عامری اور اموی حکومت وخلافت کا خاتمہ ہوگیا۔ 399ھ سے 422ھ تک کے اس دور کو مؤرخین نے فتنۂ اندلس سے تعبیر کیا ہے۔

عبد الرحمن شنجول بغاوت کی لڑائی میں مارا گیا۔ خلیفہ ہشام شاہی خاندان کے ایک فرد (محمد ثانی المہدی) کے حق میں خلافت سے دستبردار ہوگیا۔ اس کے بعد چند ماہ کے لیے سلیمان المستعین اور پھر محمد ثانی دوبارہ تخت سلطنت پر متمکن ہوا۔ محمد ثانی کے بعد ہشام دوم دوبارہ سریر آرائے خلافت ہوا، اب کی بار اس کی مدت خلافت 400ھ-403ھ مطابق 1010ء-1013ء رہی۔ ہشام کی وفات کے بعد سلیمان پھر خلیفہ بنا، اس بار اس نے تقریباً چار سال حکومت کی یعنی اس کی مدت حکومت (403ھ سے 407ھ مطابق 1013ء تا 1016ء) رہی۔ سلیمان کے بعد چار اور خلفا ہوئے۔ اس پورے عرصے میں خانہ جنگی اور امرا اور وزرا کے درمیان جوڑ توڑ چلتی رہی، جس نے آخر کار اندلس سے اموی حکومت کی جڑیں اکھاڑ پھینکیں۔ اس کے بعد اندلسی تاریخ کے مراحل حسب ذیل ہیں:

طوائف الملوکی کا دور اول:	1031-1085ء
مرابطین کا دور:	1085-1144ء
طوائف الملوکی کا دوسرا دور:	1144-1172ء
موحدین کا دور:	1172-1212ء
طوائف الملوکی کا تیسرا دور:	1212-1238ء
سلطنت غرناطہ:	1238-1492ء

8.5 رسالہ ابو حفص ابن البرد الاکبر کا تعارف

8.5.1 کاتب/نثر نگار کا تعارف

اندلس کی سیاسی اور ادبی تاریخ میں آل برد یا بنو برد کا نام معروف وممتاز رہا ہے۔ بنو برد کا تعلق، بطور ولاۃ بنوشہید سے تھا۔ آل برد میں سے دو نام زیادہ مشہور ہوئے: ابوحفص احمد بن محمد اور ابوحفص احمد بن برد۔ دونوں کو مختصراً ابن برد کہا جاتا ہے اور امتیاز کرنے کے لیے اول کو ابن بردالاصغر اور دوم کو ابن بردالاکبر سے موسوم کیا گیا ہے۔ ابن بردالاکبر دادا ہیں اور ابن بردالاصغر پوتے ہیں۔ یہاں ابن بردالاکبر (یعنی دادا) کا تذکرہ مقصود ہے۔

ابوحفص احمد بن بردالاکبر کا شمار اپنے زمانے کے ممتاز ادبا اور فضلا میں کیا جاتا ہے۔ یہ اندلس میں اموی سلطنت کا دور آخر تھا۔ اموی خلیفہ ھشام بن حکم المؤید باللہ کے وزیر منصور بن ابوعامر (327ھ-392ھ) کے زمانۂ عروج واقتدار میں عبدالملک بن ادریس الجزیری (معروف بہ ابن الجزیری وفات 394 مطابق 1004ء) اس کے کاتب (سیکریٹری) رہے۔ ابن الجزیری کے بعد یہ منصب ابن بردالاکبر نے سنبھالا اور عبد الملک المظفر بن منصور (364ھ-399ھ) کے عہد (392ھ-399ھ) سے یحیٰ بن علی بن حمود (385ھ-427ھ) کے عہد تک کاتب یعنی (سیکریٹری) کے فرائض انجام دیے۔ اسی عرصے میں ابن برد نے اموی خلیفہ سلیمان المستعین (354ھ-407ھ) کی طرف سے بھی کاتب کی ذمہ داری نبھائی۔ سیاسی اتھل پتھل کے اس دور میں اس نے جو کچھ لکھا، اس کے متعدد نمونے محفوظ ہیں۔ ابن برد کی نثر نگاری فصاحت وبلاغت کا عمدہ نمونہ ہے اور اسے دیکھ کر صاحب تذکرہ کے علم وفضل اور اعلیٰ فہم وفراست کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

ابن برد کی زندگی کے بارے میں زیادہ معلومات فراہم نہیں ہیں۔ سوانح اور تراجم کی کتابوں میں اس کا تذکرہ بڑے مختصر انداز میں کیا گیا ہے۔ جو کچھ درج بالا سطور میں بیان کیا گیا، یہی کل سرمایۂ معلومات ہے۔ اسی سال سے متجاوز ہو کر سرقسطہ میں 418ھ میں ابن برد کا انتقال ہوا۔ ابن بسام نے ''الذخیرۃ'' میں ابن برد کی نثر کے متعدد نمونے جمع اور محفوظ کر دیے ہیں۔

8.5.2 مکتوب الیہ کا تعارف

یہ خط ابن بردالاکبر نے ہذیل بن رزین کو ارسال کیا تھا۔ اس کا پس منظر درج ذیل ہے۔

اموی خلیفہ ھشام المؤید باللہ (354ھ-403ھ) کے زمانۂ خلافت (366ھ-399ھ/ 400ھ-403ھ) میں منذر بن یحییٰ التجیبی (سلطنت عامری کے ایک قائد لشکر) نے سرقسطہ (Saragoza / Zaragoza) کی زمام اقتدار سنبھالی۔ فتنۂ اندلس (399ھ-422ھ) کے دوران سلیمان المستعین نے سرقسطہ پر اس کی بالادستی کو برقرار رکھا، اس طرح منذر، سلیمان کی تائید وحمایت میں آ گیا۔

اسی وقفے میں بنورَزِین کے ایک فرد ہُذَیل بن رَزِین نے اندلس کی بالائی اور وسطی حدود کے کچھ علاقوں پر قبضہ کرلیا اور ھشام کے خیمے میں شامل ہوگیا، جب کہ اس سے پہلے وہ دربار سلیمانی کا حاضر باش تھا۔ خط کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ ہذیل کی سرکشی کے پس پشت سلیمان کے حاجب/ وزیر سے اس کی کہا سنی کا بھی کچھ معاملہ تھا۔ خلیفہ سلیمان المستعین کی طرف سے منذر نے، ہذیل بن رزین کے زیر نگیں ان علاقوں پر قبضہ کرنا چاہا، مگر وہ کامیاب نہیں ہوسکا۔ 403ھ مطابق 1013ء میں ھشام کی وفات کے بعد ہذیل نے ازخود سلیمان المستعین کی تابعداری قبول کر لی اور پہلے کی طرح مقرب بارگاہ ہوا۔

8.5.3 مکتوب عنہ کا تعارف

ابن بردالاکبر نے یہ خط سلیمان المستعین کی طرف سے لکھا تھا۔ ابوایوب سلیمان بن الحکم، معروف بہ سلیمان المستعین باللہ، اندلس میں

خاندان بنی امیہ کا بارھواں فرمانروا اور پانچواں خلیفہ دو بار تخت سلطنت پر بیٹھا۔ پہلی بار 400ھ میں چند ماہ کے لیے، دوسری مرتبہ 403ھ سے 407ھ تک۔ اس کی ولادت دارالسلطنت قرطبہ (Cordoba) میں 354ھ میں ہوئی۔ 53 سال کی عمر میں علی بن حمود نے باپ اور بھائیوں کے ساتھ مل کر قصر خلافت میں اسے قتل کر دیا اور خود خلیفہ بن بیٹھا۔ سلیمان المستعین کے قتل کا حادثہ 28 محرم 407ھ کو قرطبہ میں رونما ہوا۔

8.5.4 مکتوب/خط کا تعارف

خط میں ہذیل بن رزین کو، امیر المومنین سلیمان المستعین باللہ کی اطاعت وفرماں برداری کی ترغیب دی گئی ہے۔ اس ضمن میں قرآنی آیات اور انسانی طبیعتوں کے اختلاف کا حوالہ دے کر طاعت کی طرف سبقت کرنے کی اہمیت اجاگر کی گئی ہے اور سابقہ انعام واکرام کا ذکر کر کے یہ یقین دلایا گیا ہے کہ اگر تم امیر المومنین کے دامن سے وابستہ ہو جاؤ، تو تمہارا مرتبہ ومنصب حسب سابق برقرار رہے گا، بصورت دیگر جو انجام غداروں کا ہوتا ہے وہی تمہارا ہوگا۔

8.6 خط کا متن

پیراگراف:1

أما بعد – آتاک اللهُ رُشدَکَ، و أجزل من توفيقه قِسطَکَ – فإن الله تعالى خلق الخلْقَ غنياً عنهم، وأنسأهم بمَهَلٍ غير مُهمَلٍ، بل ليحصِيَ آثارَهم، و لِيَبْلوَ أخبارَهم، و جعلهم أَخيافاً مُتبايِنينَ، وأطوارًا مُختلفينَ، فمنهم المُختَصُّ بالطاعةِ، ومنهم المُبتَلى بالمعصية، و بين الفريقين أقوامٌ خلطوا عملاً صالحًا وآخرَ سيئًا عَسَى اللهُ أن يتوبَ عليهم، ولو شاءَ اللهُ لكانَ الناسُ أمةً واحدةً ولا يزالون مختلفينَ، ولذلک خَلقَهم. والسعيدُ مَنْ خَاف ربَه، وعرف ذَنْبَه، وبادرَ بالتوبة قَبلَ فوتِها، وَاستَعْطَى الرحمةَ قَبل مَنْعِها.

پیراگراف:2

وإن كُنتَ تَركتَ قَصدَکَ، وخالفتَ رُشدَکَ، ونَكِبتَ عنْ سبيلِ سَلَفِکَ، فَلَمْ يُوحِشْکَ مِمَّنْ شَرَدْتَ عَليه مَكْروهٌ نَالکَ بِه، وَلَمْ يُؤنِسکَ مِمَنْ جَنَحتَ إليه أَمَلٌ لَمْ تَطْمَعْ فيه إلّا لَدَيْه، بَل كنتَ آمِنًا مِن المخاوِف، بعيدًا مِن المكارِه، قريبَ الْمكانةِ، رَفيعَ الدرجةِ، مُصَدَّرًا في أهلِ النصيحةِ والثقةِ؛ خَلَا أنه حَدثَ بَينَکَ وبينَ الحاجِبِ ما لم يَزَلْ يَحدُثُ بينَ القُوّادِ والعُمّالِ عَلى قديمِ الزمانِ مِمَّا لم يبلُغْ أن يُخرِجَ ذا الرَأْيِ الأَصيلِ عن طَبقتِه، ولا يجاوز أن يزيدَ المُحنَقَ على المَحْکِ في خُصومتِه.

پیراگراف:3

والله عليم أنَّ أميرَ المؤمنين لمْ يَبْخَسکَ فيْ تلک الهِباتِ حظًّا، ولا أَوْلَاکَ إعْرَاضًا، ولقدْ اعْتَنى بمصلحتِکَ، وعَزَمَ على إزَاحةِ عِلَّتِکَ، حتى يَتَهَيَّأَ من ذلک ما يفِيْ بأَمَلِکَ لَوِ انْتَظَرْتَهُ، واستقامَ فيه ما يزيدُ على طلبتِکَ لو صبرتَ عليه، ولکَ في القدرِ المقدورِ فُسحَةٌ، وفي القضاءِ المحتومِ مندوحةٌ، ولن تضيقَ بکَ السبيلُ عندَ أميرِ المؤمنينَ، و أنتَ بينَ طاعةٍ سالفةٍ، واستقامةٍ موروثةٍ، وبينَ إنابةٍ منتَظَرَةٍ، وتوبةٍ مستقبَلَةٍ، فإحدَى الْحَالَتَيْنِ تَحُطُّ الذُنوبَ الكبيرةَ، وتُغَطِّيْ علَى العيوبِ الكثيرةِ،

فالآن-عصمک اللہ-واللَّبَبُ رَخِيٌّ، والمرْكَبُ وَطِيٌّ، و بابُک إلی رِضَی أمیرِ المؤمنین مفتوحٌ، و سبیلُک إلی حُسْنِ رأْیِهِ سَهْلٌ، ولا یذهب بک اللَّجاجُ إلی عارِ الدنیا و نارِ الآخرة-إیّاکَ و مَصَارِعَ النَّاكِثِینَ، وحَذَارِ مَوَارِطَ الْغَادِرِیْنَ.

8.7 ترجمہ

پیراگراف:1

حمد وصلاۃ/آداب وتحیات کے بعد-اللہ تمہیں فہم وفراست عطا کرے اور اپنی طرف کی توفیق میں سے تمہارا حصہ زیادہ کرے-اللہ تعالی نے مخلوق سے بے نیاز ہونے کے باوجود اسے پیدا فرمایا اور لوگوں کو بے کار نہ چھوڑ کر انھیں بھلائی کے کام کرنے کی مہلت عطا کی، تاکہ ان کی نیکیوں اور برائیوں کا شمار کرے اور انھیں ایک دوسرے سے جدا رنگ وشکل کا بنایا اور الگ الگ احوال پر پیدا فرمایا، تو کچھ لوگ اطاعت گزار ہوتے ہیں اور کچھ مبتلائے معصیت، ان دونوں گروہوں میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اچھے اور برے کام ملا لیتے ہیں، قریب ہے/ امید ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے اور اگر اللہ چاہتا تو لوگوں کو ایک امت بناتا (لیکن) لوگ ہمیشہ سے مختلف چلے آرہے ہیں اور اسی (اختلاف وتنوع کے اظہار) کے لیے اللہ نے مخلوق کو پیدا فرمایا ہے۔ نیک بخت اور سعادت مند وہ ہے جو اپنے رب سے ڈرے اور اپنے گناہ کو پہچانے اور توبہ میں جلدی کرے اس سے پہلے کہ توبہ کا موقع نکل جائے اور رحمت کا طلب گار بنے اس سے پہلے کہ وادی رحمت میں اس کا داخلہ ممنوع ہو جائے۔

پیراگراف:2

اور اگر تم نے اپنی آسان اور سیدھی راہ چھوڑ دی ہے، اپنی فطری ہدایت کی مخالفت کی ہے اور اپنے اسلاف کے راستے سے انحراف کر لیا ہے، تو تم نے جس کے مقابل سرکشی کی ہے اس کی جانب سے کوئی ناگوار امر لاحق ہونے پر تمہیں وحشت زدہ نہیں ہونا اور جس کی طرف تم مائل ہوئے ہو اس کی طرف سے اگر کوئی امید تمہاری مونس وغم خوار نہ ہو، ایسی امید جس کے پورا ہونے کی تم صرف اسی سے طمع رکھتے ہو، تو تم امیر المومنین کے پاس آجاؤ اور اگر تم آئے تو تم خوف سے امن میں، مصائب سے دور، مقرب بارگاہ اور بلند منصب کے حامل اور ہوا خواہوں اور قابل اعتماد افراد کے میر مجلس بن کر رہو گے، رہی بات اس معاملے کی جو تمہارے اور وزیر کے درمیان پیش آیا، تو اس قسم کے امور سالاروں اور کارگزاروں کے درمیان ہمیشہ سے رونما ہوتے رہے ہیں اور یہ اس معیار کے نہیں ہیں کہ کسی صاحب رائے کو اس کے طبقے سے خارج کر دیں اور ایسا بھی نہیں ہے کہ آپسی جھگڑے میں حد سے زیادہ ہٹ دھرمی پر، غیظ وغضب سے بھرے ہوئے شخص کا مواخذہ نہ ہو۔

پیراگراف:3

اللہ بخوبی جانتا ہے کہ امیر المومنین نے تمہارے اوپر اپنے انعام واکرام کے حصے میں کمی نہیں کی، نہ ہی تمہارے ساتھ حسن سلوک میں اعراض کا رویہ اختیار کیا، بلکہ تمہاری بھلائی کا خیال رکھا اور تمہاری شکایت دور کرنے کا پختہ ارادہ کیا، یہاں تک کہ تمہاری امید پوری کرنے کے اسباب فراہم ہو جائیں، اگر تم انتظار کرتے اور تمہاری طلب سے زیادہ کی سبیل پیدا ہو جائے، اگر تم صبر کا مظاہرہ کرتے۔ تمہارے لیے نوشتہ تقدیر میں کشادگی ہے فیصلہ کردہ نصیبے میں گنجائش ہے۔ امیر المومنین کے پاس آنے میں تمہارا راستہ تنگ نہیں ہوگا اور تم سابقہ فرماں برداری اور پشتینی ثابت قدمی کے درمیان رہو گے اور اس رجوع وتوبہ کے درمیان جس کا انتظار واستقبال ہے، دونوں حالتوں میں سے ہر ایک حالت بڑے بڑے گناہوں

کو مٹاتی ہے اور بہت سی خامیوں کی پردہ پوشی کرتی ہے، اب –اللہ تمہیں محفوظ رکھے- جب کہ (امیر المومنین کی طرف آنے والے راستے) کا سینہ کشادہ ہے، سفر آسان ہے/سواری سدھائی ہوئی ہے، امیر المومنین کی رضامندی کی جانب تمہارا دروازہ کھلا ہوا ہے اور ان کی خوبی رائے کی طرف تمہاری راہ سہل ہے، (تو) ہٹ دھرمی تمہیں دنیا کی شرم اور آخرت کی آگ کی طرف نہ لے جائے اور عہد شکنی کرنے والوں کے انجام اور بے وفائی کرنے والوں کی عاقبت سے بچ کر رہنا۔

8.8 الفاظ و معانی

(پیراگراف1)

رُشْد	=	ہدایت، سن تمیز، مراد فہم وفراست / معاملہ فہمی
أَجْزَل	=	زیادہ کرنا/ وسعت دینا، کشادگی بخشنا
أنسأ	=	مؤخر کرنا
مَهَل	=	بھلائی میں پیش قدمی، کسی معاملے میں پڑنے سے پہلے اس کی بصیرت حاصل ہونا۔
مُهْمَل	=	متروک، غیر مستعمل، بے کار
آثار	=	أثر کی جمع: تلوار کی چمک، علامت، کسی چیز کا بچا ہوا حصہ، مراد: اچھے برے اعمال
أخياف	=	کسی چیز کی مختلف اقسام، یا لوگوں کے مختلف طبقات، کہا جاتا ہے: الناس أخياف: یعنی لوگ مختلف طبیعتوں اور شکلوں کے ہوتے ہیں، برابر نہیں ہوتے، یا یہ کہ ان کی مائیں ایک ہیں اور باپ جدا جدا۔ أطوار: طور کی جمع: صنف، قسم، حال اور ہیئت وغیر

(پیراگراف2)

قصد	=	ارادہ، آسان اور سیدھا راستہ
نکب	=	جھک کے چلنا، بیماری کی وجہ سے شانوں میں کجی پیدا ہو جانا، متعین راستے سے ہٹ جانا
شرد	=	نافرمانی کرنا، راہ راست سے پھر جانا
جنح	=	کسی چیز کی طرف مائل ہونا
مخاوف مخافة کی جمع	=	ڈر اور خوف کی جگہ
مکارہ مکرہ کی جمع	=	وہ چیز جو کسی شخص کو ناپسند اور اس پر شاق ہو
مُصَدَّر	=	تصدیر سے اسم مفعول، محفل کا صدر بنانا
حاجب	=	دربان، وزیر
قُوَّاد	=	قائد کی جمع: سالار لشکر

عُمَّال = عامل کی جمع: کارگزار

مُحْنَق = أحنق سے اسم مفعول: أحنق: کسی کو بہت غصہ دلانا

مَحْک = لڑائی جھگڑے میں ہٹ دھرمی

(پیراگراف 3)

بخس = کم کرنا، گھٹانا

هبات: هبة کی جمع = وہ عطیہ جو عوض پانے کے جذبات/ نیت سے خالی ہو

أولی = کسی کے ساتھ بھلائی کرنا

طِلْبَة = مانگ، طلب

فُسحة = کشادگی

القَدَر المقدور = نوشتۂ تقدیر

القضاء المحتوم = فیصلہ کردہ نصیب

مندوحة ج مناديح = گنجائش، کشادگی

إنابة = کسی کی طرف دوبارہ یا بار بار لوٹ کر آنا

لَبَب = سینے میں ہار پہننے کی جگہ، کہا جاتا ہے: إنه لرخي اللبب: یعنی اس کا سینہ کشادہ ہے، اسی طرح کہا جاتا ہے: فلان في لبب رخي: یعنی وہ خوش حالی اور امن وسکون کے ساتھ بسر کر رہا ہے

لجاج = لڑائی جھگڑے میں حد سے تجاوز کر جانا، ہٹ دھرمی کرنا

مصارع: مصرع کی جمع = اکھاڑا، موت، قتل، ہلاکت، مراد انجام

ناكثين ناكث کی جمع = عہد شکن

موارط: مورط کی جمع = چھپانے کی جگہ، مراد عاقبت اور انجام۔

غادرين: غادر کی جمع = بے وفا لوگ

8.9 اکتسابی نتائج

پانچویں صدی ہجری کے آغاز میں اندلس کی سرزمین آپسی لڑائیوں میں بہنے والے خون سے لالہ زار ہو رہی تھی جس کا انجام یہ ہوا کہ قرطبہ سے خلافت اسلامیہ نیست و نابود ہوگئی اور ملک ابتری و بدنظمی کا شکار ہو گیا۔ عجیب بات یہ ہے کہ اسی عرصے میں عربی ادب ترقی کی راہوں پر تیز گام تھا۔ اندلس کے مایہ ناز ادبا و شعرا مثلاً ابن دراج، ابن خفاجہ، ابن برد الاکبر، ابن برد الاصغر، ابن شهید اور ابن زیدون وغیرہ اسی دور میں یعنی چوتھی اور

پانچویں صدی میں پیدا ہوئے۔

اس درمیان ابن بردالاکبر نے عربی نثر کے میدان میں قابل قدر خدمات انجام دیں اور مختلف امرائے فتنہ کی طرف سے کتابت کے فرائض ادا کیے۔ ابن برد کی نثر رواں، سنجیدہ اور سجع کے زیور سے آراستہ ہے، لیکن یہ سجع بندی اس حد کو نہیں پہنچی کہ معنی کی ادائیگی میں خلل انداز ہو اور معنی کا حسن الفاظ کی خوب صورت دیواروں میں قید ہو کر رہ جائے۔ اس طرح یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ ابن برد کی نثر فصاحت و بلاغت کا شاندار نمونہ اور اس کے ساتھ معاصر عہد کا شفاف آئینہ ہے۔

8.10 امتحانی سوالات کے نمونے

۱۔ فن رسالہ کی مختصر تاریخ بیان کیجیے۔

۲۔ رسالہ کی مختلف اقسام پر روشنی ڈالیے۔

۳۔ ابن برد کے زمانے کا تعین کیجیے اور ان کی ادبی خدمات پر نوٹ لکھیے۔

۴۔ فتنہ اندلس سے کیا مراد ہے؟ وضاحت کیجیے۔

۵۔ رسالہ کے مختلف معانی کی وضاحت کیجیے۔

۶۔ زیر نظر خط کا خلاصہ تحریر کریں۔

۷۔ مکتوب الیہ اور مکتوب عنہ کا تعارف پیش کیجیے۔

۸۔ ابن برد کے عہد کی سیاسی اور ادبی صورت حال پر روشنی ڈالیے۔

8.11 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

1۔ الذخيرة في محاسن أهل الجزيرة — أبو الحسن علي بن بسام الشنتريني

2۔ تاريخ الأدب العربي-الأندلس — شوقي ضيف

3۔ في الأدب الأندلسي — رضوان الداية

اکائی 9 اندلس میں عربی شاعری کا آغاز وارتقا، خصوصیات اور نمائندہ شعرا

اکائی کے اجزا

9.1 تمہید

9.2 مقصد

9.3 اندلس میں عربی شاعری کا آغاز

9.4 عربی شاعری کی ترقی اور اس کے اسباب

9.4.1 خلفا وامرا کی سرپرستی

9.4.2 مجالس شعروادب

9.4.3 فطرت اور ماحول کا اثر

9.5 اندلسی شاعری کے توسیعی فنون

9.5.1 مملکتوں کے زوال کے مرثیے

9.5.2 صوفیانہ شاعری کا ارتقا

9.5.3 نعتیہ شاعری کا ارتقا

9.6 خصوصیات

9.7 نمائندہ شعرا

9.7.1 یحییٰ بن حکم الغزال

9.7.2 ابن ہانی

9.7.3 معتمد بن عباد

9.7.4 ابن عربی

9.7.5 ابن زمرک

9.7.6 لسان الدین ابن الخطیب

9.8 اکتسابی نتائج

9.9 امتحانی سوالات کے نمونے

9.10 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

9.1 تمہید

اندلس میں اسلام کی آمد کے ساتھ عربی زبان کی نشر واشاعت کا آغاز ہوا، اسلام کی نشر واشاعت کے ساتھ عربی زبان کا بھی فروغ سرعت کے ساتھ ہوتا رہا اور قلیل عرصہ میں عربی زبان کی اس قدر ترویج ہوئی کہ بلا لحاظ مذہب وملت اندلس کے ہر طبقہ کی زبان عربی ہوگئی، یہودیوں اور عیسائیوں کا بھی خاص طور سے اس طرف رجحان بڑھا کہ انہوں نے اپنی مادری زبان ''لاطینی'' کو ترک کر کے عربی زبان اختیار کر لی اور اندلس میں مسلمانوں کے عروج کے زمانے میں عیسائی اپنی مادری زبان بالکل بھول گئے تھے، یہاں تک کہ ہزار میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا کہ جو ایک جملہ ''لاطینی'' زبان میں صحیح لکھ سکے، عربی زبان وادب کی ترقی کا نتیجہ یہ نکلا کہ عیسائیوں نے بھی عربی زبان میں شاعری کی اور اپنی کتابیں تصنیف کیں، عربی زبان کے فروغ کے ساتھ عرب ثقافت کا بھی فروغ ہوا اور علوم وفنون کے سلسلہ میں اہل اندلس نے نمایاں کردار ادا کیا اور قیمتی وگراں قدر اثاثہ چھوڑا اور بعض علوم وفنون میں اہل مشرق پر بھی سبقت حاصل کی۔

9.2 مقصد

اس اکائی کا مقصد آپ کو اندلس کی روایتی شاعری سے واقف کروانا ہے۔ اس اکائی کے مطالعے سے آپ اس قابل ہوجائیں گے کہ:

☆ اندلس میں عربی شاعری کے آغاز وارتقا کے متعلق معلومات حاصل کرسکیں۔
☆ اندلس میں عربی شاعری کی ترقی کے اسباب کو سمجھ سکیں۔
☆ عربی شاعری کے مختلف ادوار کو جان سکیں۔
☆ اندلس میں توسیع شدہ فنون کے متعلق اظہار خیال کرسکیں۔
☆ اندلس کے ہر دور کے نمائندہ شعرا اور ان کی شاعری سے واقف ہوسکیں۔

9.3 اندلس میں عربی شاعری کا آغاز

اگر اس قول سے اتفاق کرلیا جائے جس کو امام طبری نے تاریخ طبری میں اور ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں ذکر کیا ہے کہ اسلامی فوجیں طارق بن زیاد سے بہت پہلے ۲۷ھ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد ہی میں اندلس میں قدم رکھ چکی تھیں، تو لامحالہ یہاں کی فضاؤں میں عربی زبان وادب اسی زمانہ میں پہنچ چکے تھے اور عربی زبان کے ساتھ ساتھ عربی شاعری بھی اسی زمانہ میں اندلس پہنچ چکی ہوگی چونکہ عرب جہاں جہاں گئے اپنی زبان کے ساتھ اپنی شاعری بھی لے گئے۔

بعد ازاں طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر کے ساتھ اندلس میں عربوں کی آمد ۹۲ھ میں ہوئی، قلیل عرصے میں اسلام نے پورے ملک میں اپنا سکہ جما لیا اور لوگ تیزی کے ساتھ اسلام میں داخل ہوتے گئے، اسی طرح عربی ثقافت، تہذیب وتمدن کی نشر واشاعت تیزی کے ساتھ ہوئی، عرب قوم کے ساتھ شاعری شانہ بشانہ چلتی رہی اور اس پرفضا ماحول میں خوب پھلی پھولی، شاعری صرف شعرا کے طبقے کی حد تک محدود نہ رہی، بلکہ خلفا وامرا، فقہا وفلاسفہ اور اطبا وغیرہ سب نے شاعری میں طبع آزمائی کی اور اپنے جذبات واحساسات کو شاعری کے قالب میں ڈھالا، اس طرح عربی شاعری نے خواص کے ساتھ عوام میں بھی اپنی طرح میلان پیدا کرنے میں کامیابی حاصل کی۔

9.4 عربی شاعری کی ترقی اوراس کے اسباب

عربی شاعری کا ذوق رفتہ رفتہ اندلسی تہذیب وثقافت کی رگ وپے میں سرایت کرگیا اوران کے گھٹی میں پڑ گیا، امیر وغریب شاہ وگدا خواص وعوام سبھی شعرگوئی میں شریک ہوگئے، جیسا کہ قزوینی نے ''آثار البلاد'' میں لفظ ''شلب'' کے تحت ذکر کیا ہے کہ ''شلب'' ''باجۃ'' کے قریب اندلس کا ایک شہر ہے:

''من عجائبها ما ذکره خلق لا یحصی عددهم أنه قل أن یری من أهل ''شلب'' من لا یقول شعرا ولا یتعاني الأدب، ولو مررت بالحراث خلف فدّانه وسألته الشعر لقرض في ساعته أي معنی اقترحت علیه وأي معنی طلبت منه صحیحًا''

''یہاں کے عجائب میں سے ایک یہ ہے کہ جس کو لاتعداد لوگوں نے ذکر کیا ہے کہ اہل ''شلب'' میں سے شاید ہی کچھ لوگ ایسے ہوں جو نہ شعر کہتے ہوں اور نہ ادب سے شغف رکھتے ہوں، تم اگر کسی ہل چلانے والے کسان کے پاس سے گزرو اور اس سے شعر کہنے کے لیے کہو تو وہ اسی وقت کسی بھی موضوع پر جو تم اسے تجویز کردو یا کسی بھی مضمون پر جو تم اس سے طلب کرو تو ٹھیک ٹھیک شعر کہہ دے گا''

''شلب'' اندلس کا ایک ایسا شہر ہے جو دیگر شہروں کے بہ نسبت غیر معروف ہے، جب یہاں پر شاعری کی ترقی کا یہ حال ہو تو جو مشہور شہر ہیں جیسے قرطبہ، غرناطہ، اشبیلیہ، مالقہ وغیرہ وہاں پر عربی شاعری کی ترقی کے عروج کا کیا حال ہوگا؟

اندلسی شاعری مشرق میں ہونے والی عربی شاعری ہی کا ایک عکس تھی شعر کے جو سانچے دور جاہلیت میں متعین ہو چکے تھے، اکثر قرطبہ اور اشبیلیہ میں بھی اسی طرح رائج رہے جس طرح بغداد ودمشق میں تھے۔ ابتدا میں اندلس میں عرب ثقافت وتہذیب وتمدن من حیث الکل مشرقی ثقافت وتمدن کی تقلید تھی، اہل اندلس نے اپنے شہروں کے ناموں تک مشرقی شہروں کے نام پر رکھے، چنانچہ غرناطہ کو دمشق، اشبیلیہ کو حمص، شریش کو فلسطین اور جیان کو قنسرین کے نام پر رکھا گیا۔ رفتہ رفتہ تقلید نے منافست کی صورت اختیار کرلی۔ اس طور پر کہ اہل اندلس محلات، باغات، درسگاہوں اور مساجد وغیرہ کی کثرت میں اہل مشرق سے سبقت لے جانے کے لیے ہر دم کوشاں رہنے لگے اور بالآخر سبقت لے جانے میں کامیاب بھی رہے، یہی جذبہ سبقت شعروادب اور موسیقی وغیرہ کے معاملے میں بھی کارفرما رہا، اندلس کے شعرا کو اہل مشرق کے شعرا کے القاب اور کنیتوں سے یاد کیا گیا، چنانچہ تاریخ آداب العرب میں مصطفی صادق الرافعی نے لکھا ہے۔

''حتی أن الأندلسیین أنفسهم کانوا یلقبون نابغیهم بأسماء المشارقة، فیقولون في الرصافي: إنه ابن رومي الأندلس، ومروان بن عبد الرحمن: ابن المعتز، وابن دراج: متنبي الأندلس، وابن خفاجة: صنوبري الأندلس، وابن زیدون: بحتري الأندلس''

''اہل اندلس اپنے شعرا کو اہل مشرق کے شعرا کے ناموں اور القاب سے یاد کرتے تھے، چنانچہ رصافی کو رومی اور مروان بن عبدالرحمن کو ابن المعتز، ابن خفاجہ کو صنوبری، ابن زیدون کو بحتری اور ابن دراج کو متنبی کہتے تھے۔''

مشرقی شعرانے جن شعری اصناف کو اپنا موضوع سخن بنایا، انھیں شعری اصناف کی اندلسیوں نے بھی پیروی کی جیسے: مدح، ہجو، مرثیہ، فخر وحماسہ، خمریات، غزل اور منظر نگاری وغیرہ۔ تاہم اہل اندلس کی زبان اہل مشرق کی طرح پختہ نہ تھی اور اکثر قدیم اصناف میں ان کا کلام اہل مشرق کے کلام کے ہم پلہ نہ تھا، البتہ بعض شعری اصناف مثلاً مناظر فطرت کا بیان، مملکتوں کے زوال کا مرثیہ، دیار غیر میں وطن کی محبت میں اندلسیوں نے اپنا خاص رنگ پیدا کیا اور اہل مشرق پر بازی لے گئے۔

9.4.1 خلفا وامرا کی سرپرستی

عربی تہذیب وثقافت اور عربی ادب کے ارتقا میں امرا وخلفا کا اہم رول رہا ہے، ان خلفا کو علم وادب سے کافی شغف تھا اور انھیں شعرو شاعری سے بڑی محبت تھی ان میں اکثر بہترین شاعر اور بہترین ادیب تھے، وہ اندلس میں عربی تہذیب وثقافت کے ارتقا کے لیے کوشاں رہتے تھے، چنانچہ انہوں نے بلاد اسلامیہ سے علما کو اپنے یہاں مدعو کیا، عبدالرحمن الداخل جس کو صقر قریش کا لقب دیا گیا، وہ اموی دور کا پہلا حاکم تھا، وہ بہت علم دوست اور بہترین شاعر وادیب تھا، اس نے علما وادبا اور شعرا کی بڑی سرپرستی کی، انہیں اپنے قریب کیا اور عربی ثقافت کے فروغ کے لیے کافی تگ ودو کی اسی کی کوشش کا نتیجہ تھا کہ اموی دور علم وادب کی ترقی کا سنہرا دور کہلاتا ہے اور انہی امرا میں سے عبدالرحمن الناصر (۹۱۲-۹۶۱ء) بھی تھا۔ جس نے طویل مدت بادشاہت وحکومت کی کمان سنبھالی، اس کے عہد میں اندلس ثقافت وتہذیب وتمدن میں یورپ کا سب سے ترقی یافتہ ملک شمار ہوتا ہے، اس کے دور میں علوم وفنون کو ایسا عروج ملا جس سے اندلس اپنے دور کی ایک عظیم علمی وادبی سوسائٹی کا مسکن بن کر ابھرا، اس نے ادبا وشعرا کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی میں کوئی کسر نہ چھوڑی، بہترین شعرا اور ادیبوں کے لیے خلیفہ کے خزانے سے وظائف مقرر کیے۔

اندلس کی حقیقی ترقی کا آغاز عبدالرحمن ثانی کے عہد حکومت (۸۲۲-۸۵۲ء) میں ہوا، وہ آرٹ اور تعمیرات کا دلدادہ ہونے کے ساتھ ساتھ ادبیات اور علوم عقلیہ میں مہارت رکھتا تھا اور شعروشاعری اور فنون لطیفہ میں گہری دلچسپی رکھتا تھا، وقتاً فوقتاً خود بھی عمدہ اشعار کہتا تھا، اس نے مشرقی خلفا کی طرح اپنے دربار کو علما وفضلا اور اعیان علم وادب سے آراستہ کیا، یحیی بن حکم بن الغزال اور تمام بن علقمہ جیسے مشہور شعرا اس کے درباری شاعر تھے، جو ہمیشہ اس کے دربار میں موجود رہتے تھے مشہور مغنی زریاب بھی اسی کے دربار سے وابستہ تھا۔

خلیفہ حکم ثانی (۹۶۱-۹۷۶) عالم اسلام کے خلفا میں سب سے بڑا عالم تھا، اندلس میں تصنیف وتالیف اور فراہمیٔ کتب کا زریں دور اس کے عہد سے شروع ہوتا ہے، وہ کتابوں کا دلدادہ تھا، اس کے کارندے دنیائے اسلام میں ہر جگہ مخطوطات یا ان کی نقلیں حاصل کرتے پھرتے تھے، مشرق میں جو کتابیں تصنیف ہوتی تھیں ان کا علم اسے مشرق کے فضلا سے بھی پہلے ہوجاتا تھا، اسی زمانے میں عراق میں ابوالفرج الاصبہانی (۸۹۷-۹۶۷) اپنی تصنیف ''الأغاني'' مرتب کر رہا تھا، ''خلیفہ حکم'' کو علم ہوا تو اس نے کتاب کا پہلا نسخہ حاصل کرنے کے لیے الاصبہانی کے پاس ایک ہزار دینار بھیجے، حکم کی لائبریری قرون وسطی کی سب سے بڑی لائبریری بن گئی جس میں چار لاکھ کتابیں جمع تھیں، جن کی فہرست چوالیس جلدوں پر مشتمل تھی اور ہر جلد میں بیس صفحات اور ایک قول کے مطابق پچاس صفحات صرف صنعت شاعری سے متعلق کتابوں کے لیے مختص تھے، حکم ثانی کے عہد میں اندلس کا عام ثقافتی معیار اتنی بلندی پر پہنچ چکا تھا کہ مشہور مستشرق دوزی کو یہ لکھنا پڑا کہ:

''اسپین کے تقریباً ہر آدمی کو لکھنا پڑھنا آتا تھا اور یہ اس زمانے کی بات ہے جب یورپ بس علم کی مبادیات ہی جانتا تھا اور یہ مبادیات بھی صرف چند گنتی کے کلیسا کے اراکین جانتے تھے''

اندلس کے امرا وسلاطین کا علوم وفنون کی ترقی میں تعاون اور شعرا وادبا کی سرپرستی کا بھی ایک خاص محرک تھا وہ یہ کہ یہی سلاطین اندلس جن کا اقتدار مشرق میں بھی تھا، لیکن گردش زمانہ کی وجہ سے مشرق کے اقتدار سے ہاتھ دھونا پڑا، اب جو اقتدار اندلس کی سرزمین میں مل گیا تھا اس کے استحکام کے لیے ضروری تھا کہ ترقی کی اس دوڑ میں کسی سے پیچھے نہ رہ جائے، خصوصا اس مشرق سے جو کہ اب ان کے ہاتھوں میں نہ رہا، سلاطین نے اہل اندلس کی آسائش وآرام کی فراہمی کے ساتھ علوم وفنون کی ترویج واشاعت میں بڑا اہم رول ادا کیا۔

9.4.2 مجالس شعروادب

مشرق کی طرح اہل اندلس کے یہاں بھی مجالس ادب کا انعقاد عمل میں آتا تھا، جس میں خلفا امرا اور وزرا سبھی شرکت کرتے تھے، کبھی یہ مجالس سلاطین کے قصور ومحلات میں منعقد ہوتی تھیں تو کبھی امرا کے قصور کے علاوہ عوامی مقامات پر بھی منعقد ہوتی تھیں۔ عبدالرحمن الداخل لوگوں میں شعروادب کا شوق وذوق پیدا کرنے کے لیے مشاعروں اور مناظروں کی مجالس منعقد کراتا تھا، ہمت افزائی کے لیے منظوم ادبی شہ پاروں اور کامیاب مناظروں پر انعامات دیے جاتے تھے اور امیر عبدالرحمن بذات خود ان علمی وادبی مجالس میں شریک ہوتا تھا، عبدالواحد مراکشی (وفات ۶۴۷ھ) نے منصور بن ابو عامر (وفات ۳۹۲ھ) کی مجلس کا ذکر کیا ہے کہ ہفتہ میں ایک دفعہ علمی وادبی مجلس منقعد کراتا تھا، جس میں اہل علم وادب کو مباحثہ ومناظرہ کا موقع فراہم کیا جاتا تھا، ان مجالس میں ہونے والے حکایات کو مقری نے نفح الطیب میں بیان کیا ہے، اسی طرح معتضد عباد بن محمد (۴۶۱ھ) (جو معتمد بن عباد کا والد تھا) کے متعلق مذکور ہے کہ اس نے ایک عمارت تعمیر کروائی تھی جو خاص شعرا کے لیے تھی اور اس عمارت میں صرف شعرا کو داخل ہونے کی اجازت تھی، روزانہ اس میں شعرا کو طلب کرتا اور ان سے شعر سنتا تھا اور بسا اوقات ہر پیر کو مجلس منعقد کرتا تھا معتمد بن عباد کو اپنے والد سے ورثہ میں شعری ذوق اور نقد ادبی کی صلاحیت ملی تھی اور وہ اپنے ندما اور مصاحبین کے ساتھ ادب کے شہہ پاروں میں مباحثہ کرتا تھا چنانچہ اس کی ایک مثال وہ ہے جو اس نے متنبی کے ایک اس شعر پر نقد کرتے ہوئے کہا، متنبی کا وہ شعر ہے:

أَزُورُهم وسوادُ الليلِ يشفَعُ لي وأنثني وبياض الصبح يغري بي

معتمد بن عباد (وفات ۴۸۸ھ) نے حاضرین سے کہا: متنبی نے ہر لفظ کے مقابل میں اس کی ضد کو ذکر کیا، لیکن اس میں خفیف نقد ہے غور وفکر کرو، اہل مجلس نے غور وتدبر کرنے کے بعد معتمد بن عباد سے کہا: ہم کسی نتیجہ پر نہیں پہنچے تو معتمد بن عباد نے کہا: ''اللیل'' کی ضد ''النهار'' کے ساتھ ہوتی ہے نہ کہ ''اللیل'' کی ''الصبح'' کے ساتھ مطابقت ہوتی ہے، کیونکہ رات کل ہے اور صبح جز ہے، تو تمام اہل مجلس اس نقد ادبی سے تعجب میں پڑ گئے اسی شعری ذوق اور نقد ادبی میں مہارت کی بنا پر معتمد بن عباد کی ہر ادبی مجلس میں شعرا اور ادبا کا تانتا لگ جاتا تھا، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ''شعرا اور اہل ادب کا اتنی کثرت کے ساتھ اجتماع ان سے پہلے کسی اور بادشاہ کے دربار میں نہیں دیکھا گیا''۔

ان ادبی ندوات ومجالس کا مرابطین اور موحدین کے ادوار میں بھی کثرت سے اہتمام ہونے لگا، ان ادوار کے خلفا مغرب عربی (مراکش) اور اندلس کے شعرا کے درمیان ادبی مجالس منعقد کراتے تھے۔

9.4.3 فطرت اور ماحول کا اثر

سرزمین اندلس کی زرخیزی اور شادابی کا علوم وفنون اور عربی ادب کی ترقی میں بڑا گہرا کردار رہا، وہاں کی آب وہوا اور خوب صورت ماحول

نے اہل اندلس کی فطرت ولذت میں رنگینی لطافت اورخوش بیانی بھر دی اوران کے لیےفکر ونظر کے بے شمار نئے نئے دروازے کھول دیے۔اسی ماحول کے اثر نےفنون وادب کی ترقی کی راہوں کوہموار کر دیا۔

مظاہرفطرت اللہ تعالیٰ کی کاریگری کاحسین نمونہ ہیں۔جنھیں اللہ نے انسان کے لیےخوب صورت نفع بخش اورعمدہ بنایاہے تاکہ وہ دنیامیں غوروفکر کرسکے،انسانی فکرکوجلا بخشنے میں فطرت کا بہت اہم کردار ہےاور خاص طور سے شعرا کے لیے اس کا کردار بہت اہم ہوتا ہے؛ کیونکہ شاعر کی طبیعت خاص ہوتی ہےاوراس کا احساس بہت لطیف ہوتا ہے،اسی وجہ سے متعدد شعرا کے نزدیک فطرت ہی افکار ومعانی کے نزول کا مصدر ومنبع ہوتی ہے؛لہٰذا ہر شاعراس ماحول کواپنے احساسات ومشاعر کوپیش کرنے اوراپنے پیغام کودوسروں تک پہنچانے کا وسیلہ بناتا ہے۔

عربی زبان وادب کے اندر نکھاراس وقت آیا جب اہل عرب خشک صحراؤں اور ریگستانوں سے نکل کرسرسبز وشاداب اور سدا بہار علاقوں میں آباد ہوئے، جہاں بہتی نہریں، گھنے سایہ دار درخت اور خوب صورت باغات، چرند وپرند اور بلند وبالا اور خوشنما محلات نے انھیں کیف وسرور کی مستیوں میں گم کر دیا توان کی زبان وبیان میں شیرینی آ گئی،اس کے پرکشش مناظر کی تصویر کشی میں ندرت آ گئی اور شعر کی مختلف اصناف میں توسع اورتنوع پیدا ہو گیااور یہی وجہ ہے کہ شعرائے اندلس کے اشعار میں خوب صورت تشبیہی اوراستعاراتی نقوش پائے جاتے ہیں اوروہ ہر وصف کو بڑی دقت اور باریکی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

9.5 اندلس میں توسیعی وتجدیدی فنون

اندلس کے آٹھ سوسالہ طویل تاریخ میں سیاسی اجتماعی اورثقافتی احوال کے بدلنے سے اصناف سخن اورفنون لطیفہ میں ارتقا توسع اور تجدید ہوتی رہی،اہل اندلس نے عربی شاعری کے قدیم اصناف میں تقلید کے ساتھ توسع تطوراور تجدید کا ایک بہترین کارنامہ انجام دیا اوران توسیعی اصناف میں طبع آزمائی کی،ان توسیعی اصناف میں سے چند اصناف کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

9.5.1 حکومتوں کے زوال کا مرثیہ:(رثاء الممالک والمدن)

مرثیہ یہ عربی شاعری کی قدیم صنف ہے،اندلسی شعرا نے اس صنف میں مشرقی شعرا کے نہج کواختیار کیا،لیکن اندلس کے شعرا نے اس صنف کوملوک،رؤسا،احباب اوراقارب کے موت پر مرثیہ کے حد تک محدود نہ رکھا، بلکہ اس میں وسعت اور تطور پیدا کرتے ہوئے مملکتوں اور شہروں کے زوال پر بھی مرثیے کہے۔

سقوط اندلس کا باب انتہائی اندوہناک ہے،ظہور اسلام سے لے کر آج تک دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں اسلام نے فاتحانہ جھنڈے گاڑے ہوں اور پھراسے کوئی طاقت وہاں سے ملک بدر کر دے، یہ صرف اندلس کی استثنائی صورت ہے،اس حسرتناک والمناک پہلو نے ہر اندلسی کو اشکبار کر دیا تھا، وہاں اندلسی شعرا کو بھی محوحزن وبکا بنا دیا تھا،اندلس کے شعرا نے اس فردوس کے فقدان پر درد بھرے مرثیے کہے،مرابطین کے دور میں شعرا نے اس فن میں طبع آزمائی کی،ملوک الطوائف کے مملکتوں کے زوال پر مرثیے کہے۔

ابن عبدون فہری (وفات:۵۲۹ھ) کا رائیہ قصیدہ بہت مشہور ہوا جواس نے سقوط بطلیوس اوراس کے حکمراں متوکل بن مظفراوراس کے دونوں بیٹوں کے المناک انجام پر لکھا،ابن عبدون نے انسانی تاریخ کے واقعات کوتلمیحات واشارات میں اس خوب صورتی کے ساتھ شعروں میں

سمویا کہ یہ قصیدہ بے حد پرکشش اورانسانی جذبات کا بہترین ترجمان بن گیا،قصیدہ کے چنداشعارحسب ذیل ہیں:

الدَهرُ يُفجِعُ بَعدَ العَينِ بِالأَثَرِ	فما البكاء على الأشباح والصور
أنهاک أنهاک لا آلوک موعظة	عن نومة بين ناب الليث والظفر
فَلا تَغُرَّنَك مِن دُنيَاك نَومَتُها	فَما صِناعَةُ عَينَيها سِوى السَهَرِ
كَم دَولَة ولِيَت بِالنَصرِ خدمَتها	لَم تُبقِ مِنها وَسَل ذِكراك مِن خَبَرِ
هَوَت بِدارا وَفَلَّت غَربَ قاتِله	وَكانَ عَضباً عَلى الأَملاكِ ذا أثرِ
وَأَوثَقَت في عُراها كُلَّ مُعتَمِدٍ	وَأَشرَقَت بِقَذاها كُلَّ مُقتَدِرِ
وروّعت كل مأمون ومؤتمن	وأسلَمَتُ كل منصور ومنتصر

ترجمہ: وجود کے بعدعدم کے ذریعہ دکھ پہنچاتا ہے تو مٹتے سایوں اورتصاویر پررونا کیسا۔

بازآجابازآجا!میں تجھ کونصیحت کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑتا شیر کے دانت اورناخن کے درمیان سونے سے۔

توکہیں تجھ کواس کا سونا دنیا سے غافل نہ کردے تواس کے آنکھوں کا سوائے جاگنے کے کیا فائدہ ہے۔

کتنی ہی حکومتیں جوفتح ونصرت کے بعدحکومت کرتی رہیں مگراس گردش زمانہ نے انھیں بھی باقی نہ رکھا، چاہوتو تاریخ سے نصیحت کے لیے سوال کرلو۔

یہی گردش تھی جس نے دارا کوزمین پرگرادیا، پھراس کے قاتل کی تلوارکوبھی کندکردیاجب کہ یہی تلواربڑی تیز اور بادشاہوں پرفوقیت حاصل کرنے والی تھی۔

اسی گردش زمانہ نے ہرقابل اعتمادلقب والےکوپکڑلیااورہرصاحب اقتدارکے(گلے میں) کدورت کا پھنداڈال دیا۔

اندلس میں شعرا کی ایک بڑی تعداد ہے جنھوں نے اس صنف میں اپنے احساسات کوسمویا،طوالت کی وجہ سے ان دوشاعروں کے مرثیہ پراکتفا کیا جاتا ہے،ابن دقون کا مرثیہ قصیدہ لامیہ،ابن عقیلی کا مرثیہ قصیدہ میمیہ،ابوعبداللہ ابن الآبار کا مرثیہ قصیدہ سینیہ،اسلامی اندلس کے بہترین مراثی میں شمار ہوتے ہیں،نفح الطیب میں احمدمقری نے ان تمام درد سے لبریز مرثیوں کومحفوظ کردیا ہے،اندلسی شاعری کا مرثیہ شاعری کی دنیا میں اپنی نوعیت کی ایک الگ داستان ہے،اندلسی مرثیہ مملکتوں کے زوال سے عبرت اورشہروں کے ویرانی کی تصویرکشی،پھرمسلم امت کواپنے کھوئے ہوئے وقار کے حصول کے لیے جدوجہدکی ترغیب جیسے افکار پرمشتمل ہے۔

9.5.2 صوفیانہ شاعری کا ارتقا

صوفیانہ شاعری کا مصدرومنبع تصوف ہے،تصوف کی اصل،لغوی تعریف اوراس کے متعلق آراوغیرہ کی بحث سے قطع نظرتصوف کے متعلق صرف امام قشیری کا قول ذکرکرکےصوفیانہ شاعری کے آغازاسباب کا بیان کیا جائے گااوراس کے مقاصدذکرکیے جائیں گے۔

امام قشیری (وفات:۴۶۵ھ) فرماتے ہیں کہ صوفی کا لفظ صفوۃ سے ماخوذ ہے،اس کے استدلال میں وہ ایک حدیث نبوی ﷺ کا حوالہ دیتے ہیں جس میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے: ”ذهب صفو الدنيا وبقى الكدر فالموت اليوم تحفة لكل مسلم“ دنیا کی صفائی چلی گئی اور

کدورت باقی رہ گئی پس موت آج ہر مسلم کے لیے تحفہ ہے، پھر آگے صوفی کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''صفائے باطن اور پرہیزگاری کی صفت سے متصف آدمی کو صوفی اور ایسے لوگوں کی جماعت کو صوفیہ کہا جاتا ہے''۔

تاریخی اعتبار سے تصوف کی ابتدا دوسری صدی ہجری میں ہو چکی تھی، اندلس میں صوفیانہ شاعری کی داغ بیل تیسری صدی ہجری کے بعد پڑی، اس سے قبل شعرا زہد اور وعظ کو اشعار کے قالب میں ڈھالتے تھے، صوفیانہ شاعری زاہدانہ شاعری کی ہی ایک شکل ہے، کیونکہ تصوف کا اصل مقصد انسانی قلوب واذہان کو دنیاوی آلائشوں سے پاک کرنا آپس میں محبت واخوت کو پیدا کرنا اور نفس انسانی کو اخلاق رذیلہ سے پاک کرنا ہے، جہاں صوفیا نے اپنے قول وعمل کے ذریعہ تصوف کی تبلیغ کی ہے وہیں شعرا نے شعر کو پیغام رسانی یا وارداتِ قلبی کے اظہار کا وسیلہ بنایا ہے۔

اندلس میں صوفیانہ شاعری کے آغاز کی وجہ اہل علم نے خلفا وامرا اور قضاۃ کا پرتعیش تمدن اور ان کی دنیاوی شان وشوکت اور زندگی کی لذتوں سے بڑھتی ہوئی رغبت کو بیان کیا ہے، علاوہ ازیں اندلس میں ملوک الطوائف کے دور میں خانہ جنگیوں کے باعث مملکتوں کا زوال بھی صوفیانہ شاعری کے عروج وارتقا کا ایک سبب ہے۔ اس طور پر کہ جہاں ایک طرف لوگوں نے ان المناک واندوہناک مصائب میں تسلی کے لیے موسیقی لہو ولعب اور غنا کی محافل کو اختیار کیا، وہیں صوفیا نے اپنے اشعار کے ذریعے ان کی تسلی کا کام کیا اور ان کے قلب وباطن کی اصلاح اور ان کا تزکیۂ نفس کرنا شروع کیا، کیونکہ عوام کا طبعی میلان شعر وشاعری کی طرف بڑھتا جارہا تھا تو متصوف شعرا نے ان کی اصلاح کے لیے شاعری کو ہی بہترین ذریعہ سمجھا اور اسے اپنے متصوفانہ افکار وخیالات اور واردات قلبی اور روحانی کیفیات کو شعر کے قالب میں بیان کیا۔

اندلسی متصوف شعرا کے کچھ صوفیانہ شاعری کے نمونے کے طور پر احمد بن محمد بن موسیٰ صنہاجی اندلسی (وفات: ۵۳۶ھ) کے ایک قصیدے کے یہ اشعار ہیں:

لستُ أدری أطال ليلي أم لا ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ كيف يدري بذاک من يتقلى؟

لو تفرغتُ لاستطالة ليلي ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ولرعي النجوم كنتُ مخلاً

إن لعاشقين عن قصر الليـ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ـلِ وعن طوله من الفكر شغلا

ترجمہ: میں نہیں جانتا کہ رات طویل ہے یا نہیں، یہ اسے کیسے پتہ چلے جو عشق کی آگ میں جل رہا ہے۔

اگر میں غور وفکر کرتا رات کے طول اور اس کے قصر میں ستاروں کو دیکھ کر میں ذکر سے غافل ہو جاتا۔

بے شک عشاق کو رات کا طویل ہونا اور رات کا چھوٹا ہونا اللہ کے ذکر سے مشغول نہیں کرتا۔

صوفیانہ شاعری کا اہم موضوع حب الٰہی ہے، اس کی تعبیر کے لیے غزلی شعرا کے نہج وطریقہ کو اپنایا گیا اور ان کے اسالیب کو استعمال کیا زہد کے شعرا اور متصوف شعرا کے درمیان بڑا فرق ہے اس طور پر کہ زہد کے شعرا اپنے دینی احساسات وتجارب کی تعبیر آسان اور سہل انداز سے کرتے ہیں جس میں کوئی رمز و پوشیدگی نہیں ہوتی، جب کہ تصوف کے شعرا اپنے احساسات اور واردات قلبی کی تعبیر کو رمز اور ایما کے ساتھ کرتے ہیں۔

9.5.3 نعتیہ شاعری کا ارتقا

ہم جانتے ہیں کہ اندلس میں علوم وفنون اور عربی ادب مشرقی روایات ہی کا حصہ اور تسلسل ہیں، اندلسی علما، شعرا اور ادبا نے مشرقی علوم وفنون کو محض اپنایا ہی نہیں بلکہ ان میں معتد بہ اضافہ بھی کیا نعتیہ شاعری کا آغاز حضور ﷺ کے عہد مبارک ہی میں ہو چکا تھا، اس کا سب سے بڑا

محرک تو ایمان بالرسول اور آپ ﷺ کی محبت واتباع ہے، اندلسی نعتیہ شاعری میں موضوعات اور اسالیب کے لحاظ سے بڑا تنوع ہے، شعرا تشبیب سے قصیدہ کا آغاز کرتے ہیں اور کہیں ان کے اشعار میں واردات قلبی کا بیان نمایاں ہوتا ہے تو کہیں سراپا اقدس کی تعریف وثنا ہے تو کہیں معجزات اور کمالات مصطفوی کا تذکرہ بڑی عقیدت سے کرتے ہیں۔

اندلسی شعرا کے پاس نعتیہ شاعری کے اہم اجزا جن میں انہوں نے طبع آزمائی کی ہے وہ یہ ہیں، حضور ﷺ کی بارگاہ میں درود وسلام، شفاعت کی درخواست، قبر انور کی زیارت کا شوق، آپ کے آثار سے برکت کا حصول، خلفائے راشدین، صحابہ واہل بیت علیہم الرضوان کے ساتھ تعلق خاطر، لیکن ان تمام نعتیہ قصائد کے اجزا کا تعلق آپس میں ایک دوسرے سے گہرا ہے، اس لیے کہ وہ تمام ایک ہی موضوع کے اطراف گھومتے ہیں وہ ہے حضور ﷺ کی نعت ومدحت۔

نعتیہ شاعری کے اس صنف میں حضور ﷺ کے عہد مبارک سے ہر دور اور ہر عصر اور زبان ومکان میں شعرا اپنی عقیدت ومحبت اور ذوق وشوق کے لحاظ سے نعتیہ قصائد کہتے رہے، اندلسی شعرانے بھی اس صنف میں طبع آزمائی کی اور اس کے اسالیب وموضوعات اور اجزا میں تنوع پیدا کیا، اثیر الدین ابوحیان محمد بن یوسف (وفات: ۶۸۴ھ) نے قصیدہ بانت سعاد کے وزن پر قصیدہ لکھا، اس طویل قصیدہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے معجزات کا بیان ہے، یوسف بن اسماعیل نبھانی نے ''المجموعة النبهانية في المدائح النبوية'' میں پورا قصیدہ نقل کیا ہے جس کے کچھ اشعار بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں ملاحظہ ہو:

لا تعذلاه فما ذو الحب معذول	العقل مختبل والقلب متبول
وكم له معجزًا غير القرآن أتى	فيه تضافر منقول ومعقول
فللرسول انشقاق البدر نشهده	كما لموسى انفلاق البحر منقول
ونبع ماء فرات من أنامله	كالعين ثرّت فما الهتان ما النيل
والجذع حنّ إليه حين فارقه	حنين ولهى لها المرؤمُ مشكول
وأشبع الكثر من قل الطعام ولم	يكن يُمعره بالكثر تقليل
والعنكبوت بباب الغار قد نسجت	حتى كأن رداءً منه مسدول

ترجمہ: عاشق کو ملامت نہ کرو، عاشق کو ملامت نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ عقل خراب ہے اور دل بیمار ہے۔

قرآن کے علاوہ بھی آپ کے کئی معجزے ہیں جن پر عقلی اور نقلی روایات بکثرت ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے لیے چاند کا شق ہونا ایسا معجزہ ہے جسے ہم دیکھتے ہیں جیسے حضرت موسی علیہ السلام کے لیے سمندر کا پھٹ جانا ہے۔

آپ کی انگلیوں سے شیریں پانی بہہ نکلا جیسے کوئی چشمہ زوردار طریقہ سے پھوٹ نکلے، ہتان اور نیل کی یہاں کیا حیثیت۔

کھجور کا تنا آپ کی جدائی اور شدید محبت میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اس لیے کہ آپ کی ذات میں ماں کی سی محبت ہے۔

تھوڑے کھانے سے کئی افراد سیر ہو گئے، کھانے والوں کی کثرت کو یہ تھوڑا کھانا محروم کرنے والا نہ تھا۔

اور مکڑی نے غار کے دہانے پر جالا بن دیا گویا ایک چادر ہے جسے لٹکا دیا گیا ہو۔

مقری نے نفح الطیب میں ان محافل میلاد کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا جو اندلس میں امرا و سلاطین کے زیر اہتمام منعقد ہوتی تھیں۔

9.6 خصوصیات

اندلس میں علوم وفنون اور عربی ادب مشرقی روایات ہی کا حصہ اور تسلسل ہیں اندلسی شعرا اور ادبا نے مشرقی علوم وفنون اور شعر وشاعری کو محض اپنایا ہی نہیں بلکہ ان میں معتد بہ اضافہ بھی کیا، اندلسی شعرا نے تمام مشرقی شاعری کے اصناف کی تقلید کی اور ان میں طبع آزمائی کی اور ان فنون و اصناف میں فطری ماحول اور یہاں کے اجتماعی احوال کے تقاضوں کے مطابق توسیع اور تجدید بھی کی، اندلسی شاعری کو بحیثیت فن کے تین اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

پہلی قسم: تقلیدی فنون: اندلسی شعرا نے مشرقی شاعری کے تمام اغراض وفنون میں تقلید کرتے ہوئے طبع آزمائی کی جیسے غزل، مدح، مرثیہ، فخر، ہجو اور زہد وغیرہ۔ فتح اندلس سے لے کر پانچویں صدی ہجری کے اوائل تک اندلسی شاعری میں مشرقی شاعری کی تقلید نمایاں طور پر نظر آتی ہے اور اس اثنا میں بے شمار شعرا پیدا ہوئے جنہوں نے اسی نہج پر شاعری کی ہے جیسے ابن عبد ربہ (وفات ۳۳۸ھ) ابن ھانی اندلسی (وفات ۳۶۳ھ) ابن شھید (۴۳۶ھ) ابن دراج قسطلی (وفات ۴۲۱ھ)۔

دوسری قسم تقلیدی وتوسیعی فنون: اندلسی شعرا نے مشرقی شاعری کے فنون کی تقلید کرتے ہوئے ان میں توسیع کی جیسے فطری شاعری، مملکتوں کے زوال کے مرثیے، شعر الاستنجاد والاستغاثہ، صوفیانہ شاعری، نعتیہ شاعری، شعر الحنین وغیرہ اس کا آغاز پانچویں صدی ہجری میں ہوا۔ توسیعی فنون واصناف میں کئی شعرا نے طبع آزمائی کی جیسے ابن زیدون (وفات ۴۶۲ھ) ابن عمار (وفات ۴۷۹ھ) ابن خفاجہ (وفات ۵۳۲ھ)

تیسری قسم تجدیدی فنون: اندلسی شعرا نے فنون میں توسیع کے ساتھ ساتھ جدید فنون واصناف کا اختراع بھی کیا جن کی مشرقی شاعری میں کوئی نظیر موجود نہ تھی جیسے موشحات، ازجال۔ پانچویں صدی ہجری میں موشحات کی داغ بیل پڑ چکی تھی لیکن اس کا ارتقا چھٹی صدی ہجری سے ہوا اور سب سے پہلے اس فن کے اصول وقواعد پر ابن سناء الملک (وفات ۶۰۸ھ) نے "دار الطراز في عمل الموشحات" کے نام سے کتاب تصنیف کی، موشحات کے ارتقا کے بعد ازجال کی داغ بیل پڑی اور فن زجل کے اصول وقواعد کو ابن قزمان نے وضع کیا اسی لیے ابن قزمان کو امام الزجالین کہا جاتا ہے، ابن سھیل اسرائیلی (وفات ۶۴۹ھ) الاعمی تطیلی (وفات ۵۲۵ھ) لسان الدین ابن الخطیب (وفات ۷۷۶ھ) ابن قزمان (۵۵۵ھ) ابن زمرک (وفات ۷۹۰ھ) ابوالحسن ششتری (وفات ۶۶۸ھ) اور دیگر شعرا نے اس فن میں طبع آزمائی کی۔

اندلسی شاعری اور مشرقی شاعری میں من حیث الجوھر اور من حیث الموضوع کوئی اختلاف نہیں لیکن اندلسی شاعری مشرقی شاعری کی طرح محکم نہ تھی اور یہ ایسی نئی نسل کے اختلاط کی وجہ سے تھا جو عربی نہ تھی۔

9.7 نمائندہ شعرا

گزشتہ صفحات میں اندلس کی شاعری کی ترقی اور اس کے عوامل اور اسباب پر کافی کچھ لکھا گیا ہے جس کے نتیجہ میں شعرا کی ایک کثیر تعداد وجود میں آئی، کوئی علاقہ اور کوئی شہر ایسا نہ تھا جہاں شعرا کی ایک بڑی تعداد موجود نہ ہو، اندلس کے شعرا کی ایک طویل فہرست ہے، چنانچہ یہاں ہر دور

کے شعرا میں سے ایک ایک شاعر کا ذکر بطور نمونہ پیش کیا جائے گا جو بہت مشہور ہوئے، جیسے: یحیٰی بن حکم، ابن ہانی، المعتمد بن عباد، ابن عربی، ابن قزمان اور لسان الدین ابن الخطیب وغیرہ۔ یہ شعرا اندلس کی شاعری کے مختلف ادوار کی نمائندگی کرتے ہیں اور یہ شعرا سب سے زیادہ قابل ذکر اور اہمیت کے حامل ہیں۔ ذیل میں ان شعرا کی زندگی اور ان کے شاعری کے نمونوں کو ذکر کیا جارہا ہے۔

9.7.1 یحییٰ بن حکم

مختصر حالات زندگی:

آپ کا نام یحی بن حکم بکری جیانی ہے، غزال سے معروف ہے، آپ کی پیدائش ۱۵۶ھ میں ہوئی، آپ نے اموی دور کے پانچ امراو خلفا کا زمانہ دیکھا ہے۔ آپ کا نسب قبیلۂ بکر بن وائل سے ہے جو کہ خالص عربی خاندان ہے، آپ کا شمار اندلس کے بہترین شعرا میں ہوتا ہے، آپ علوم عقلیہ اور نقلیہ میں یدطولی رکھتے تھے اور علم نجوم میں مہارت کی وجہ سے آپ کو "عرّاف" کا بھی لقب دیا گیا اور آپ کو "غزال" کا لقب غیر معمولی حسن وجمال کی وجہ سے دیا گیا، آپ زندگی کے آخری مراحل میں بھی حسین وجمیل نظر آتے تھے، آپ کو امراو سلاطین کے دربار میں اہم مقام حاصل تھا، چنانچہ عبدالرحمن الاوسط نے آپ کو روم کے بادشاہ کی طرف سفیر بنا کر بھیجا اور ایک دفعہ ڈنمارک (نرمان کا شہر) کی طرف بھی سفیر بنا کر بھیجے گئے۔

آپ کی شاعری:

آپ کی شاعری اموی دور کی سچی تصویر ہے، کیونکہ جو آپ نے اپنے گردوپیش ملاحظہ فرمایا: اس کو اپنے احساسات اور جذبات کے ذریعہ شعر کے قالب میں ڈھالا، آپ کو مختلف قوموں کی تہذیب وثقافت سے آشنائی تھی، آپ فطانت وذہانت اور فراست وحکمت اور فی البدیہ اشعار کہنے کی مہارت جیسے عظیم صفات سے متصف تھے، ان ہی صفات اور خوبیوں نے آپ کو بادشاہوں کے دربار تک پہنچادیا، آپ نے شاعری کی تمام اصناف اور اس کے جملہ موضوعات میں طبع آزمائی کی، بے باکی اور جرأت مندی جیسی عظیم صفت نے آپ کو حق بات کہنے پر ابھارا، جو آپ حق سمجھتے وہی کہتے، یہی وجہ ہے کہ آپ کی شاعری میں نقد تعریض اور ہجو یہ اشعار کثرت سے پائے جاتے ہیں، انھیں اشعار کو دیکھ کر آپ کو بعض مؤرخین نے "ہجّاء" بہت زیادہ ہجو کرنے والا لکھا ہے، لیکن آپ کا نقد و ہجو صداقت پر مبنی ہوتا تھا، آپ کی شاعری میں دقیق معلومات پائی جاتی ہیں جو انسانیت کی تشکیل اور معاشرہ کی تعمیر میں ممد ومعاون ثابت ہوتی ہیں، آپ کا شعری دیوان باقی نہ رہا، ابن عبدربہ نے "العقد الفريد" میں آپ کے طویل قصائد کو ذکر کیا اور اندلس کے ایک ماہر ادیب حبیب بن احمد شطجیری نے آپ کے تمام قصائد کو ایک دیوان میں جمع کیا۔

یحیی بن حکم جب سفیر بن کر مجوسیوں کے شہر میں پہنچے اس وقت آپ کی عمر پچاس برس سے زائد تھی تو ایک دن بادشاہ کی بیوی "تود" نے آپ سے عمر کے بارے میں سوال کیا، آپ نے اس سے بطور مزاح کہا، بیس سال، تو ملکہ نے ترجمان سے کہا: بیس سال کی عمر میں کوئی اس طرح بوڑھا ہوگا تو آپ نے ترجمان سے کہا: کیا تو اس بات کو نہیں مانتا کہ گھوڑا بڑی عمر کو پہنچنے کے بعد ہی بچہ دیتا ہے، تو ملکہ نے مسکرایا اور آپ کے اس قول سے تعجب میں پڑ گئی تو آپ نے فی البدیہ اس موقع پر اشعار کہا:

كُلِّفتَ يا قَلبي هَوىً مُتعِباً غالَبتَ مِنهُ الضَيغَمَ الأَغلَبا

إنّي تعَلّقتُ مَجوسِيَّةً تَأبى لِشَمسِ الحُسنِ أَن تَغرُبا

أَقصى بِلادِ اللهِ في حَيثُ لا يُلفي إِلَيهِ ذاهِبٌ مَذهَبا

يا "تود" يا رودَ الشباب التي تُطلِعُ من أزهارها الكوكبا

أن قلتُ يوما إنّ عيني رأَت مُشبِهَهُ لم أعدُ أن أكذِبا

قالت: أرى فَودَيهِ قد نوَّرا دُعابةٌ تُوجِبُ أن أدعَبا

قلتُ لها: ما بالُهُ إنه قد يُنتَجُ المُهرُ كذا أشهبا

فاستضحكت عجبا بقولي لها وإنما قلتُ لكي تعجَبا

ترجمہ: اے میرے دل تجھے تھکا دینے والی محبت کا مکلف کیا گیا تو نے غلبہ حاصل کرلیا اس سے طاقتور شیر پر۔

بے شک میں نے ایک ایسی مجوسیہ سے ملاقات کی جو خوب صورتی کے سورج کے غروب ہونے سے انکار کر رہی تھی۔

اللہ کے شہروں کے آخری کنارہ جہاں پر جانے والا کوئی راستہ نہیں پاتا۔

اے ''تود'' اے نرم ونازک خوب صورت جسم والی! جس کے گریبان سے ستارہ نکل رہا ہے۔

اگر میں کہوں کہ آج میری آنکھ نے اس جیسے خوب صورت شخص کو دیکھا ہے تو میں اپنے قول میں جھوٹا نہیں ہوں۔

اس نے بطور مزاح یہ بات کہی: میں دیکھ رہی ہوں اس کے سر کے دونوں کنارے سفید ہو چکے ہیں۔

میں نے اس سے کہا: اس کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے کہ گھوڑا بڑی عمر کو پہنچنے کے بعد ہی بچہ دیتا ہے۔

میری اس بات سے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے ہنسی اور میں نے یہ بات اس لیے کہی کہ وہ تعجب میں پڑ جائے۔

9.7.2 ابن ہانی

مختصر حالات زندگی:

ابوالقاسم محمد بن ہانی ازدی اندلسی کی پیدائش عبدالرحمن الثالث کے دور میں اشبیلیہ میں ہوئی اور یہیں اس کی نشوونما ہوئی اور اس نے قرطبہ میں تعلیم حاصل کی، عربی ادب میں مہارت حاصل کی، اس زمانے کے مروجہ طریقے کے مطابق سماع، حفظ، انشا اور محاکات کے ذریعہ عربی شاعری کا ایک بہت بڑا ذخیرہ اپنے حافظے میں محفوظ کرلیا۔ اس دور میں اندلسی تہذیب میں اسراف وعیاشی اور لہوولعب رواج پا رہے تھے، ابن ہانی نے بھی اسی راستے پر چلنا شروع کیا۔

کہا جاتا ہے کہ ابن ہانی عقیدۃً غالی شیعہ تھا اور عملاً لذت پرست تھا، اس کا میلان فلسفیانہ خیالات کی طرف تھا جب کہ اہل اندلس فلسفہ کے منکر تھے، اسی وجہ سے اشبیلیہ میں فضا اس کے خلاف ہوگئی، حاکم اشبیلیہ اس پر بڑا مہربان تھا، اہل اشبیلیہ نے اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کیا اور اسے نقصان پہنچانے کے درپے ہوگئے، بلکہ بادشاہ پر انہوں نے اس کے نظریہ کی حمایت کا الزام لگایا تو اس نے مشورہ دیا کہ وہ یہاں سے کچھ دیر کے لیے چلا جائے، چنانچہ بادشاہ کے مشورہ پر ابن ہانی سمندر عبور کر کے مراکش آ گیا، یہاں اس کا تعلق فاطمیوں کے امیر لشکر ''جوہر'' سے

ہوگیا، اس کی مدح میں اشعار کہا اور آہستہ آہستہ فاطمی خلیفہ کے قریب ہوگیا اور اس کی مدح کرتا رہا اور انعام واکرام سے مالا مال ہوتا رہا۔

فتح مصر کے بعد جب فاطمیوں نے اپنا پایۂ تخت مصر منتقل کیا اور معزلدین اللہ مصر جانے کا ارادہ کیا تو ابن ہانی نے خلیفہ کو رخصت کیا اور خود اہل وعیال کو ساتھ لے کر خلیفہ کے دربار سے مستقلاً وابستہ ہوجانے کا ارادہ کیا، چنانچہ تیار ہوکر چلا اور ''برقہ'' کے مقام پر پہنچا تھا کہ پراسرار حالت میں اس کی موت واقع ہوگئی، ابن ہانی کی عمر اس وقت روایات کے مطابق چھتیس اور بعض کے مطابق بیالیس سال تھی اور خلیفہ المعزلدین اللہ نے اس کی موت کی خبر سن کر بہت افسوس کیا اور کہا:

''ہمیں اس شخص سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں کہ ہم اس کے ساتھ مشرق کے شعرا پر سبقت لے جائیں گے، مگر قسمت نے ہمارا ساتھ نہ دیا''۔

ابن ہانی کی شاعری:

ابن ہانی کو ''متنبی الغرب'' مغرب کا متنبی اور اندلس کا امیر الشعرا کہا جاتا ہے، اس کی شاعری اعلیٰ درجہ کی شاعری ہے جو سلاست فکر اور سلامتی تعبیر سے لبریز ہے، اس کے کلام میں معنی سے بڑھ کر لفظ پر توجہ ہے، غالباً اسی جزالتِ لفظی کی بنا پر اسے متنبی کا مثیل کہا گیا۔ ابن ہانی نے متنبی کے طرز اور اسلوب کو اپنایا، اس کی اقتدا کرتے ہوئے شاعری میں فلسفیانہ افکار اور جگہ جگہ حکم وامثال کو ذکر کیا۔

ابن ہانی کی شاعری کے موضوعات میں اکثر حصہ مدح اور غزل کا ہے، وصف اور مرثیہ میں اس کی شاعری کم ہے، لیکن عمدہ ہے۔ فطرت کی منظر نگاری اور حب الوطنی جو اندلسی شعرا کا عمومی امتیاز ہیں، ان موضوعات کا اس کی شاعری میں بہت کم ذکر ملتا ہے، اس کی توجہ ان موضوعات سے زیادہ سیاست اور شراب پر رہی، ابن خلکان نے ابن ہانی کے شاعری کے متعلق لکھا ہے: ''متفقہ طور پر مغرب میں اس کے پائے کا کوئی شاعر نہیں نہ متقدمین میں نہ متاخرین میں وہ علی الاطلاق سب سے بہترین شاعر ہے''۔

شاعری کا نمونہ:

ابن ہانی کی شاعری کا بہترین نمونہ وہ ہے جو اس نے جعفر کے والدہ کے انتقال پر مرثیے کی صورت میں کہی۔ یہ اشعار پند ونصائح اور دنیا کی بے ثباتی اور فنائیت جیسے موضوعات پر مشتمل ہیں جس کے کچھ اشعار مندرجہ ذیل ہیں:

صَدَقَ الفَناءُ وكَذَبَ العُمُرُ ... وجَل العِظاتُ وبالغَ النُذُرُ
إنَا وفي آمَالِ أنفسِنَا ... طُولٌ وفي أعمارِنَا قِصَرُ
لنرى بأعيننَا مصارعَنا ... لو كانتِ الألْبابُ تعتبِرُ
ممّا دَهانَا أنّ حاضِرَنَا ... أجفانُنَا والغائِبَ الفِكَرُ
فإذا تَدَبّرْنَا جوارِحنا ... فأَكَلُّهُنَّ العينُ والنّظَر
لو كانَ للألباب مُمتحِنٌ ... ما عُدَّ منها السمعُ والبَصَرُ
أيُ الحيَاةِ ألَذُّ عِيشتَها ... من بعد علمي أنّني بَشَر
خَرِسَتْ لَعَمْرُ اللهِ ألسُنُنَا ... لمّا تَكَلّمَ فوقَنا القَدَرُ

ترجمہ: فنا ہونا سچ ہے اور ہمیشہ آباد رہنا جھوٹ ہے اور نصیحت کے لیے بہت ساری چیزیں ہیں اور ڈرانے والوں نے پہنچا دیا۔
بے شک ہمارے دلوں میں لمبی لمبی امیدیں ہیں جب کہ ہماری عمریں قلیل ہیں۔
ہم اپنی موت کے مقامات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں، اگر ہماری عقلیں عبرت حاصل کرنے والی ہوتیں۔
جس چیز نے ہمیں حیرت میں ڈال رکھا ہے وہ یہ ہے کہ جو چیزیں ہمیں نظر آجائیں وہ موجود ہیں اور جسے غور وفکر سے معلوم کریں وہ غائب ہیں۔
جب ہم اپنے اعضا میں غور وفکر کرتے ہیں تو ان میں سب سے کمزور آنکھ اور نظر کو ہی پاتے ہیں۔
اگر عقل کو پرکھنے کی کسوٹی ہوتی تو کان اور نگاہ تو کسی شمار میں بھی نہ آتے۔
میں کس زندگی سے سرور حاصل کروں، جب کہ مجھے معلوم ہے کہ میں بشر ہوں۔
بخدا! ہماری زبانیں گنگ ہوجاتی ہیں جب ہماری زبانوں پر قضا وقدر کا حکم چلتا ہے۔

9.7.3 معتمد بن عباد

مختصر حالات زندگی:

ابوالقاسم محمد بن عباد المعتمد علی اللہ کی پیدائش ۴۳۱ھ میں ''باجہ'' میں ہوئی اور لقب الظافر اور المؤید ہے، اپنے باپ المعتضد باللہ کے بعد اشبلیہ اور قرطبہ کا حاکم بنا اور اندلس میں خاندان بنی عباد کا آخری بادشاہ ہے، اس کے والد نے اسے ''اونبہ'' کا حاکم بنا دیا ابھی اس کی عمر لگ بھگ بارہ برس کی تھی، پھر اس کو لشکر کا سپہ سالار بنا کر ''شلب'' کا محاصرہ کرنے کے لیے بھیجا، اسی دوران اس کی ملاقات مشہور شاعر ابوبکر بن عمار سے ہوئی ان دونوں کی درمیان سچی رفاقت اور گہری دوستی قائم ہوگئی، یہاں تک کہ ابن عمار کو ''شلب'' کا وزیر مقرر کر دیا، معتمد بن عباد کی شاعری میں ابن عمار کا بڑا اہم رول رہا ہے۔

معتمد بن عباد کی شاعری:

معتمد بن عباد طبعا شاعر تھا، شاعری کا ذوق اس کو اس کے والد سے ورثہ میں ملا تھا، بچپن ہی سے شاعری کرتا تھا، ایک دفعہ اس نے مؤذن سے اذان سن کر فی البدیہ یہ اشعار کہا تھا:

هذا المؤذنُ قد بدا بأذانه   يرجو الرضا والعفو من رحمانه
طوبى له من ناطق بحقيقة   إن كان عقد ضميره كلسانه

ترجمہ: یہ مؤذن اپنی اذان کے ساتھ ظاہر ہوا ہے، یہ اپنے رب رحیم سے خوشنودی اور مغفرت کا طلبگار ہے۔
یہ خوش وخرم رہے سچے الفاظ کہہ رہا ہے، جب کہ اس کا ضمیر بھی زبان کے مطابق ہو۔

معتمد ایک عیاش امیر تھا اس کے شب وروز حسن وشباب اور لہو ولعب کی محفلوں میں گذرتے تھے، اس دور میں معتمد کا کلام انھیں آسائشوں کے گرد گھومتا رہا، وقت گزرتا گیا حالات نے کروٹ لی بالآخر اسے اغمات کے قید خانے میں ڈال دیا گیا جہاں سے نکلنا اس کے نصیب میں نہیں تھا،

قید خانے میں معتمد نے جو شاعری کی وہ فنی اعتبار سے اس کی بلند ترین تخلیقات سے عبارت ہے، ماضی کی بہار اور حال کے خارزار کا موازنہ اس کے نازک دل پر کیا کیا قیامت بر پا نہ کرتا ہوگا۔

قید و بند کی انہی صعوبتوں میں وہ لمحۂ جانگداز بھی آیا کہ عید کے روز اس کی بیٹیاں سلام کی غرض سے قید خانے میں حاضر ہوئیں، ان کی زبوں حالی اور بوسیدہ لباس دیکھ کر معتمد کا دل پھٹ کر رہ گیا اور اس نے اس حالِ زار کو شاعری کے لبادہ میں بیان کیا، یہ اشعار اس کی شاعری کے سب سے رقت انگیز اشعار کہلاتے ہیں جس کے کچھ اشعار ملاحظہ ہو:

فيما مَضى كُنتَ بِالأَعيادِ مَسرورا　　فَساءَكَ العيدُ في أَغماتَ مَأسورا
تَرى بَناتَك في الأَطمارِ جائِعَةً　　يَغزِلنَ لِلناسِ ما يَملِكنَ قَطميراً
بَرَزنَ نَحوَك لِلتَسليمِ خاشِعَةً　　أَبصارُهُنَّ حَسراتٍ مَكاسيرا
يَطأنَ في الطين وَالأَقدامُ حافيَةٌ　　كَأَنَّها لَم تَطأ مِسكاً وَكافورا
قَد كانَ دَهرَك إِن تأمُرهُ مُمتَثِلاً　　فَرَدَّك الدَهرُ مَنهيّاً وَمأمورا
مَن باتَ بَعدَك في مُلكٍ يُسرُّ بِهِ　　فَإِنَّما باتَ بِالأَحلامِ مَغرورا

ترجمہ: ایک زمانہ تھا کہ تو بڑی خوشی سے عیدیں مناتا تھا، ایک وقت یہ بھی ہے کہ اغمات میں حالت اسیری میں عید تیرے دل پر بار ہے۔
تو اپنی بیٹیوں کو بوسیدہ کپڑوں میں ملبوس بھوکا دیکھ رہا ہے، وہ لوگوں کے لیے سوت کاتتی ہیں لیکن وہ ایک کھوٹے سکہ کی بھی مالک نہیں ہیں۔
وہ تیرے پاس اس حالت میں سلام کے لیے حاضر ہوئی ہیں کہ ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہیں حسرت زدہ ٹوٹے ہوئے دلوں کے ساتھ۔
وہ ننگے پاؤں مٹی پر چل رہی ہیں، ایسے لگتا ہے کہ جیسے کبھی مشک و کافور پر نہیں چلی تھیں۔
ایک وقت وہ بھی تھا کہ تو زمانے کو اگر حکم دیتا تو وہ اس کی تعمیل کرتا تھا، آج زمانے نے تجھے اس حال پر پہنچا دیا کہ جب چاہے تجھے روک دے اور جب چاہے تجھے حکم دے۔
تیرے بعد اگر کوئی بادشاہی میں خوش ہو کر رات گزارتا ہے تو وہ فقط خوابوں کے فریب میں رات گزارتا ہے۔۔

9.7.4 ابن عربی

مختصر حالات زندگی:

شیخ ابن عربی کا پورا نام محمد بن علی بن محمد بن احمد اندلسی ہے۔ آپ کی پیدائش ۵۶۰ھ میں اندلس کے ایک مشہور شہر 'مرسیہ' میں ہوئی۔ دنیائے تصوف میں ''شیخ اکبر'' کے نام سے معروف ہیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب عرب کے مشہور قبیلے طے سے ملتا ہے۔ آپ کا خاندان دین و دنیا ہر دو لحاظ سے کافی مشہور تھا۔ ابھی آپ کم سن ہی تھے کہ 'مرسیۂ' پر موحدین کا قبضہ ہو گیا۔ آپ کا خاندان مرسیہ سے ہجرت کر کے اشبیلیہ میں سکونت پذیر ہوا۔ اشبیلیہ اس وقت مغرب میں علم و ادب اور فلسفہ و سائنس کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ ابن عربی تیس برس تک وہاں کے مشہور علما سے تحصیل علم کرتے رہے، فطری استعداد اور لیاقت کے بل بوتے پر اپنے زمانے کے تمام علوم میں مہارت حاصل کی۔

ابن عربی بچپن ہی سے ذوق ووجدان اور کشف وحال کی کیفیت سے آشنا تھے گھر کا ماحول اس رجحان کے مطابق سازگار تھا گویا ابن عربی کو ابن عربی بنانے میں ان کے گھر کے ماحول کا بڑا اہم کردار رہا ہے۔ علاوہ ازیں کثیر تعداد میں مشائخ سے ملاقات کی اور ان سے احوال ومعارف اور سیر وسلوک کے منازل طے کرتے رہے۔ دوسرے اکابر صوفیا کی طرح سیر وسیاحت اور اصحاب کشف وعرفان کی زیارت کرتے رہے۔ ابتدا میں اندلس اور شمالی افریقہ کے مختلف شہروں سے گزر کر مراکش، تونس اور مصر کے راستے ۵۹۸ھ میں مکہ مکرمہ پہنچے جہاں طویل عرصے تک قیام کیا۔ قیام مکہ کے دوران ہی "الفتوحات المکیة" تصنیف فرمائی۔ قیام مکہ کے دوران ہی اصفہان سے آئے ہوئے شیخ مکین الدین ابوشجاع زاہد بن رستم سے حدیث پڑھی، پھر موصل وبغداد اور قونیہ کی سیاحت کی، دوبارہ ۶۱۰ھ میں مکہ مکرمہ گئے جہاں سے پھر قونیہ اور حلب ہوتے ہوئے دمشق پہنچے جہاں کے حاکم الملک العادل سیف الدین ابوبکر احمد (وفات ۶۱۵ھ) نے آپ کو وہاں آکر رہنے کی دعوت دی تھی۔ آپ اخیر عمر تک ریاضت ومجاہدہ اور تحریر وتصنیف میں مشغول رہے۔ فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم کے علاوہ ابن عربی کی تصانیف کی طویل فہرست ہے۔ خود آپ نے تین سو کتابوں کی تصنیف کا ذکر کیا ہے۔ ابن عربی ایک شاندار علمی اور روحانی زندگی بسر کرنے کے بعد ۸۰ برس کی عمر میں ۶۳۸ھ میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

آپ کی شاعری:

ابن عربی کی شاعری آپ کی کئی سو تصانیف میں پھیلی ہوئی ہیں جن میں "الفتوحات المکیة" اور "فصوص الحکم" میں سب سے زیادہ شاعری کے نمونے موجود ہیں، لیکن خالص شعری مجموعے دو ہیں: ایک "ترجمان الأشواق" اور دوسرا آپ کا دیوان۔ ترجمان الأشواق کی شاعری کی تالیف کا سبب ذکر کیا جاتا ہے کہ جب آپ ۵۹۸ھ میں مکہ مکرمہ تشریف لے گئے جہاں دیگر فضلا وصلحا سے ملاقات کے علاوہ آپ کا رابطہ شیخ ابوشجاع ظاہر بن رستم سے رہا جن سے آپ نے حدیث شریف پڑھی۔ شیخ کی ایک بیٹی جس کا نام "النظام" تھا جو حسن وجمال کے ساتھ زہد وعفت، فصاحت وبلاغت اور عبادت وریاضت میں بے مثل وبے مثال تھی، اس کی ذات کو ابن عربی نے "ترجمان الأشواق" کی تشبیب ظاہری کا محور بتایا ہے۔ تاہم ان اشعار کے باطنی مفہوم کو بطریق رمز وایما اور اعلی روحانی وقلبی واردات سے تعبیر کیا ہے۔ جس کا اس خاتون کو بخوبی علم تھا۔ آپ کے اشعار کی ظاہری ہیئت پر حلب کے کسی فقیہ نے اعتراض کیا تو ابن عربی سے آپ کے شاگردوں نے اس کی شرح لکھنے کے لیے کہا تو آپ نے ترجمان الأشواق کی شرح "ذخائر الأعلاق" کے نام سے لکھی۔ یہ شرح اب ترجمان الأشواق کے ساتھ شامل ہے۔ شرح کا کچھ حصہ فقہا کی ایک جماعت کے سامنے پڑھا گیا تو معترض نے اپنے اعتراض سے رجوع کر لیا اور یہ تسلیم کیا کہ فقرا کے یہاں بادہ وساغر کے پردے میں مشاہدۂ حق کی گفتگو سے انکار نہیں کیا جا سکتا چنانچہ ابن عربی نے خود اس اسلوب خاص کی وضاحت کرتے ہوئے چند اشعار لکھا ہے جس کا آخری شعر ملاحظہ ہو:

فاصرف الخاطرَ عن ظاهرها　　　واطلُب البطنَ حتی تعلما

تو ذہن کو اس کے ظاہری مضامین سے ہٹا اور باطن کی کھوج میں لگا تاکہ تجھ پر حقیقت آشکار ہو جائے۔

مقری نے ابن عربی کے ایک شعر کے حوالے سے روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ آپ کے شعر کے متعلق حسن ظن لازم ہے، مقری نے آپ کے اس شعر کو ذکر کیا ہے:

يا من يراني ولا أراه كم ذا أراه ولا يراني

اے وہ کہ جو مجھے دیکھتا ہے جب کہ میں اسے نہیں دیکھتا، کتنی ہی دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ میں اسے دیکھتا ہوں جب کہ وہ مجھے نہیں دیکھتا۔

ابن عربی کے کسی ساتھی نے آپ کا یہ شعر سن کر کہا کہ تم یہ کس طرح کہہ سکتے ہو کہ وہ تمہیں نہیں دیکھتا اس پر ابن عربی نے فی البدیہہ کہا:

يا من يراني مجرما ولا أراه آخذا

كم ذا أراه منعما ولا يراني لائذا

اے وہ کہ وہ مجھے جرم کرتے ہوئے دیکھتا ہے جب کہ میں اسے گرفت کرتے نہیں دیکھتا، کتنی ہی دفعہ میں اسے نعمتیں بخشتے دیکھتا ہوں جب کہ وہ مجھے اپنی پناہ ڈھونڈتے نہیں دیکھتا۔

آپ کی شاعری میں متقدمین شعرا کی طرح پختہ گوئی اور الفاظ کے بھرمار کے ساتھ ساتھ متاخرین شعرا کی لفظی مناسبات اور صنائع بدائع کا ایک اچھا امتزاج پیش کرتی ہے۔

9.7.5 ابن زمرک

مختصر حالات زندگی:

ابوعبداللہ محمد بن یوسف کی پیدائش ۷۳۳ھ میں غرناطہ میں ہوئی۔ آپ کے آبا واجداد اصلا مشرقی تھے جنہوں نے ہجرت کر کے غرناطہ کا رخ کیا اور یہیں مقیم ہو گئے۔ ابن زمرک بچپن ہی سے بڑے ذہین اور ہوشیار تھے اور ان کو علم وادب اور دیگر علوم وفنون کے حصول کا کافی ذوق وشوق تھا، چنانچہ آپ نے اس وقت کے جید علما وفقہا کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، ابوعبداللہ ابن الفخار (وفات ۷۵۴ھ) اور علی بن سعید ابن لب الغرناطی (۷۲۸ھ) سے لغت اور فقہ حاصل کیا اور لسان الدین ابن الخطیب (وفات ۷۷۶ھ) سے ادب پڑھا اور ادب میں کمال درجہ کی مہارت حاصل کی۔ آپ نے صرف شرعی لغوی اور ادبی علوم کے حصول پر اکتفا نہیں کیا بلکہ علوم عقلیہ منطق فلسفہ ریاضیات اور طبعیات میں بھی مہارت حاصل کی۔ آپ نے سیاست کے میدان میں قدم رکھا اور اپنے استاذ لسان الدین ابن الخطیب کے المناک انجام کے بعد وزارت کے منصب پر فائز کیے گئے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے استاذ کے قتل کی سازش میں شریک تھے۔ ابن زمرک کو ان کی سازشوں کے نتیجہ میں بالآخر انھیں کے گھر میں ۷۹۳ھ میں ان کو اور ان کے ساتھ ان کے بیٹے اور ملازمین جو بھی گھر میں موجود تھے سب کو قتل کر دیا گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قتل کے وقت ابن زمرک کے ہاتھوں میں قرآن کریم تھا جس کو وہ اٹھائے ہوئے تھے، مقری نے اس انجام کار کے متعلق کہا کہ یہ قصاص الٰہی کی ایک علامت ہے۔ (**الجزاء من جنس العمل**) بدلہ عمل کے جنس سے ہوتا ہے۔

ابن زمرک کی شاعری:

ابن زمرک کو اندلس میں ابن الخطیب کے بعد عربی شاعری کا آخری ستون کہا جاتا ہے، وہ ایک بہترین نثر نگار بھی تھے۔ ابن زمرک کی شاعری ابن خفاجہ کی شاعری سے ہم آہنگ تھی۔ ابن زمرک کو ابن خفاجہ کی طرح مناظر فطرت کی عکاسی میں زبردست ملکہ حاصل تھا۔ قصر الحمرا (اندلس میں بنو احمر کے دور کا ایک بہترین اور عالیشان محل ہے جس کو ابوعبداللہ محمد الاول محمد بن یوسف بن محمد نے غرناطہ میں تعمیر کا آغاز کیا تھا جس

کو آج اسپین میں ایک اہم سیاحت کا مقام مانا جاتا ہے، جس کی تکمیل میں ۱۵۰ سال کا عرصہ لگا، اس محل کے اندرونی اور بیرونی دیواروں اور چھتوں پر قرآنی آیات اور دعاؤں کے علاوہ امرا اور اس کے محل کے وصف میں قصائد نقش ہیں جن کو اس دور کے شعرا نے لکھا) کے درو دیوار باغات اور وہاں کے فطری مناظر کو بڑی خوب صورتی سے اشعار کے قالب میں ڈھالا ہے، ابن زمرک کے بعض اشعار آج تک ''الحمراء'' کے دیواروں پر کندہ ہیں اور اس کی بے مثال کاریگری کا حصہ ہے۔ ابن زمرک کے اشعار کو ابن الاحمر نے ایک دیوان میں جمع کیا مقدمہ میں ابن زمرک کی زندگی اور شاعری کا مختصر تعارف پیش کیا اور اس کا نام ''البقیة والمدرک من شعر ابن زمرک'' رکھا۔ ابن زمرک کے کچھ اشعار جو ''الحمراء'' کے درو دیوار پر لکھے ہوئے ہیں بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں:

۱۔ اُنْظُر لِرَوضٍ مُحلَّی مِثلَ العَرُوسِ المُجلَّی

۲۔ وَقُبَّةُ الملک حَازَتْ فَوقَ النُّجومِ مَحلًّا

۳۔ رُفِعْتَ قَوْسَ سَماءٍ تَرْمِيْ مِنَ السَّعْدِ نَبْلاً

۴۔ وَلُحتَ مَظْهَرَ حُسْن بِهِ الْأَبارِيقُ تُجلَی

۵۔ فَخْرُ الإِمَامِ ابنِ نَصْرٍ جَديْدُه لَيسَ يَبْلَی

ترجمہ:

۱۔ مزین باغ کی طرف نظر ڈالو جو دلہن کی طرح آراستہ ہے

۲۔ اور بادشاہ کا قبے نے ستاروں سے اوپر مقام بنالیا ہے

۳۔ تو آسمان کے قوس تک بلند ہوا سعادت مندی سے شرافت دیتا ہے

۴۔ اور تو چمکا حسن کا مظہر بن کر جس سے چمک دار تلواروں کو جلا ملتی ہے

۵۔ خلیفہ ابن نصر کے لیے فخر ہے اس کا نیا کبھی بوسیدہ نہیں ہوتا

9.7.6 لسان الدین ابن الخطیب

مختصر حالات زندگی:

لسان الدین محمد بن عبد اللہ بن سعید غرناطی کی پیدائش اندلس کے جنوب میں واقع شہر ''لوشہ'' میں ۷۱۳ھ میں ہوئی، کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ ابن الخطیب کے لقب سے مشہور ہے۔ آپ کا خاندان آل خطیب سے معروف ہے کیونکہ آپ کے دادا ''لوشہ'' شہر کے ایک ممتاز و معروف خطیب تھے اور آپ کو ذوالوزارتین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، اس لیے کہ آپ قلمدان اور وزارت کے دو عظیم عہدوں پر فائز تھے۔ آپ کی پرورش علمی ماحول اور ریاست کی آغوش میں ہوئی، آپ نے وہاں کے ممتاز علما سے لغت، ادب، فلسفہ، طب، فقہ، ریاضی اور دیگر علوم وفنون میں مہارت حاصل کی اور شعر وادب میں اپنے ہم عصر علما میں سبقت لے گئے۔ شعر وادب کے ذریعے حاکم غرناطہ ابوالحجاج یوسف کے دربار تک رسائی حاصل کی اس نے آپ کو صاحب قلم دان کے عہدہ پر فائز کیا پھر آپ کو وزارت کے عہدہ جلیلہ پر فائز کیا، جس کے سبب آپ کے اثر و

رسوخ اور قدر و منزلت میں اضافہ ہو گیا۔ آپ حاکم غرناطہ ابو الحجاج کے وفات تک اسی عہدہ پر فائز رہے اس کے بعد اس کا بیٹا محمد الخامس خلیفہ بنا تو اس نے بھی آپ کو وزارت کے عہدہ پر برقرار رکھا، لیکن بعض حاسدین اور چغل خوروں کے باعث دونوں کے تعلقات میں دراڑ پڑ گئی اور آپ نے افریقہ کا رخ کیا وہاں پر آپ کی بڑی تعظیم و تکریم کی گئی، کچھ عرصے کے بعد وہاں بھی مصیبتوں اور پریشانیوں نے گھیر لیا وہی حسد اور بغض کی آگ یہاں بھی پھیل گئی اور آپ پر زندیقیت کا الزام لگایا گیا، سر عام آپ کو رسوا کیا گیا۔ حاسدین نے موقع پا کر آپ پر حملہ کیا اور آپ کا گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا۔

آپ کی شاعری:

آپ کو تمام علوم وفنون اور شعر و ادب میں ید طولی حاصل تھا، جیسا کہ آپ نے پڑھا اسی شعر و ادب کی مہارت نے آپ کو حاکم کے دربار تک پہنچایا تھا، آپ نے گرانقدر علمی سرمایہ مولفات کی شکل میں چھوڑا جو تاریخ، جغرافیہ، تراجم، ادب، شعر، فلسفہ اور طب و دیگر علوم وفنون پر مشتمل ہے۔ آپ کے مؤلفات کی تعداد ساٹھ سے زائد بتائی گئی ہے۔ آپ کی تصانیف میں ''الإحاطة في أخبار غرناطة'' بہت مشہور ہے۔ آپ فطرتی طور پر سجع نگار تھے لیکن اندلس میں شاعری کا غلبہ ہونے کی بنا پر اہل اندلس کی نثر میں سجع اور صنعت کا زور تھا، اہل اندلس طبعا و اولا شاعر ہیں اور ثانیا نثر نگار ہیں، ابن الخطیب کی شاعری میں قدیم شاعری کا رنگ غالب تھا، آپ کی شاعری کے الفاظ میں نزاکت عمدہ معانی اور پختہ گوئی کا ایک بہترین نمونہ پایا جاتا ہے اور فنی اعتبار سے آپ کی شاعری کو بہترین شاعری تصور کیا جاتا ہے۔ اندلس میں علم و ادب کی امامت کا اسی پر اس طرح خاتمہ ہو گیا تھا جس طرح افریقہ میں علم و ادب کی قیادت ابن خلدون پر ختم ہو گئی تھی۔

ابن الخطیب نے تمام قدیم وجدید شعری اصناف میں طبع آزمائی کی، ابو البقاء رندی نے کہا ہے کہ آپ کا دیوان ان تمام شعری اصناف کا مجموعہ ہے، ایک موقع پر ابن الخطیب عیسائیوں کے خلاف ''تونس'' کے حاکم سلطان ابو عنان حفصی سے مدد مانگنے کے لیے ایک وفد کے ساتھ گئے اور اپنا مدعا نظم کی شکل میں بیان کیا ملاحظہ ہو:

۱۔	خَلِيفَةُ اللهِ سَاعَدَ الْقَدرُ	عَلاکَ مَا لَاحَ في الدُّجى قمر
۲۔	ودافعتُ عنک کفُّ قدْرَتِه	مَا ليْسَ يستطيع دفعه البشر
۳۔	وَجْهُکَ في النائبات بَدرُ دُجى	لنا وفي المحلِ كفُّکَ المَطرُ
۴۔	والناسُ طُرّاً بأرض أَندَلسٍ	لولَاکَ ما أوطنوا وَلَا عمرا
۵۔	ومن به مُذ وصلتُ حَبلَهم	مَا جَحَدوا نِعمةً وَلَا كفروا
۶۔	وقد أهمَّتْهم نفوسهم	فوَجَّهُوني إليک وانتَظروا

ترجمہ:

۱۔ اے اللہ کے خلیفہ قسمت تیری بلندی میں مدد کرے جب تک تاریکیوں میں چاند چمکتا رہے۔

۲۔ اور اس کا دست قدرت تجھ سے مصیبتوں کو دور کرتا رہے، جس کے دور کرنے کی طاقت بشر میں نہیں ہے۔

۳۔ اور تیرا چہرہ مصائب میں ہمارے لیے چودھویں کے چاند کی طرح ہے اور قحط سالی میں تیرا ہاتھ باران رحمت ہے۔

۴۔ اور تمام لوگ اندلس میں اگر تو نہ ہوتا تو نہ اسے وطن بناتے اور نہ وہاں پر بستے۔

۵۔ اور جب سے ان کو تیری مدد پہنچی ہے نہ نعمت کا انکار کیا اور نہ کفران نعمت کے مرتکب ہوئے۔

۶۔ اور اب ان کی جانوں پر مصیبت آ پہنچی ہے تو انہوں نے مجھے تیرے پاس بھیجا ہے اور وہ سب انتظار میں ہیں۔

سلطان یہ شعر سنتے ہی جو کچھ مطلوب تھا سب کچھ دے کر ابن الخطیب کو رخصت کر دیا۔

9.8 اکتسابی نتائج

اندلس میں عربی کے آغاز وارتقا کے ساتھ عربی شاعری کا بھی آغاز ہو چکا تھا۔عرب جہاں جاتے اپنی تہذیب وثقافت کو ساتھ لے جاتے تھے۔اندلس کی تہذیب وثقافت پر عربوں کی تہذیب وثقافت کے بہت نمایاں اثرات پڑے،عربی شاعری کی ارتقا میں خلفا وامرا کی ہمت افزائی کے ساتھ وہاں کے فطری ماحول کا بھی ایک اہم کردار رہا جس کی وجہ سے عربی شاعری میں توسیع وتنوع اور جدید اصناف کی داغ بیل پڑی۔ جہاں شعرا نے قدیم اصناف میں طبع آزمائی کی وہیں معتد بہ اضافہ بھی کیا جیسے فطری شاعری، مملکتوں کے زوال کے مرثیے، صوفیانہ شاعری، نعتیہ شاعری، شعر الحنین والغربۃ، دیار غیر میں وطن کی محبت۔عربی شاعری کی ترقی اس قدر ہوئی کہ کوئی علاقہ اور کوئی شہر ایسا نہ تھا جہاں شعرا کی ایک بڑی جماعت پائی نہ جاتی ہو۔فتح اندلس سے سقوط اندلس تک اندلسی شاعری پر ارتقا کے کئی مراحل گزرے ہیں اور ان ادوار کے سیاسی ثقافتی اور اجتماعی احوال کے بدلنے کا اثر عربی شاعری پر ہوتا رہا اور ان ادوار میں بے شمار شعرا میں سے ایک ایک شاعر کا بطور نمونہ ذکر کیا گیا ہے جو بہت مشہور ہوئے جیسے یحیی بن حکم، ابن ھانی، المعتمد بن عباد، ابن عربی، ابن زمرک، لسان الدین ابن الخطیب۔ یہ شعرا اندلس کی شاعری کے مختلف ادوار کی نمائندگی کرتے ہیں اور یہ شعرا سب سے زیادہ قابل ذکر اور اہمیت کے حامل ہیں۔

9.9 امتحانی سوالات کے نمونے

۱۔ اندلس میں عربی شاعری کے آغاز وترقی کے متعلق تفصیلی نوٹ لکھیے۔

۲۔ اندلس کی شاعری کی ترقی کے اسباب بیان کیجیے۔

۳۔ اندلس کے مختلف ادوار میں عربی شاعری پر تفصیلی نوٹ لکھیے۔

۴۔ اندلس شاعری کے توسیعی فنون میں سے کسی ایک پر نوٹ لکھیے۔

۵۔ معتمد ابن عباد کی شاعری پر تفصیلی نوٹ لکھیے۔

۶۔ ابن عربی کی شاعری پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔

۷۔ لسان الدین ابن الخطیب کی شاعری کا نمونہ لکھیے۔

۸۔ ابن ہانی کو متنبی الغرب کہنے کی علت بیان کیجیے۔

9.10 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

١ـ الكامل في التاريخ ابن الأثير

٢ـ الحلة السيراء ابن الآبار، تحقيق: حسين مؤنس

٣ـ الذخيرة في محاسن أهل الجزيرة ابن بسام، تحقيق: إحسان عباس

٤ـ قلائد العقيان ابن خاقان،، تحقيق: حسين يوسف

٥ـ المغرب في حلى المغرب ابن سعد، تحقيق: شوقي ضيف

٦ـ المطرب من أشعار أهل المغرب ابن دحية، تحقيق: إبراهيم الأبياري

٧ـ ترجمان الأشواق ابن عربى، شرح: عبد الرحمن المصطاوي

٨ـ البيان المغرب في أخبار الأندلس ولامغرب ابن عذاري، تحقيق: ج، س، كولان

٩ـ تاريخ الأدب الأندلسي إحسان عباس،

١٠ـ الأدب الأندلسي من الفتح إلى سقوط الخلافة أحمد هيكل

١١ـ تاريخ العربي: عصر الدول والإمارات الأندلس شوقي ضيف

١٢ـ الأدب العربي في الأندلس عبد العزيز عتيق

١٣ـ دولة الإسلام في الأندلس عبد الله عنان

١٤ـ نفح الطيب من عضن الأندلس الرطيب المقري

اکائی 10 روایتی شعری فنون (غزل اور مدح گوئی)

اکائی کے اجزا

10.1 تمہید
10.2 مقصد
10.3 عربی غزل اور جاہلی شاعری
10.4 اندلسی غزل
10.4.1 اندلسی غزل کا تعارف
10.4.2 اندلسی غزل کی خصوصیات
10.4.3 اندلسی غزل کے ادوار
10.4.3.1 پہلا دور
10.4.3.2 دوسرا دور
10.4.3.3 تیسرا دور
10.4.4 اندلسی غزل پر المقر ی کا تبصرہ
10.4.5 اندلس کے غزل گو شعرا
10.4.6 اندلس کا نمائندہ قصیدہ
10.5 مدح گوئی کا تاریخی پس منظر
10.5.1 مدیح: لغوی اور اصطلاحی تعریف
10.5.2 مدح گوئی کی ابتدا
10.5.3 مدح اور جاہلی شاعری
10.5.3.1 مدح صدر اسلام میں

10.5.3.2 مدح اموی دور میں
10.5.3.3 مدحیہ شاعری کے لوازمات
10.6 اندلس میں مدح گوئی
10.6.1 ابتدائی دور
10.6.2 تکمیلی دور
10.6.3 عروج وکمال کا دور
10.6.4 مرابطین اور موحدین کا دور
10.6.5 حکومت غرناطہ کا زمانہ
10.6.6 مجموعی نظر
10.6.7 اندلسی مدح گوئی کے امتیازات اور شعرا کے طبقات
10.6.8 اندلسی مدحیہ شاعری میں نعت رسول
10.7 اکتسابی نتائج
10.8 امتحانی سوالات کے نمونے
10.9 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

10.1 تمہید

غزل کے معنی محبوب سے باتیں کرنا، اظہار عشق کرنا، جدائی کا شکوہ کرنا ہے۔ غزل شاعری کا ایک ایسا فن ہے، جس میں شاعر معشوق کے لیے اپنے احساسات و جذبات کو شعری پیراہن عطا کرتا ہے۔ شاعر وجدانی کیفیت میں ڈوب کر، اپنے جذبات کی تپش میں جلتے ہوئے، جو اشعار قلم بند کرتا ہے، انھیں غزل کہتے ہیں۔ ان اشعار میں ایسی دلفریبی ہوتی ہے کہ قاری یا سامع اس میں کھو جاتا ہے اور اسے تلذذ کا احساس ہوتا ہے۔

عربی میں فنی طور پر، غزل، ایک ایسا غنائی قصیدہ ہے، جس میں قصیدے کے تمام لوازمات موجود ہوتے ہیں۔ ان لوازمات کی پاسداری کرتے ہوئے، شاعر اپنے مقصد گفتگو سے انحراف نہیں کرتا ہے۔ غزل ایک ایسا قصیدہ ہوتی ہے، جس میں شاعر اپنے محبوب سے جڑی یادوں پر آنسو بہاتا ہے۔ محبوب کے عادات و اطوار، اس کے حسن خلقت، اس کی امارت و خوش حالی، خاندانی جاہ و مرتبت، یہ سب شاعر کا موضوع گفتگو ہوتے ہیں۔ ان چیزوں کا شاعر کی ذات پر کیا اثر ہوتا ہے؟ اسی کا شعری اظہار غزل کا دوسرا نام ہے۔ محبوب کا روٹھنا، مان جانا، محبوب سے چھیڑ چھاڑ، محبوب کی طعن و تشنیع، عربی غزل ان سب کا احاطہ کرتی ہے۔ عربی غزل شاعری کی ایک ایسی مکمل صنف ہے، جس میں کسی شاعر کے حسی ادراک کی کیفیت گویا موسیقی کے دوش پر نغمہ سرا ہوتی ہے۔ چونکہ عربی غزل ایک غنائی قصیدہ ہوتی ہے، اس لیے اس کے اشعار کی تعداد کا کوئی حصر موجود نہیں ہے۔ کبھی کبھی کوئی شاعر مختصر قصیدہ کہتا ہے اور کبھی پچاس ساٹھ اشعار تک کا طویل قصیدہ ہو جاتا ہے۔ اردو یا دوسری زبانوں کی غزل سے عربی غزل اس معنی میں مختلف ہوتی ہے کہ یہ ایک مکمل قصیدہ ہوتی ہے، نہ کہ ایک "وحشی صنف سخن"، جس کا ہر شعر معنوی طور پر ایک آزاد جہان کی سیر کراتا ہے۔ عربی غزل کا جہاں ایک مکمل جہاں ہوتا ہے، جس میں شاعر اسی کی تلاش میں یا اسی کو برتنے میں لگا رہتا ہے۔ نئے جہانوں کی کھوج عربی کا غزل گو شاعر نہیں کرتا ہے، جب کہ معاصر اردو غزل کا شاعر نئے موضوعات کی طرف اشارہ کرتا ہے، گویا قصیدہ کی صف میں صرف عربی غزل کو شامل کیا جا سکتا ہے۔

10.2 مقصد

اس سبق میں آپ مندرجہ ذیل باتوں کو جانیں گے:

- ☆ غزل کی تعریف و اقسام اور مختلف ادوار میں اس کا ارتقا۔
- ☆ اندلس میں غزل کی تاریخ اور اندلسی غزل کی خصوصیات۔
- ☆ مشہور اندلسی غزل گو شعرا کا مختصر جائزہ۔
- ☆ فن مدح گوئی کی لغوی و اصطلاحی تعریف، اندلس میں مدحیہ شاعری کا عروج و ارتقا اور مدحیہ شاعری کی امتیازات و خصوصیات۔

10.3 عربی غزل اور جاہلی شاعری

عربی میں غزل کے واضح نقوش ہمیں زمانۂ جاہلیت کی شاعری میں نظر آتے ہیں، وہ شاعری جسے عربی ادب کے ذخیرے میں آج بھی سرمایۂ افتخار کی حیثیت حاصل ہے۔ مہلہل کے فن قصیدہ گوئی کی ابتدا کرنے کے بعد جو پہلا رواج زمانۂ جاہلیت کے شعرا کے یہاں نظر آتا ہے، وہ غزلیہ اشعار سے قصیدے کی شروعات ہے، جنہیں عربی اصطلاح میں تشبیب کہا جاتا ہے۔ معلقات کے مجموعے پر نگاہ ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ہر قصیدہ غزلیہ اشعار سے ہی شروع ہوتا ہے۔ محبوبہ کی پرانی جائے قیام، جہاں سے اس کا قبیلہ کوچ کر چکا ہوتا ہے اور اس کے نشانات پر آنسو

بہانے سے قصیدہ شروع ہوتا ہے، پھر شاعر فلیش بیک (Flash back) میں گزرے دنوں کی یادیں تازہ کرتا ہے۔محبوبہ کی خوب صورتی اس کا موضوع بنتی ہے، پھر وہ اس کے کردار واخلاق، خاندانی شرافت ومرتبہ پر اشعار کہتا ہے۔جاہلی شعرا کے یہاں عام طور پر اس کا التزام تھا کہ محبوبہ اس کی اپنی بیوی ہوا کرتی تھی، جس کا وہ باقاعدہ نام لے کر تشبیب کرتا تھا۔غالبا امرؤالقیس ایسا پہلا شخص تھا جس نے اس روایت سے انحراف کیا اور ایسی خواتین کو موضوع گفتگو بنایا، جن سے اس کا ازدواجی رشتہ نہ تھا۔

زمانہ جاہلیت کے غزل گو شعرا کے یہاں غزل کی دونوں دھارائیں (عذری اور اباحی) موجود تھیں۔امرؤالقیس کو اباحی غزل میں، تو صعلوک شاعر الشنفری کو عذری غزل میں بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔

عربی غزل اسلام کی آمد کے بعد:

اسلام کی آمد کے بعد عربی غزل بظاہر تھوڑی کمزور ہوگئی، کیونکہ اسلام جس معاشرت کے قیام کے لیے آیا تھا، اس میں لہوولعب کی گنجائش تو تھی، لیکن کچھ اصولوں کے ساتھ، اس لیے غزل کی وہ شکل جو زمانۂ جاہلیت میں تھی، کمزور پڑ گئی۔پھر بھی غزل کے کچھ اہم شعرا ہیں۔اس سلسلے میں ابو المحجن الثقفی اور ابوصخر ہذلی کا نام لیا جا سکتا ہے۔

غزل اموی دور میں:

اموی دور میں غزل کا فن دوبارہ پروان چڑھنے لگتا ہے، جیسا کہ شاعری کی دوسری اصناف میں ہوا ہے۔غزل کی دو واضح جہتیں اسی زمانے میں رواج پاتی ہیں، جنہیں اباحی اور عذری کہا جاتا ہے۔

عذری غزل:

عذری غزل بنوعذرہ اور بنوعامر میں پروان چڑھی۔یہ غزل خالص اور پاکیزہ محبت کی فنی اور شعری تعبیر ہے۔اس میں عفت وطہارت کے بنیادی عنصر کے ساتھ ساتھ جذبات کی حدت ہوتی ہے۔شکری فیصل نے ان الفاظ میں اسے بیان کیا ہے:

"الغزل العُذري هُو المَظْهَرُ الْفَنِيُّ لِلْعَوَاطِفِ الْمُتَعَفِّفَةِ وَ الْمُلْتَهِبَةِ فِي آنٍ مَعًا" (شکری فیصل:ص:237)۔

عذری غزل میں جمیل بثینہ اور کثیر عزہ کی مثال پیش کی جا سکتی ہے، جن کی محبوبہ پاک دامن ہے، حسن اخلاق جس کا شعار ہے، عذری غزل میں عام طور پر اسلوب ندا کا استعمال ہوتا ہے۔

اباحی غزل:

اس غزل کو صریح، حسی، یا حضری بھی کہا جاتا ہے۔غزل کی یہ قسم محبوب کے ظاہری حسن پر زور دیتی ہے۔اس میں شاعر کی کئی محبوبہ ہوتی ہیں۔یہ غزل "دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی" کا مظہر ہوتی ہے۔واضح لفظوں میں محبوبہ بھی محبوب کے ساتھ اظہار عشق کرتی نظر آتی ہے۔عمر بن ابوربیعہ اباحی غزل کا سرخیل مانا جاتا ہے۔

تقلیدی غزل:

جاہلی دور کی ایسی غزل کی طرح ہے جس میں کھنڈرات پر توقف کرنے، وہاں ٹھہر کر اپنی پرانی یادوں کو تازہ کرنے اور ان پر آنسو بہانے کا

تذکرہ ہو۔ایسی غزل کو تشبیب کہا جاسکتا ہے۔جریر، اخطل، فرزدق جیسے شعرا کے یہاں یہ غزل پائی جاتی ہے۔

10.4 اندلسی غزل

10.4.1 اندلسی غزل کا تعارف

غزل کے اس تعارف کے تناظر میں، اگر ہم اندلسی غزل کا جائزہ لیں تو اندلس میں، ہمیں یہ تینوں اقسام نظر آتی ہیں۔

اندلس میں مسلمانوں کا تقریباً آٹھ سوسالہ دورِ حکمرانی مختلف میدانوں میں مثالی اور قائدانہ رہا ہے۔اندلس کے ماہرین فنون نے ادب و سائنس کے جملہ اقسام میں انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ جہاں تک عربی شاعری کی بات ہے، یہ مسلمانوں کی آمد کے ساتھ ہی شروع ہوگئی تھی۔ آٹھویں صدی عیسوی کی ابتدا ہی میں مسلمان اندلس پہنچ گئے تھے۔بعض نئی تحقیقات کے مطابق 27ھ میں ہی مسلمان اندلس پہنچ چکے تھے۔چونکہ یہ مسلمان عرب تھے، اس لیے وہ اپنے ساتھ اپنی تہذیب وثقافت بھی لائے تھے۔سیاسی استحکام کے ساتھ ہی عربوں نے اپنے جذبات کو شعری قالب عطا کرنا شروع کر دیا تھا۔مؤرخین ادب عبدالرحمن الداخل سے اس کی ابتدا مانتے ہیں، لیکن عرب، عبدالرحمن الداخل سے پہلے وہاں جا بسے تھے، اس لیے گمان غالب ہے کہ اندلس میں عبدالرحمن الداخل سے پہلے بھی عربی شاعری کا وجود رہا ہوگا، جس پر وقت کی دبیز تہ پڑ گئی۔

اندلس میں عربی غزل ہمیں شروع میں بالکل اسی نہج پر دکھائی دیتی ہے، جو نہج عالم عرب میں رائج تھا۔ پھر وقت کے سفر کے ساتھ غزل کا رنگ وآہنگ بدلا اور اس کے موضوعات میں تنوع پیدا ہوا۔اس کی غالب وجہ ایسے شعرا کا سامنے آنا ہے، جن کی پرداخت عرب کے بادیہ میں نہ ہو کر اندلس کے مرغزاروں میں ہوئی تھی۔

اندلس کی آٹھ سوسالہ ادبی تاریخ میں غزل کا بہت نمایاں حصہ ہے۔اس درمیان غزل ایسی صنف سخن بن کر سامنے آئی ہے، جس نے شعرا کو سب سے زیادہ اپنی طرف متوجہ کیا۔مختلف سیاسی اور سماجی اسباب کی بنا پر یہ صنف شاعری دیارِ عرب میں پروان چڑھی شاعری سے کسی طور پر ہیچ نہیں ہے۔اندلس میں جو ثروت اور جو رنگینیاں تھیں اور جس قسم کی مجالس اور مشاعرے تھے، وہ شعرا کو اس صنف میں طبع آزمائی پر مجبور کرتے تھے۔ پھر شعرا کو حکمرانوں اور اہل ثروت کی سرپرستی بھی حاصل تھی، اس لیے انھیں فارغ البالی کا احساس تھا، بلا شبہ معاشی فارغ البالی کا احساس جو ایسی شاعری میں بنیادی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔امویوں کے عہد حکومت سے زیادہ، غزل عہد طوائف الملوکی میں پروان چڑھی۔اس کی واضح وجہ بجز اس کے اور کیا ہوسکتی ہے اور جیسا کہ ایک مؤرخ ادب نے لکھا بھی ہے کہ اندلس ایک نہ ہو کر کئی اندلس میں تقسیم ہو گیا تھا اور تمام علاقوں کے حکمرانوں میں مقابلہ آرائی کی ایک کیفیت پیدا ہوگئی تھی۔وہ شعرا کی سرپرستی بھی اسی مقابلہ آرائی کی وجہ سے کرتے تھے، چنانچہ غزل خوب پروان چڑھی۔

10.4.2 اندلسی غزل کی خصوصیات

اندلس میں غزل اسی انداز سے آگے بڑھی، جیسا کہ عالم عرب میں تھا، لیکن کچھ صفات ایسی ہیں جو اندلسی غزل کو عالم عرب کی غزل سے قدرے مختلف بناتی ہیں۔غزل کی تینوں صورتیں (عذری، اباحی اور تقلیدی) تو اندلس میں موجود ہیں، لیکن متعدد عوامل کی وجہ سے اندلسی غزل کے کچھ امتیازات ایسے ہیں، جن سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔

پہلا واضح فرق جو اندلسی غزل میں نظر آتا ہے، وہ بیانیہ کا ہے۔ اندلسی غزل میں ٹیلوں (اطلال) پر گریہ وزاری تو ہے،لیکن اندلسی شاعر میں اطلال، جامد (Static) نہ ہوکر دوسرے معانی میں مستعمل ہوتے ہیں۔ گویا اندلسی غزل گوشاعر فطرت کے ان مناظر کو، جو اس نے اندلس میں دیکھے، ان کو عرب کی غزل کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا چاہتا ہے اور اس میں وہ پرواز تخیل سے کام لے کر خالص نئی شعری صورت پیدا کر دیتا ہے۔ اندلس کی غزلیہ شاعری نے فطری مناظر سے متاثر ہوکر جو نیا انداز اختیار کیا ہے، وہ اندلسی غزل کو بالکل الگ صورت عطا کرتا ہے۔ ان فطری مناظر کو شعری پیراہن عطا کرنے کے لیے ضروری تھا کہ زبان اور طرز ادا دونوں میں وسعت پیدا ہو، چنانچہ اندلسی شعرا نے غزل کا مضمون باندھنے میں نئی نئی تشبیہات اور نئے نئے استعاروں سے کام لیا ہے اور غزل کے دامن کو نئے نئے گل بوٹوں اور کشیدہ کاری سے آراستہ کیا ہے۔

ایک مشہور غزل گوشاعر (ابوالربیع سلیمان الموحدی) کہتا ہے:

أقول لركبٍ أدلجُوا بسحيرة — قِفُوا ساعةً حتى أزورَ ركابَها
وأملأَ عيني من محاسن وجهها — و أشكو إليها أن أطالت عتابها
فإن هي جادت بالوصال و أنعمت — وإلا فحسبي أن رأيت قبابها

پھر ایک اور شاعر ابوحفص عمرو بن عمرو اغماتی کہتا ہے:

هم نظرُوا لواحِظَها فهاموا — وتشرَبُ عقلَ شاربِها المُدَامُ
يخافُ الناسُ مقلتَها سواها — أيذعرُ قلبَ حاملِه الحُسامُ
سما طرفي إليها وهو باكٍ — وتحت الشمس ينسَكِبُ الغَمَامُ
و أذكُر قدَّهَا فأنُوحُ شوقًا — على الأغصان تنتَدِبُ الحَمَامُ
وأعقب بينها في الصدر غمًّا — إذا غربت ذكاءُ أتى الظلامُ

یا پھر ایک شاعرہ ام الکرم/ ام الکرام بنت المعتصم بن صمادح کے درج ذیل ابیات (موشحہ):

يا معشر الناس ألا فاعجبوا — مما جنته لوعةُ الحب
لولاه لم ينزل ببدر الدجى — من أفقه العلوي للترب
حسبي بمن أهواه لو أنه — فارقني تابعه قلبي

غزل کے ان اشعار پر غور کیجیے تو واضح ہو جائے گا کہ کس طرح انوکھے معانی اور نئی طرز ادا سے یہ اشعار عبارت ہیں۔ آسان الفاظ میں معانی کی ادائیگی ان اشعار کا حسن ہے۔

اندلسی غزل میں ایک اور رجحان، جو پیدا ہوا، وہ، محبوب کا، محبوبہ کی جگہ آ جانا ہے۔ جس طریقے سے مشرق میں عہد عباسی میں محبوبہ کی جگہ محبوب نے لے لی، اسی طریقے پر اندلس کا غزل گوشاعر بھی چلتا دکھائی دیتا ہے۔ اندلسی غزل میں یہ تبدیلی ہمیں ان اسباب کی بنا پر دکھائی دیتی ہے، جو مشرق میں بھی تھے، دولت کی ریل پیل اور پرتعیش زندگی ذہنوں کو نئے زاویوں پر مرکوز کرتی ہے۔ شعری تجربات بھی اسی سے عبارت ہوتے ہیں،

اس لیے موضوع سخن بھی بدل جاتا ہے۔

اندلسی غزل کا ایک اور نمایاں پہلو، خواتین کا اس میدان میں مردوں کے شانہ بہ شانہ چلنا ہے۔ غزل کی تمام جہات میں انہوں نے اپنی شناخت چھوڑی ہے۔ تاریخ ادب میں ایسی بہت سی خواتین کا نام آتا ہے، جنہوں نے غزل کے میدان میں اپنی شناخت کو مستحکم کیا ہے۔ عذری اور اباحی دونوں طرح کی غزل خواتین کے تجربے میں شامل ہیں۔ مشرق میں ہمیں خاتون شعرا تو نظر آتی ہیں لیکن اندلسی خاتون شعرا کی طرح انہوں نے اپنی شاعری میں ان مضامین کو جگہ کم دی ہے، جو کہ معاشرتی اقدار کے منافی تصور کیے جاتے رہے ہیں۔ اباحی غزل میں اندلسی خاتون شعرا کا حصہ اسی حقیقت کا غماز ہے۔

اندلسی غزل کی خصوصیات کو اگر مختصرا بیان کیا جائے تو یہ کہنا کافی ہوگا کہ اندلس کی غزل ایک آزاد معاشرے کی پروردہ ہے، اس لیے اس میں بہت سی باتیں ایسی آ گئی ہیں جو ایک آزاد معاشرے کا جز و لاینفک ہوتی ہیں۔

10.4.3 اندلسی غزل کے ادوار

اندلسی غزل کو ہم تین ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ اس کی ضرورت اس لیے پڑتی ہے کیونکہ غزل کا تقریبا آٹھ صدیوں کا سفر کسی ایک محور پر متمکن نہ ہو کر اپنی صورت میں تبدیلی پیدا کرتا رہا ہے۔

10.4.3.1 پہلا دور

اندلسی غزل کا پہلا دور فتح اندلس سے لے کر پانچویں صدی ہجری کے اوائل تک محیط ہے۔ اس دور میں مشرق کی نقالی پر شعرائے غزل کا زور زیادہ ہے۔ عرب سے ہجرت کر کے آنے والوں نے اپنی تہذیب و ثقافت کو رائج کرنے کی غرض سے اسی انداز بیان کو اپنایا جو مشرق میں رائج تھا۔ گویا ایک طریقے سے یہ ان کے اندر مشرق سے یا اپنی اصلی سرزمین سے وابستگی کا اظہار تھا اور اظہار وابستگی کے ساتھ ساتھ تقلید مشرق بھی۔ مشرق کی اقتدا کی چھاپ ہمیں ابن عبدربہ القرطبی، ابن ہانی الاندلسی، ابن شھید الاشجعی القرطبی اور ابن دراج القسطلی وغیرہ کی غزل میں زیادہ نظر آتی ہے۔

10.4.3.2 دوسرا دور

اندلسی غزل کا دوسرا دور مشرق اور مغرب کے امتزاج کا دور ہے، جو پانچویں صدی ہجری میں نمایاں صورت میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ اموی حکومت کے بکھرنے کے بعد معاشرے کا وہ تانہ بانہ، جو مشرق کی نقل پر مرتکز تھا، منتشر ہو جانے اور نئی نئی حکومتیں قائم ہو جانے کے بعد، غزل گو شعرا کو نئے تجربات کرنے کا موقع ملا۔ یا یہ کہا جائے کہ اس بکھراؤ کی صورت میں جو آزادی میسر آئی تھی، شعرا نے اسے موقع غنیمت جانا۔ چنانچہ غزل کا اسلوب ان کے یہاں بدل گیا، زبان کی صورت بدلنے لگی، مقامی اصطلاحات رائج ہونے لگیں۔ ایسے غزل گو شعرا میں ابن زیدون، ابن عمار، ابن عباد، ابن حداد وغیرہ کا نام لیا جا سکتا ہے۔

10.4.3.3 تیسرا دور

چھٹی صدی ہجری اور اس کے بعد غزل گو شعرا کا ایک نیا روپ نظر آتا ہے۔ اس عرصے میں انہوں نے اندلسی غزل کی ایک نئی شناخت قائم کی۔ چھٹی صدی ہجری اور اس کے بعد کی اندلسی غزل مشرق کی غزل سے بالکل مختلف دکھائی دیتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اندلسی شاعری ایک

الگ شناخت قائم کر رہی ہے اور لباس کہن کو ترک کر کے ایک نئے، منفرد، دیدہ زیب اور دل کش پیراہن سے آراستہ و پیراستہ ہو رہی ہے۔اس جدید غزل کو گویائی عطا کرنے اور زبان دینے والے شعرا میں ابن حمدیس الصقلی، ابن عبدون الفہری، ابن خفاجہ البلنسی اور ابن سہل الاشبیلی وغیرہ کا نام لیا جا سکتا ہے۔

حاصل کلام:

اندلسی غزل کے اس پورے سفر کو اگر دیکھا جائے تو مختصرا یہ کہا جا سکتا ہے کہ شعرائے اندلس کی غزل،غریب اور بھاری بھرکم الفاظ سے عاری، معانی و مفاہیم میں ربط لیے ہوئے، دقیق استعارات سے متصف اور تخیل کی بلند پروازی کی حامل ہے،جس میں نئی فکری جہتیں ہیں،مبالغہ کم اور بحریں مختصر ہیں۔ان سب کا مقصد صرف یہ ہے کہ غزل اس زندگی کا ساتھ دے سکے، جو فطرت کے قریب تھی،نغمگی سے بھرپور اور خوش حالی کے مستانہ ساز سے ہم کنار۔

10.4.4 اندلسی غزل پر المقری کا تبصرہ

اندلسی تاریخ و ادب پر نفح الطیب جیسی عظیم اور گراں قدر تالیف کے صاحب نظر مصنف نے اندلسی غزل پر جو لکھا ہے،اس کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔المقری کا کہنا ہے:

"وَأَنَّهُمْ إِذَا تَغَزَّلُوْا، صَاغُوْا مِنَ الْوَرْدِ خُدُوْدًا، وَمِنَ النَّرجِسِ عُيُونًا، وَمِنَ الآسِ أَصدَاغًا، وَمِنَ السَّفَرْجَلِ نُهُودًا، وَمِنْ قَصَبِ السُّكَّرِ قُدُودًا، وَمِنْ قُلُوبِ اللَّوْزِ وَسُرُرِ التُّفَاحِ مُبَاسِمَ وَمِنْ ابْنَةِ الْعِنَبِ رُضَابًا"۔

اندلسی غزل پر المقری کا یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ اندلسی غزل فطرت کا بیانیہ ہے۔

10.4.5 اندلس کے غزل گو شعرا

اندلسی غزل کو اس کے مختلف ادوار میں شان عطا کرنے والے شعرا مندرجہ ذیل ہیں:

عبدالرحمن اوسط، ابن عبدربہ، الرمادی، ابن ہانی، ابن دراج، ابن خفاجہ، ابن باجہ، ابن طفیل اور ابن خطیب

اندلسی غزل کے فروغ میں خواتین کا بھی اہم کردار رہا۔ان خواتین شعرا میں مندرجہ ذیل اسما قابل ذکر ہیں:

بثینہ بنت المعتمد بن عباد (العبادیہ)، اعتماد الرمیکیہ (المعتمد بن عباد کی زوجہ)، غایۃ المنی، ام الکرم، ولادہ بنت المستکفی، حفصہ بنت حمدون، حمدہ بنت زیاد (معروف بہ حمدہ بنت المؤدب، لقب: خنساء المغرب) اور نزھون الغرناطیہ

10.4.6 اندلس کا نمائندہ قصیدہ

اندلسی غزل کے نمائندہ قصیدے کے طور پر ابن زیدون کے قصیدہ نونیہ کو پیش کیا جا سکتا ہے۔یہ قصیدہ نہ صرف یہ کہ ابن زیدون کا سب سے مشہور قصیدہ ہے، بلکہ فراق اور جدائی کے موضوع پر عربی ادب کے ذخیرے میں اس کی نمایاں حیثیت مسلم ہے۔ابن زیدون نے اپنے اس قصیدے کو ولادہ بنت المستکفی سے فراق پر لکھا تھا۔اس غزلیہ قصیدے کے ابتدائی چند اشعار حسب ذیل ہیں:

أَضحى التَنائي بَديلاً مِن تَدانينا وَنابَ عَن طيبِ لُقيانا تَجافينا

أَلَا وَقَد حانَ صُبحُ البَينِ صَبَّحَنا — حَينٌ فَقامَ بِنا لِلحَينِ ناعينا
مَن مُبلِغُ المُلبِسينا بِانتِزاحِهِمُ — حُزناً مَعَ الدَهرِ لا يَبلى وَيُبلينا
أَنَّ الزَمانَ الَّذي مازالَ يُضحِكُنا — أُنساً بِقُربِهِمُ قَد عادَ يُبكينا
غيظَ العِدا مِن تَساقينا الهَوى فَدَعَوا — بِأَن نَغَصَّ فَقالَ الدَهرُ آمينا
فَاِنحَلَّ ما كانَ مَعقوداً بِأَنفُسِنا — وَاِنبَتَّ ما كانَ مَوصولاً بِأَيدينا
وَقَد نَكونُ وَما يُخشى تَفَرُّقُنا — فَاليَومَ نَحنُ وَما يُرجى تَلاقينا

اکیاون (51) اشعار پر مشتمل یہ غزلیہ قصیدہ، عربی غزل کی نمایاں اور منفرد مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔

10.5 مدح گوئی کا تاریخی پس منظر

10.5.1 مدیح: لغوی اور اصطلاحی تعریف

م، د، ح، کے مادے سے لفظ مدیح بنا ہے، جس کے مفہوم میں کسی کی تعریف و توصیف، اس کے کمالات کی وضاحت اور اس کے حسن خلق کی تصویر کشی شامل ہے۔ ابن منظور کے مطابق مدح ہجو کی ضد ہے۔ اصطلاح میں 'مدیح' کسی ایسے شعری غنائی قصیدے کو کہا جاتا ہے، جس میں محبوب کا سراپا، شاعر کی نگاہ میں ایک مثالی تصویر کے طور پر سامنے آتا ہے۔ شیریں الفاظ اور ٹھوس بندشوں میں شاعر اپنے ممدوح کی ایسی لفظی تصویر بناتا ہے، جو قاری کے دل پر بہت دیر تک اثر انداز رہتی ہے۔ قصیدہ گو ایسے قصیدے میں نیاز آگیں رہتا ہے اور ممدوح گویا ایسا محبوب ہوتا ہے، جس کے اندر ظاہری اور باطنی دونوں اچھائیاں موجود ہوتی ہیں۔ عام معاشرتی تصورات میں جن اچھائیوں کو کمیاب گردانا جاتا ہے، ممدوح ان سے متصف ہوتا ہے۔ مدحیہ شاعری میں گو کہ تاریخ نویسی مقصود نظر نہیں ہوتی ہے لیکن اس شعری سفر اور پیکر تراشی میں شاعر کی زبان سے ایک تاریخ رقم ہوتی جاتی ہے۔ جہاں ایک طرف شعری تصورات، شاعر کے کمال فہم اور دقت ذوق کا اظہار ہوتا ہے، وہیں دوسری طرف عام معاشرتی اقدار سے بالاتر مدحیہ قصیدے میں ایک ایسی شخصیت کی تکوین ہوتی ہے، جو حال اور مستقبل کے لیے منارۂ نور ثابت ہوتی ہے۔ اسی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ایک عرب مفکر نے لکھا ہے: **"إن المديح هو من الثناء والإكبار والاحترام، قام بين فنون الأدب مقام السجل الشعري لجوانب من حياتنا التاريخية"(سامي الدهان، مقدمه كتاب فنون الأدب العربي، دار المعارف، ص: 50)**۔ عربوں کی شاعری کو دیوان العرب کہا جاتا ہے۔ مدحیہ شاعری بھی اسی دیوان العرب کا تکملہ ہے۔

10.5.2 مدح گوئی کی ابتدا

عربی ادب کی تاریخ میں کوئی باقاعدہ ایسا لفظ نہیں ہے، جسے مدحیہ شاعری کا آغاز قرار دیا جا سکے۔ زمانۂ جاہلیت کے شعری ذخیرے میں مدحیہ قصائد کثرت سے موجود ہیں، لیکن اتنی پختہ شکل میں ہیں کہ عقل کہتی ہے کہ مدحیہ شاعری کا سفر اس سے بہت پہلے شروع ہوا ہوگا۔ شروع کے مدحیہ قصائد پر وقت کی گرد پڑ گئی ہوگی اور مؤرخ ہمارے لیے اس کو محفوظ نہ کر سکا ہوگا۔ عربی کے بعض اہل نظر کے خیال میں 'مدح' عربی شاعری میں

دوسری اصناف کے بالمقابل بعد میں پیدا ہوئی، ڈاکٹر بدوی نے أسس النقد الأدبي میں اسی رائے کا اظہار کیا ہے، جب کہ ایک طبقے کا ماننا ہے کہ مدح شاعری کی قدیم ترین صنف ہے، کیونکہ انسانی معاشرت میں ایسے عوامل، جن کی وجہ سے کوئی شاعر مدحیہ کلام کہتا ہے، شروع سے موجود رہے ہیں۔ان عوامل میں مافوق الفطرت قوتوں کا تصور بھی شامل ہے، جو شروع سے عرب معاشرے میں بھی رہا ہے۔ یقیناً شعرا نے ان قوتوں کی مدح کی ہوگی، یہ الگ بات ہے کہ وہ نمونہ کلام محفوظ نہ رہ سکا۔

مدح کی ابتدائی صورت پر اس گفتگو کے باوجود، اس امر سے اختلاف کی قطعی گنجائش نہیں ہے کہ ایک الگ اور آزاد شکل میں مدحیہ قصائد کا وجود دوسری اصناف سخن کے معرض وجود میں آنے کے بعد ہوا ہے۔ غزلیہ قصائد اور فخریہ قصائد میں مدح شامل رہی ہے، جیسا کہ ادب کے ابتدائی ذخیرے پر نگاہ ڈالنے سے پتہ چلتا ہے۔ یہی اس کے وجود کی ابتدا کہی جا سکتی ہے، ورنہ بطور ایک آزاد صنف سخن، مدح کی شناخت بعد کی ہے۔

10.5.3 مدح اور جاہلی شاعری

زمانۂ جاہلیت کے شعری ذخیرے میں یہ صنف موجود ہے۔ مدحیہ قصائد کی دو واضح جہتیں زمانۂ جاہلیت میں نظر آتی ہیں۔ شعرا میں ایک گروپ ایسا ہے، جو قلب کی گہرائی سے، جذبۂ انسانی کے ہاتھوں مجبور ہو کر، ممدوح کی تعریف کرتا نظر آتا ہے، جب کہ ایک دوسرے طبقے کا مقصد اس شعری صنف کو کسب کا ذریعہ بنانا ہے۔ اول الذکر گروپ میں زہیر بن ابوسلمی اور امرؤالقیس کا نام لیا جا سکتا ہے۔ زہیر بن ابوسلمی نے اپنے مشہور معلقہ میں ہرم بن سنان کی جو تعریف کی ہے، یا امرؤالقیس نے بنوتمیم کی، جنہوں نے اسے پناہ دی تھی، جو مدح کی ہے، وہ اسی شعری جذبے سے عبارت ہے، جس میں صداقت بنیادی خاصہ ہوتی ہے۔ جذبے کی صداقت سے مجبور ہو کر، جب شاعر ممدوح کی تعریف کرتا ہے، تو شعری پیغام کی ترسیل اور تاثیر عمدہ طریقے سے ہوتی ہے۔ دوسرے طبقے میں اعشی اور نابغہ جیسے شعرا کا نام لیا جا سکتا ہے، جن کے مدحیہ قصائد ایک خاص مقصد، یعنی کسب کی نیت سے کہے گئے ہیں، اسی لیے تاثیر و تاثر میں ان کے مدحیہ قصائد کو وہ درجہ نہیں دیا جا سکتا ہے، جو پہلے گروپ کے شعرا کا ہے۔

10.5.3.1 مدح صدر اسلام میں

صدر اسلام میں چونکہ اسلام نے زندگی کی تمام جہات پر اثر ڈالا، اس لیے مدحیہ قصائد کی صورت میں تبدیلی پیدا ہوئی۔ اسلام کی تعلیمات میں کذب کی گنجائش بالکل نہ تھی اور اسلام اعلی انسانی اخلاق کا داعی تھا، اس لیے جو مدحیہ شاعری صدر اسلام میں وجود پذیر ہوئی، اس میں صدق کا عنصر بنیادی محور تھا۔ چنانچہ مدح نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں حسان اور کعب کے قصائد کو اسی ضمن میں رکھا جا سکتا ہے، بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مدیح میں، مدیح نبوی یعنی نعتیہ شاعری ایک آزاد حیثیت سے اس عہد میں سامنے آئی، جو ادبیات عربی میں گراں قدر اضافے کی حیثیت رکھتی ہے۔

10.5.3.2 مدح اموی دور میں

عہد بنوامیہ میں اسلام کی تعلیمات کا قدرے انحطاط ہوا۔ سیاسی جنگوں، مختلف فرقوں کے پیدا ہونے اور دربار کے وجود میں آنے کی وجہ سے شعرا میں سیاسی صف بندی ہوگئی، جس کا اثر مدحیہ شاعری میں بھی نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ صدر اسلام میں صداقت کا جو عنصر بنیادی حیثیت رکھتا تھا، اس میں تبدیلی رونما ہوگئی۔ الگ الگ مقاصد سے شعرا نے قصائد کہنا شروع کر دیے، لیکن اس کا فائدہ یہ ہوا کہ کثرت سے مدحیہ قصائد کہے گئے، بلکہ ایک آزاد صنف کے طور پر جس کی پیدائش صدر اسلام میں ہو چکی تھی، وہ صنف عہد امیہ میں جوان ہوگئی۔ جریر، اخطل اور فرزدق جیسے نمائندہ

شعرانے اس میں نمایاں طور پر حصہ لیا۔

10.5.3.3 مدحیہ شاعری کے لوازمات

ابتدائی مدحیہ قصائد میں کوئی باضابطہ اصول نظر نہیں آتا، بلکہ دیگر اصناف سخن کی طرح یہ صنف بھی دھیرے دھیرے پروان چڑھی، پھر کچھ ایسے اصول سامنے آتے گئے، جن کی پیروی ہر مدحیہ قصیدے میں لازمی عنصر بن گئی۔ ابتدائی مدحیہ قصائد میں جذبات کی صداقت اور شعری تجربے کی شفافیت پر زیادہ زور نظر آتا ہے۔ قدامہ بن جعفر کے خیال میں، مدحیہ قصائد میں، ممدوح کی اندرونی صفات یا دوسرے لفظوں میں ایسی صفات کو موضوع سخن بنایا جاتا ہے، جو ممدوح کی نفسیاتی کیفیت کو آشکارا کرتی ہیں۔ خالص بنیادی انسانی صفات مثلاً عقل وشجاعت، عدل وعفت وغیرہ کو، کوئی شاعر کسی ممدوح کے اندر تلاش کر کے اپنا شعری مضمون قلم بند کرتا تھا، بعد میں دیگر انسانی صفات مثلاً قناعت، صبر اور فیاضی وغیرہ موضوعات بھی آ گئے۔ گویا شاعر ممدوح کی ان باطنی خوبیوں کی تلاش کرتا تھا، جو کسی بہتر انسان کے اندر بدرجہ اتم موجود ہوتی ہیں۔ ابن رشیق نے اس موضوع کو وسعت دیتے ہوئے، قدامہ بن جعفر سے قدرے اختلاف کیا ہے۔ ابن رشیق کے خیال میں ممدوح کا ظاہری خدوخال بھی موضوع مدح ہوسکتا ہے مثلاً خوب صورتی یا پھر حسن اخلاق یا اس کی مال داری۔ گویا مدح میں کوئی شاعر ممدوح کی ہر اس چیز پر گفتگو کرسکتا ہے، جو اس کے نزدیک باعث مدح ہو۔ اس طرح سے مدح کا دامن وسیع تر ہوتا چلا گیا، شعرانے ہر اس خوبی کو اپنے کلام میں جگہ دے دی، جو ان کے نزدیک ممدوح کے لیے باعث توصیف ہوسکتی تھی۔

جہاں تک مدحیہ شاعری کے لسانی اسلوب کا تعلق ہے تو عام طور پر مدح گو شعرانے موضوع کی مناسبت سے ایسی زبان استعمال کی ہے جو ابتذال سے بالکل پاک ہوتی ہے کیونکہ ممدوح کی شخصیت کو مثالی بنا کر پیش کرنا اس کا مقصد ہوتا ہے اسی لیے شاعر ایسی زبان استعمال کرتا ہے، جو اظہار بیان کے مناسب ہوتی ہے، الفاظ بالکل صاف ستھرے ہوتے ہیں، بلکہ ٹھوس الفاظ ہوتے ہیں جن میں قاری مفہوم تک بڑی آسانی سے رسائی حاصل کر لیتا ہے۔

مدحیہ قصیدے کی ابتدا بھی عام قصائد کی طرح ہوتی ہے، بلکہ ایک قصیدے کے جتنے عناصر ترکیبی ہوتے ہیں، ان سب کی پیروی مدحیہ قصائد میں ہوتی ہے۔ مدحیہ قصائد نہ تو بہت طویل ہوتے ہیں نہ بہت مختصر۔

10.6 اندلس میں مدح گوئی

اندلس میں مسلمانوں کے تقریباً آٹھ سو سالہ دور حکمرانی میں جب سرکاری زبان عربی تھی اور اشرافیہ کے علاوہ عوام میں بھی عربی کو قبولیت حاصل ہو چکی تھی، شاعری کے تمام اصناف کا پروان چڑھنا ناگزیر تھا۔ چونکہ حکمرانوں کا تعلق عام طور پر عرب کی سرزمین سے تھا اس لیے ان کی طرف سے شعرا کی سرپرستی بھی ہوتی تھی۔ ان شعرانے مشرق کے اپنے معاصرین یا قدما کی پیروی کی، نہ صرف موضوعات میں بلکہ طریقۂ تعبیر بھی مشرق جیسا ہی تھا۔

عصر الوُلاۃ یعنی والیوں کے دور حکمرانی میں مدحیہ قصائد یا پھر شعری تجربات کی کوئی روداد تاریخ ادب کے صفحات میں محفوظ نہیں ہے۔ مؤرخین ادب عربی نے عام طور پر عبد الرحمن الداخل سے شعر گوئی کی ابتدا کو تسلیم کیا ہے، لیکن مدحیہ قصائد کی باقاعدہ شکل اس عہد میں بھی نظر نہیں آتی

ہے۔اس کی غالب وجہ یہ رہی ہوگی کہ عبدالرحمن الداخل کا زمانہ جہد مسلسل کا زمانہ تھا۔اندرونی اور بیرونی چیلنجز اور کشمکش کی مسلسل صورت حال کی وجہ سے عربوں کو غالباً ایسے حالات میسر نہ آسکے کہ وہ طویل قصائد کہہ سکیں یا اگر انہوں نے قصائد کہے بھی تو تاریخ انھیں محفوظ نہ کرسکی، اس لیے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل ہے کہ سرزمین اندلس میں پہلا مدحیہ قصیدہ کون سا تھا۔

10.6.1 ابتدائی دور

اموی حکومت کے استحکام کے بعد ہمیں عبدالرحمن اوسط اور اس کے پسر محمد کے زمانے میں مدحیہ قصائد مکمل شکل میں ملتے ہیں۔عبدالرحمن اوسط فنون لطیفہ کی سرپرستی کرتا تھا اور علم دوست تھا اس لیے اس کی شخصیت سے متاثر ہوکر مدحیہ قصائد کثرت سے لکھے جانے لگے۔

10.6.2 تکمیلی دور

شاعری کی یہ صنف یا مدحیہ قصائد ہمیں بھرپور شکل میں، عبدالرحمن الثالث کے زمانے میں نظر آتے ہیں۔عبدالرحمن الثالث تقریباً نصف صدی تک اندلس کا حکمراں رہا۔اس کے زمانے میں اندلسی ثقافت بہت پروان چڑھی اور مغرب میں قرطبہ، مشرق کے بغداد کا ہم پلہ یا اس سے سوا نظر آنے لگا۔شہر قرطبہ علم وتہذیب کا مرکز بن گیا۔چنانچہ شعرا نے اس کے دور حکمرانی کی خوبیوں سے متاثر ہوکر کثرت سے مدحیہ قصائد کہے۔چونکہ عبد الرحمن الثالث کی عیسائی حکمرانوں کے ساتھ معرکہ آرائیاں بھی جاری تھیں، اس لیے اس صورت حال نے بھی مدحیہ قصائد کے لیے فضا ہموار کی، بلکہ ایک طریقے سے مدحیہ قصائد کی ایسی زمین تیار کرڈالی جو بہت بارآور ثابت ہوئی کیونکہ عیسائی حکمرانوں سے جنگیں ایسے خاص مذہبی جذبے کو ہوا دیتی تھیں، جس سے متاثر ہوکر شاعر اپنے مدحیہ قصائد قلم بند کرتا تھا۔دوسرے لفظوں میں اگر کہیں تو کسی مدحیہ قصیدے کے کہنے کے لیے جو خارجی عناصر درکار ہوتے ہیں، وہ سب عبدالرحمن الثالث کے زمانے میں موجود تھے اس لیے مدحیہ قصائد کثرت سے کہے گئے، بلکہ شاعر اس صنف میں زمانۂ جاہلیت کے مؤرخ کے طور پر نظر آتا ہے، جو بادشاہ وقت کے متاثر کن کاموں کو شعری پیراہن عطا کرکے اس کی شخصیت کو سحر آگیں اور مثالی بنا دیتا ہے۔

10.6.3 عروج وکمال کا دور

اموی حکومت کے زوال کے بعد بلکہ اس سے قبل فتنہ کے دور سے لے کر مرابطین کی آمد تک مدحیہ قصائد کا ایک بے مثال زمانہ اندلسی ادب کی تاریخ میں نظر آتا ہے۔عہد ملوک الطوائف کو ہم مدحیہ قصائد کا اوج کمال کہہ سکتے ہیں۔اس زمانے میں شعرا، اس صنف میں کثرت سے طبع آزمائی کرتے نظر آتے ہیں۔اس کی غالب وجہ سیاسی تھی۔اندلس کی مرکزی حکومت متعدد چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں تقسیم ہوگئی تھی، قرطبہ کی مرکزیت ختم ہوگئی تھی، دوسرے شہر مثلاً اشبیلیہ، طلیطلہ وغیرہ چھوٹے چھوٹے مراکز کے طور پر ابھر آئے تھے، ہر جگہ بااثر لوگوں نے گروپ بنا کر اقتدار پر قبضہ کرلیا تھا، اپنے اقتدار کو جائز قرار دینے اور اپنی شخصیت کو مثالی بنانے کی غرض سے انہوں نے شعرا کی خوب سرپرستی کی اور شعرا نے بھی ان کو مایوس نہیں کیا، چنانچہ کثرت سے مدحیہ قصائد لکھے گئے۔شعرا میں بھی دونوں قسمیں موجود تھیں، ایک قسم وہ تھی جو ممدوح سے واقعی متاثر اور انعام واکرام سے بے نیاز ہوکر قصیدہ کہتی تھی اور شعرا کا ایک بڑا طبقہ ایسا بھی تھا جس نے اپنی شعری صلاحیت کو جنس بازار بنا ڈالا تھا۔ایک حکمراں سے داد ودہش ملی تو اس کا قصیدہ کہہ ڈالا۔دوسرے نے زیادہ دے دیا تو اس کے لیے شعر موزوں کر دیا۔مختصر لفظوں میں کہا جائے تو عہد طوائف الملوکی میں اندلس، متعدد چھوٹے چھوٹے اندلس میں تقسیم ہو گیا تھا اور کئی قرطبہ وجود میں آ گئے تھے، اس لیے مدح کا فن خوب پروان چڑھا۔ایک تذکرہ نگار (ابن

بسام) نے اس عہد کے اہم شعرا کی روداد تیار کی ہے۔

10.6.4 مرابطین اور موحدین کا دور

عہد مرابطین اور موحدین میں شاعری کی عام صنفوں کی طرح مدحیہ شاعری بھی ماند پڑ گئی، کیونکہ حکمرانوں کی سرپرستی نہ صرف ختم ہوگئی تھی، بلکہ ایک طرح سے حکمرانوں کا خراج صنف شاعری کے لیے سودمند نہ تھا مگر اس کے باوجود اس عہد میں بھی بعض مدح گو شعرا موجود تھے، جنھوں نے خالص قلبی کیفیت کے زیر اثر مدحیہ قصائد کہے ہیں۔ ان کے مدحیہ قصائد واقعاتی صداقت سے لبریز ہیں، اس عہد کے شعرا نے جھوٹ اور تزویر پر مبنی شعر تخلیق نہ کرکے، بڑی حد تک حقائق سے قریب تر شاعری کی ہے، ان کا ممدوح صرف اسی وقت فیاض نہیں ہے جب وہ شاعر کو خوش کردے، بلکہ دوسروں کے حق میں اس کا فیاضانہ مزاج بھی شاعر کو مدح کرنے پر مجبور کرتا ہے، بھلے ہی خود شاعر اس فیاضانہ مزاج سے فیض نہ اٹھا سکا ہو۔

10.6.5 حکومت غرناطہ کا زمانہ

مسلم حکومتوں کے زوال کے بعد صرف غرناطہ کی حکومت باقی بچی تھی۔ حکومت غرناطہ فنون لطیفہ کی سرپرستی کرتی تھی، لیکن وسائل کی کمیابی کی وجہ سے اس حکومت کا مزاج شاہانہ نہیں بن سکا، چنانچہ شعرا کی تعداد کم ہوگئی، جس کا اثر مدحیہ قصائد کی قلت تعداد میں بھی نظر آتا ہے۔ کہاں عہد ملوک الطوائف جب کہ حکمرانوں کے مابین مقابلہ آرائی کی کیفیت نے اس صنف شاعری کو خوب سے خوب تر بنا دیا تھا اور کہاں بنو احمر کی صرف ایک حکومت، ظاہر ہے دربار سے بہت سے شعرا کی سرپرستی نہیں ہوسکتی تھی۔ پھر مال دار اشرافیہ، جن کی تعداد عہد بنی امیہ میں بہت زیادہ تھی، وہ بھی سکڑ گیا تھا، جب کہ عہد بنی امیہ میں یہ طبقہ بھی فنون لطیفہ کی سرپرستی کرتا تھا۔ ان سب وجوہات کا نتیجہ مدحیہ شاعری میں کمی کی شکل میں ظاہر ہوا۔

10.6.6 مجموعی نظر

اندلس کے ادب عربی کی پوری تاریخ میں مدحیہ قصیدہ گو شعرا بہت زیادہ ہیں، کوئی قابل ذکر شاعر ایسا نہیں ہے جس نے اس صنف میں طبع آزمائی نہ کی ہو، لیکن اگر معیاری قصیدہ گو شعرا کا تذکرہ ہوگا تو درج ذیل ناموں کا اعتبار ضروری ہوگا، کیونکہ مدحیہ شاعری پر گفتگو ان کے تذکرے کے بغیر نامکمل رہے گی:

مومن بن سعید، طاہر بن حزم، عباس بن فرناس، ابن عبد ربہ، عبید اللہ بن یحییٰ بن ادریس، ابن ہانی، ابن دراج قسطلی، ابن عمار، ابن حداد، الاعمی التطیلی، الرصافی، محمد بن غالب، ابن حمدیس، ابن زیدون، ابن ہید، ابن عبدون، ابن خفاجہ، ابن العسال، ابواسحاق الالبیری۔

درج بالا ناموں کا تذکرہ کوئی حتمی فہرست نہ ہوکر صرف ان ناموں کے ذکر پر محمول ہے جن کے مدحیہ قصائد اندلسی ادب کی تاریخ میں اہم مقام رکھتے ہیں، ورنہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ کوئی شاعر ایسا نہ تھا جس نے مدحیہ قصیدہ نہ کہا ہو۔

10.6.7 اندلسی مدح گوئی کے امتیازات اور شعرا کے طبقات

عام طور پر یہ تصور موجود ہے کہ اندلسی شعری ادب مشرق کی نقالی سے معمور ہے، اس تصور کو یکسر رد بھی نہیں کیا جاسکتا، لیکن اندلسی شاعری میں اور اس کی اس صنف میں جس کا تذکرہ کیا جارہا ہے، بعض امتیازات بھی ہیں، جو قابل توجہ ہیں۔ اندلس کے مدحیہ قصائد کے شعرا کی تاریخ میں اگر ابن زیدون کو دیکھا جائے، تو اس کا امتیاز یہ ہے کہ اس نے غزل اور مدح میں امتزاج پیدا کردیا تھا، اس کے غزلیہ قصائد کو اس کے مدحیہ قصائد میں بھی شمار

کیا جا سکتا ہے۔

بعض شعرا نے عام روش سے ہٹ کر پورا قصیدہ ممدوح کی تعریف میں کہہ ڈالا، مثال کے طور پر ابن حمدیس کے اُس قصیدے کو پیش کیا جا سکتا ہے، جو اس نے ابوالحسن علی بن یحییٰ کی تعریف میں کہا تھا، یا ابن شہید کا وہ مدحیہ قصیدہ قصیدہ جو اس نے ابن حمود کی تعریف میں کہا تھا۔ان شعرا نے ایک الگ طرح کے مدحیہ قصائد کا تجربہ کیا، جن میں قصیدے کے وہ عناصر ترکیبی غائب ہیں جو عام قصیدے کی تعریف میں ضروری خیال کیے جاتے ہیں۔

اندلسی مدحیہ قصائد قلم بند کرنے والوں میں بعض ایسے شعرا بھی نظر آتے ہیں، جنھوں نے عام اندلسی شاعری کے اس وصف کو برتا ہے جسے ہم شعر الطبیعہ کے نام سے جانتے ہیں۔ مدحیہ قصیدہ گوئی میں بھی فطرت کی عکاسی واضح طور پر نظر آتی ہے، بلکہ عام طریقے سے ہٹ کر انھوں نے اپنے مدحیہ قصیدوں کی ابتدا فطرت کی عکاسی سے کی ہے، گویا اس طبقے نے بھی قصیدہ گوئی میں نیا تجربہ کیا ہے۔ابن خفاجہ کے مدحیہ قصائد کو اس صف میں رکھا جا سکتا ہے۔ابن خفاجہ نے اپنے مدحیہ قصائد میں اسی روش کو برتا ہے۔

درج بالا امتیازات کے علاوہ اندلس کی مدحیہ شاعری میں ایک اور چیز کی طرف اشارہ کرنا ضروری محسوس ہوتا ہے، وہ ہے شعرا کی باہمی تقسیم۔ مدح گو شعرا کو اگر تقسیم کیا جائے، تو ایک طبقہ ان شعرا کا ہے، جو خود اعلیٰ مراتب پر سرفراز تھے اور مدحیہ قصائد کہتے تھے، مثلاً: ابن زیدون، ابن عمار، ابن عبدون۔ یہ شعرا مختلف اوقات میں اعلیٰ حکومتی مناصب پر فائز تھے، گویا ان کا تعلق طبقۂ اشرافیہ سے تھا، اس لیے داد و دہش کا حصول ان کا مقصدِ شاعری نہ تھا۔ایک طبقہ ایسے مدح گو شعرا کا بھی ہے، جو اپنی وفاداریاں بدلتے رہتے تھے، کبھی اس حکمراں کے پاس چلے گئے، کبھی اس حکمراں کے پاس چلے گئے، ان کا مقصد صرف زیادہ سے زیادہ انعام واکرام حاصل کرنا تھا اور وہ اس میں کامیاب بھی رہے۔اس کی ایک واضح مثال ابن اللبّانہ کی دی جا سکتی ہے، ملوک الطوائف میں وہ کئی حکمرانوں کے قریب رہا، کبھی وہ معتمد بن عباد کی مدح کرتا نظر آتا ہے اور کبھی مبشر بن سلیمان کی مدح کرتا ہے اور کبھی معتصم بن صمادح کی مدح کرتا ہے، جب کہ تینوں الگ الگ علاقوں کے حکمراں تھے۔

ایک طبقہ ایسے شعرا کا بھی ہے جنھوں نے اپنی وفاداریاں تبدیل کیں، لیکن اس تبدیلی کا مقصد کسی اور سے انعام واکرام حاصل کرنا نہ تھا، بلکہ مخصوص حالات کی وجہ سے ان کے ممدوح بدل گئے۔اس تبدیلی کی وجہ ان کی وہ نظریاتی تبدیلی تھی جو غور وفکر کا نتیجہ تھی، انھوں نے قلم کی تجارت نہ کر کے صدقِ دل سے متعدد ممدوح بنائے، ابواسحاق الالبیری، ابن العسال اور ابن خفاجہ جیسے شعرا کو اس صف میں گنا جا سکتا ہے۔

10.6.8 اندلسی مدحیہ شاعری میں نعت رسول

اندلسی مدحیہ شاعری پر اس گفتگو کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مدح کی اس صنف پر مختصر روشنی ڈال دی جائے جسے ہم مدح نبوی یا نعت رسول کہتے ہیں اور جو اندلس میں بھی کسی نہ کسی طور پر موجود رہی۔ دنیا کے ہر علاقے کا مسلمان اور ہر زبان میں گفتگو کرنے والا بھلا ذات نبوی سے کیسے لاتعلق رہ سکتا ہے! کیونکہ یہی وہ ذات ہے جس سے اس کو روشنی حاصل ہوتی ہے۔ ہر زبان کے شعرا بالخصوص مسلم شعرا نے نعت گوئی میں کسی نہ کسی طور پر حصہ لیا ہے، پھر بھلا اندلس اس سے خالی کیوں رہتا؟ اندلس میں بھی نعت خوب پروان چڑھی۔اگر فہرست مرتب کی جائے تو بہت سے شعرا اس میں جگہ پائیں گے، لیکن مختصراً تین ایسے شعرا کا نام لیا جا سکتا ہے جن کے نعتیہ قصائد کی اہمیت دو چند ہے۔اول عبدالعزیز الفشتالی، جن کے نعتیہ قصیدے کی ابتدا درج ذیل شعر سے ہوتی ہے:

محمد خیر العالمین بأسرها　　　وسید أهل الأرض من الإنس والجان

دوسرا نام قاضی عیاض کا لیا جا سکتا ہے، جن کا رائیہ قصیدہ نعت کی صنف میں ممتاز ہے اور جس کی ابتدا درج ذیل شعر سے ہوتی ہے:

قف بالركاب فهذا الربع والدار　　　لاحت علينا من الأحباب أنوار

تیسرا نام ابن خطیب کا لیا جا سکتا ہے، جس کا دالیہ قصیدہ صنف نعت میں نمایاں مقام رکھتا ہے، اس میں اس نے مقامات مقدسہ کا ذکر کیا ہے، قصیدے کی ابتدا درج ذیل شعر سے ہوتی ہے:

تألق نجديا فاذكرني نجدا　　　وهاج لي الشوق المبرح والوجدا

اس مختصر گفتگو کا مقصد یہ واضح کرنا تھا کہ مدح گوئی کی صنف میں اندلسی شاعری مدیح نبوی یعنی نعتِ رسول سے خالی نہیں ہے، بلکہ یہاں کی شاعری کا ایک نمایاں حصہ نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ہے۔

10.7 اکتسابی نتائج

عربی زبان میں غزل ایک مکمل قصیدہ ہوتی ہے جس میں شاعر اپنے عشقیہ جذبات کو بیان کرتا ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں ہمیں دو طرح کی غزلیں نظر آتی ہیں:

(۱) عذری:　اس میں پاک محبت اور محبوب کی باطنی خوبی کا ذکر ہوتا ہے۔ اس میں الشفری مشہور ہے۔

(۲) اباحی:　اس میں محبوب کی ظاہری حسن اور اس کے ساتھ عیش وعشرت کا ذکر ہوتا ہے۔ اس میں امرؤالقیس مشہور ہے۔

اموی دور میں غزل کو خوب ترقی ملی اور غزل کی ایک نئی صنف تقلیدی غزل کی صورت میں ابھری۔ یہ ہمیں جریر، فرزدق اور اخطل کی شاعری میں بخوبی نظر آتی ہے۔

اندلس میں غزل کی شروعات عبدالرحمان الداخل کے دور میں ہوئی اور عبدالرحمن ثالث کے دور میں شباب پر تھی۔ اس میں خواتین کی حصہ داری بھی خوب رہی۔

اندلس میں غزل کی خصوصیات یوں تو مشرقی غزل کے مشابہ تھی البتہ ان میں قدرتی مناظر کا غلبہ تھا۔

اندلسی غزل کو تین دور میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(۱) پہلا دور:　فتح اندلس سے لے کر پانچویں صدی ہجری کے اوائل تک۔ اس دور میں مشرق کے اثرات نمایاں ہیں۔

(۲) دوسرا دور:　اس دور میں مشرق کے اثرات مغلوب ہونے لگے۔

(۳) تیسرا دور:　چھٹی صدی ہجری سے۔ اس دور میں مغربی رنگ پوری طرح غالب آ گیا اور غزل کی ایک نئی شکل وجود میں آئی جو اندلسی غزل سے مشہور ہوئی۔

اندلسی غزل میں ابن زیدون کا فراق وجدائی کے موضوع پر قصیدہ نونیہ بہت مشہور ہے۔

مدح لغت میں تعریف وتوصیف کرنے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں اس قصیدہ کو کہتے ہیں جس میں محبوب کی تعریف کی گئی ہو۔

اس کی ابتدا زمانۂ جاہلیت میں زہیر بن ابوسلمی کے قصیدہ (ہرم بن سنان کی مدح میں) اور امرؤالقیس کے قصیدہ (بنوتمیم کی مدح

میں) سے ہوتی ہے۔

صدر اسلام میں مدحیہ شاعری میں نعتیہ شاعری ایک آزاد حیثیت سے ظاہر ہوئی۔ البتہ عہد بنی امیہ میں مدحیہ شاعری کا استعمال مختلف اغراض کے لیے ہونے لگا۔ جریر، فرزدق اور اخطل نے اس کے فروغ میں نمایاں طور پر حصہ لیا۔

مدحیہ شاعری میں ہر اس چیز کو موضوع بنایا جاتا ہے جو ممدوح کے شایان شان ہو خواہ وہ ظاہری شکل وصورت ہو یا باطنی اور اخلاقی خوبیاں۔

عبد الرحمن اوسط اور ثالث کے دور میں مدحیہ شاعری اپنے کمال کو پہنچ گئی اور کثرت سے لکھی گئی۔ البتہ، مرابطین اور موحدین کے دور میں اس میں کمی آئی۔

اندلسی شعرا نے غزل کی طرح مدح میں بھی قدیم شعری اسلوب کی پیروی کی ہے۔ قصیدہ کے لوازمات ان کے یہاں موجود تھے، ہاں کبھی کبھی ان سے انہوں نے انحراف بھی کیا ہے۔ قصیدے کی ابتدا میں کبھی کبھی انہوں نے خمریات یا فطرت کی توصیف کی ہے، یا کبھی کبھی بیوی کی اپنے شوہر سے ملاقات سے قصیدہ شروع ہوتا ہے، جو اپنے ممدوح سے ملنے چلا گیا ہے، جیسا کہ ابن دراج کے یہاں ملتا ہے۔

عام شعرا نے زبان کی سادگی کا دھیان رکھا ہے، ثقیل اور نامانوس الفاظ سے اجتناب کیا ہے۔ ابن ہانی کو اس سے استثنا حاصل ہے۔ اس نے جعفر بن علی کی مدح میں نامانوس الفاظ استعمال کیے ہیں۔

کل ملا کر شاعری میں مدح گوئی کی بہت واضح ترقی اندلسی عربی ادب کے ذخیرے میں ہمیں دکھائی دیتی ہے، جس سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔

10.8 امتحانی سوالات کے نمونے

۱۔ غزل کی تعریف کیا ہے؟ مفصل بیان کیجیے۔
۲۔ عربی میں ''غزل کی ابتدا'' پر نوٹ لکھیے۔
۳۔ اندلسی غزل کی اہم خصوصیات بیان کیجیے۔
۴۔ اندلسی غزل کے ادوار کی وضاحت کیجیے۔
۵۔ عذری اور اباحی غزل کا فرق واضح کیجیے۔
۶۔ اندلسی غزل کے میدان میں خاتون شعرا پر ایک مضمون لکھیے۔
۷۔ عربی کی مدحیہ شاعری کی ابتدا پر نوٹ لکھیے۔
۸۔ عربی کی مدحیہ شاعری کی تعریف لکھیے؟ لغوی اور اصطلاحی معانی بیان کیجیے۔
۹۔ زمانۂ جاہلیت کے بعض اہم مدح گو شعرا کا تذکرہ کیجیے۔
۱۰۔ مدحیہ شاعری کے لوازمات پر مضمون لکھیے۔
۱۱۔ اندلس میں عہد ملوک الطوائف میں صنف مدح گوئی کی صورت حال واضح کیجیے۔
۱۲۔ عبد الرحمن الناصر کے زمانے میں مدح گوئی کی ترقی پر نوٹ لکھیے۔

۱۳۔ اندلس کے بعض اہم مدح گوشعرا کا تذکرہ کیجیے۔

۱۴۔ اندلسی مدحیہ قصائد کے بعض امتیازات پر روشنی ڈالیے۔

۱۵۔ اندلس کی عربی شاعری میں مدیح نبوی یعنی نعتیہ شاعری کی کیا صورت حال تھی؟ واضح کیجیے۔

10.9 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

۱۔	تطور الغزل بين الجاهلية والإسلام	شكري فيصل
۲۔	تاريخ الأدب العربي	شوقي ضيف
۳۔	في الأدب الأندلسي	رضوان الداية
۴۔	المديح في الشعر العربي	سراج الدين محمد

اندلسی ادب پر دیگر امہات کتب مثلاً نفح الطیب للمقری اور الذخیرہ لابن بسام وغیرہ اور مختلف کتابوں میں شعرائے اندلس کے تراجم ہیں۔

اکائی 11

قصیدہ: ''دعي عزمات المستضام تسير'' از: ابن دراج قسطلی

قصیدہ: ''إني ذكرتک بالزهراء مشتاقا'' از : ابن زیدون

اکائی کے اجزا

11.1 تمہید
11.2 مقصد
11.3 ابن دراج: حیات اور شاعری
11.4 قصیدے کا تعارف اور مضامین کا خلاصہ
11.5 ابن دراج کا قصیدہ رائیہ
11.6 ابن زیدون: حالات زندگی
11.6.1 پرورش
11.6.2 سیاسی زندگی
11.6.3 ادب اور تہذیب وثقافت
11.6.4 شعری اصناف سخن
11.7 قصیدۃ ابن زیدون: ''إني ذكرتک بالزهراء مشتاقا''
11.8 اشعار کا ترجمہ
11.9 اشعار کی تشریح وتحلیل اور تجزیہ
11.10 شعر کی جمالیات
11.11 اکتسابی نتائج
11.12 کلیدی الفاظ
11.13 امتحانی سوالات کے نمونے
11.14 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

11.1 تمہید

چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں اندلسی شاعری کو فروغ دینے میں ابن دراج کا کردار نمایاں ہے۔ وہ ایک بہترین خطیب اور انشا پرداز، علم تاریخ وانساب کے ماہر اور اندلسی خلیفہ منصور بن ابوعامر کے ''دیوان الانشا'' کے کاتب تھے۔ انھیں شاعری کا فطری ذوق اور اسالیب بیان پر قدرت کے ساتھ فی البدیہہ شاعری کا بھی ملکہ حاصل تھا۔ اسی وجہ سے انھیں متنبی الغرب کہا جاتا ہے۔ انھیں عامری خلیفہ منصور ابن ابوعامر مدح میں کہے گئے قصیدہ کی وجہ سے خوب شہرت ملی۔ یہ قصیدہ ۶۵ /اشعار پر مشتمل ہے اور اسے قصیدہ رائیہ کہا جاتا ہے۔ یہ قصیدہ، شوکت الفاظ، حسن معنی اور زور بیان کے آبدار موتیوں سے مرصع ہونے کے ساتھ دیگر لفظی، معنوی اور فنی خوبیوں سے بھی آراستہ ہے۔

ابن دراج کے ساتھ ہی پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں ابن زیدون کی شاعری کا بھی شہرہ ہونے لگا۔ انہوں نے اپنی تخلیقی اور شعری اوصاف، غزل سرائی، یادِ ماضی اور فخر ومباہات کے جذبات واحساسات کو شعری قالب میں پیش کیا۔ انہوں نے شوق وطن اور دیار عزیز کی یاد، مدح، ہجو، مرثیہ، تغزل اور مناظر فطرت کی منظر کشی، وغیرہ اصنافِ ادب میں طبع آزمائی کی اور اپنے قصائد واشعار کے ذریعے حزن وکرب، وطن کی یاد، ماضی کے احوال، لہو ولعب کے مقامات اور ان میں گزرے ہوئے لمحات، اشک ہائے رنج والم، شوق ومستی وغیرہ اور خاص طرز کی شعری تضمین کی وجہ سے شعر وشاعری کو بلند مقام عطا کیا۔

11.2 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد آپ اندلس کے دو مشہور شاعر ابن دراج اور ابن زیدون کی حیات وخدمات اور ان کے کلام، فن، شعر وادب سے دلچسپی اور ان کے کلام کی خصوصیات، مشمولات اور مضامین سے واقف ہوں گے۔ ابن دراج کے مشہور قصیدے ''قصیدہ رائیہ'' **دعي عزمات المستضام تسير** کا تعارف اور اس کی خصوصیات وامتیازات سے بالتفصیل واقف ہوں گے۔ نیز ابن زیدون کے قصیدے '' **إني ذكرتك بالزهراء مشتاقا** '' کے اشعار سے بھی محظوظ ہوں گے اور اس دور کی شاعری، غزل گوئی، معانی آفرینی اور طرز اسلوب سے بھی واقف ہوں گے۔

11.3 ابن دراج: حیات اور شاعری

قبیلہ بربر اور اس کی مختلف شاخوں کا اندلس کی تاریخ میں ابتدا ہی سے بڑا اہم کردار رہا ہے۔ اس کی مختلف شاخوں میں سے صہناجی شاخ متعدد وجوہ سے اہمیت کی حامل ہے۔ بنودراج، اسی صہناجی بربری شاخ سے نسبت رکھتے ہیں، جس کا ایک انتہائی نمائندہ فرد ہمارا شاعر ابن دراج ہے۔ باعتبار نسب بربری ہونے کے باوصف ابن دراج نے مقام ذکر میں بھی اپنے بربری نسب کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا، بلکہ دیگر بربری قبیلے کے سربراہوں اور قدآور شخصیات کی ہجو بھی کی ہے، اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ ابن دراج کا خاندان اندلسی معاشرے میں پورے طور پر گھل مل گیا تھا، یہاں تک کہ اس کے اندر قبائلی عصبیت بھی مفقود ہو گئی تھی۔

اندلس میں بنودراج کا داخلہ طارق بن زیاد کے ذریعے فتح اندلس کے وقت ہوا۔ ابن دراج کا خاندان قسطلہ کا ممتاز اور باحیثیت خاندان تھا، حتی کہ قسطلہ کو ابن دراج کے جداعلی "دراج" کے نام پر "قسطلة دراج" کہا جانے لگا تھا، کیونکہ قسطلہ کی ریاست پر مسلسل ان کا اقتدار چلا آرہا تھا۔

بنودراج کی اس امتیازی شہرت کے باوجود ابن دراج کے باپ اور دادا کے بارے میں ہم تک پہنچنے والی معلومات ناکافی ہیں، اسی طرح

ابن دراج کے بچپن، لڑکپن، حصول تعلیم اور اساتذہ وغیرہ کے بارے میں بھی کسی قسم کی معلومات فراہم نہیں ہیں۔

ابن دراج کا پورا نام ابوعمر احمد بن محمد بن العاصی بن احمد بن سلیمان بن عیسی بن دراج ہے۔ ولادت محرم 347ھ/ مارچ958ء میں ہوئی۔ اس کے بعد ابن دراج کی مکمل تصویر اس وقت سامنے آتی ہے جب ہم اسے 382ھ میں منصور بن ابو عامر کے سامنے اپنا پہلا مشہور قصیدہ ہائیہ گنگناتے ہوئے دیکھتے ہیں، جس میں اس نے صاعد البغدادی کے قصیدہ ہائیہ کا معارضہ کیا تھا۔

ابن دراج کے اس قصیدے کا آغاز اس طرح ہے:

أَضَاءَ لَهَا فجرُ النُّهى فَنَهاها عن الدَّنِفِ المُضْنى بِحَرِّ هواها

وضَلَّلها صبحٌ جلا ليلة الدُّجى وَقَدْ كَانَ يَهدِيها إلَيَّ دُجاها

اس وقت ابن دراج کی عمر پینتیس سال تھی۔ ابن دراج کو شعر گوئی میں کمال حاصل تھا، شعر گوئی کے ساتھ برجستہ شاعری، نثر نگاری، تحریر و کتابت اور خطابت میں بھی ابن دراج کو ملکہ حاصل تھا۔ نثر نگاری میں مہارت کی وجہ سے منصور نے اسے دیوان الانشا میں کاتبوں کی جماعت میں بھی شامل کیا تھا۔ ابن دراج نے المنصور بن ابو عامر اور اس کے دونوں بیٹوں عبد الملک المظفر اور عبد الرحمن شنجول کے عہد تک عامری سلطنت کے زیر سایہ تقریبا سولہ سال (382ھ–399ھ) گزارے۔ عامری سلطنت کے خاتمے کے بعد ابن دراج کی زندگی ہچکولے کھاتی رہی۔ آٹھ سال کی در بدری کے بعد، اس نے سرقسطہ کے حاکم منذر بن یحییٰ التجیبی اور اس کے بیٹے یحییٰ بن منذر کے زیر سایہ کرم گیارہ سال بسر کیے۔ اس کے بعد بلنسیہ وغیرہ شہروں کے درباروں میں پھرتا رہا، آخر کار دانیہ میں، اتوار کی شب، 16 جمادی الثانی، 421ھ مطابق 22 جون 1030ء، اس کا انتقال ہو گیا۔

ابن دراج کو شاعری کا فطری ذوق حاصل تھا۔ اسالیب بیان پر حیرت انگیز قدرت، فی البدیہہ شاعری، طویل بحروں کا استعمال اور مشکل زمینوں میں شعر گوئی کے علاوہ، تاریخ و انساب وغیرہ میں زبردست مہارت، ان عناصر نے ابن دراج کو چوٹی کے شاعروں کی صف میں کھڑا کر دیا۔ اندلس کے سب سے بڑے شاعر ابوالقاسم محمد بن ہانی معروف بہ ابن ہانی الاندلسی (وفات 362ھ) کو "متنبی الغرب" (مغرب کا متنبی) کہا گیا ہے۔ متنبی الغرب کے لقب سے اصل شہرت تو ابن ہانی کی ہی ہے، لیکن اس لقب میں ابن دراج نے بھی ابن ہانی کے ساتھ اپنی شرکت درج کرائی ہے اور شاعرانہ کمال کی بنیاد پر ابومنصور الثعالبی نے ابن دراج کو بھی اندلس کا متنبی کہا ہے۔ (كان بصقع الأندلس كالمتنبي بصقع الشام)۔ ابن دراج کی شاعری میں عامری حکام کی مدح میں کہے جانے والے قصائد کو خصوصی مقام و مرتبہ حاصل ہے، جنہیں "العامریات"، یا "عامریات ابن دراج" کا نام دیا گیا ہے۔

11.4 قصیدے کا تعارف اور مضامین کا خلاصہ

عباسی سلطنت کے مشہور شاعر حسن بن ہانی عرف ابونواس (145ھ–199ھ مطابق 762ء–813ء) نے مصر کے والی خراج (تحصیل دار) الخصیب بن عبد الحمید کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا تھا، جس کا مطلع یہ ہے:

أَجارَةَ بَيتَينا أَبوكِ غَيورُ وَمَيسورُ مايُرجى لَدَيكِ عَسيرُ

منصور عامری کو یہ قصیدہ بہت پسند تھا۔ اس نے صاعد البغدادی سے اس کے معارضے میں ایک قصیدہ لکھنے کی فرمائش کی، صاعد نے پہلے تو معذرت ظاہر کی لیکن پھر ایک قصیدہ لکھا۔ منصور نے ابن دراج کو بھی ابونواس کے مذکورہ قصیدہ کی طرز پر ایک قصیدہ لکھنے کا حکم دیا، تعمیل حکم میں ابن

دراج نے منصور عامری کی مدح میں اپنا یہ قصیدہ لکھا۔ ابن دراج کے اس قصیدے کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی اور اس کے اشعار مشرقی و مغربی ادب میں کثرت کے ساتھ نقل ہوئے۔ اس طرح یہ قصیدہ ابن دراج کا مشہور ترین قصیدہ بن گیا۔ مختصرا، اسے قصیدہ رائیہ کہا جاتا ہے۔

قصیدے کے آغاز میں شاعر اپنی زوجہ سے سفر کی اجازت طلب کرتا ہے، سفر کی وجوہات، شریک حیات کی سابقہ محبت، وقت سفر اس کی گریہ وزاری کی کیفیت، اپنے معصوم بچے کا ذکر اور پھر سفر کی مشکلات اور ان مشکلات کے مقابل اپنی ہمت وجواں مردی کا بیان، صحرا کی جھلسا دینے والی گرمی، ویرانی، رات کی ہولناکی، دن کی خطرناکی، وغیرہ تفصیلات پیش کرنے کے بعد عامری کی مدح شروع ہوتی ہے۔ اس ضمن میں شاعر ممدوح کے متعدد اوصاف بیان کرتا ہے مثلا دین کی تائید وحمایت، فتنہ پروروں سے اس کی حفاظت، ممدوح کی نسبی شرافت وعظمت، اس کے اسلاف کی نیک نامی و دریا دلی اور حکومت واقتدار پر مسلسل ان کا قبضہ وغلبہ، مشکل گھڑی میں ممدوح کے اجداد کا مذہب کی حمایت ونصرت کرنا، پھر عید کی مناسبت سے ممدوح کے لیے درازئ عمر کی دعا کرنا، تاکہ لوگوں کو اس کی طویل عمر اور اقتدار کے دوران امن وسکون کی دولت میسر رہے۔ ان تمام بیانات کو حسن و خوبی پایہ تکمیل تک پہنچانے کے بعد شاعر اپنی بے بسی، بے چارگی اور حوادثِ زمانہ کے آگے اپنی کس مپرسی کا ذکر کے چارہ سازی کی التجا کرتا ہے۔ یہاں پہنچ کر قصیدے کا اختتام ہوتا ہے۔ 65 اشعار پر مشتمل یہ قصیدہ، شوکت الفاظ، حسن معنی اور زور بیان کے آبدار موتیوں سے مرصع ہونے کے ساتھ دیگر لفظی، معنوی اور فنی خوبیوں سے بھی آراستہ ہے، یہاں اس کے ابتدائی 22 اشعار اور ان کا ترجمہ وتشریح پیش کیا جارہا ہے۔

11.5 ابن دراج کا قصیدہ رائیہ

دَعِي عَزَماتِ المستضامِ تسيرُ　　　فَتُنْجِدُ فِي عُرْضِ الفَلا وتَغُورُ

معانی مفردات: عزمات: عزمة کی جمع: پختہ ارادہ۔ المستضام: مظلوم، مراد گردش ایام کا مارا ہوا، زمانہ کا ستایا ہوا۔ تنجد، از إنجاد: بلند ہونا، نجد میں آنا، بلندی میں آنا۔ عُرض: جانب، کنارہ۔ الفلا: بے آب وگیاہ کشادہ جنگل، ج فلوات۔ تغور، از غور: پستی میں جانا، گہرائی/ نشیب میں اترنا۔

ترجمہ وتشریح: زمانے کے ستائے ہوئے شخص کو عازم سفر ہونے دو کہ وہ بے آب وگیاہ اور کشادہ بیابان کے نشیب وفراز طے کرے۔

یہاں شاعر کا خطاب اپنی زوجہ سے ہے اور وہ اس سے سفر کی اجازت طلب کر رہا ہے۔

لعلَّ بما أَشجاكِ من لوعةِ النَّوى　　　يُعَزُّ ذليلٌ أَوْ يُفَكُّ أَسيرُ

معانی مفردات: أشجى: پریشان خاطر کرنا، تنگ دل بنانا۔ لوعة: محبت یا رنج وغم کی وجہ سے دل کی جلن، دردِ دل، سوزشِ قلب۔ النوى: دوری/ جدائی۔

ترجمہ وتشریح: جدائی کی جس سوزش/ جس درد فرقت نے تمہیں افسردہ خاطر کر رکھا ہے، ہوسکتا ہے اس کی وجہ سے کوئی بے آبرو، آبرو والا ہو جائے، یا گرفتار بلا کو رہائی نصیب ہوجائے۔

شاعر اپنی زوجہ کو تسلی دیتے ہوئے کہتا ہے کہ میرے ارادۂ سفر پر، جدائی اور دور ہوجانے کے خیال اور فکر نے تمہیں پریشان کر دیا ہے، لیکن اس سفر سے بڑی امیدیں وابستہ ہیں، میں جس کے پاس جانے کے لیے پابہ رکاب ہوں، اس کے پاس پہنچ کر ہوسکتا ہے کہ میرے دن پھر

جائیں اور زمانے، نے بدحالی کی جو ذلت میرے اوپر مسلط کر رکھی ہے اور تنگ دستی کی جو بیڑیاں میرے دست و پا میں ڈال دی ہیں، ان کی بندش سے آزادی نصیب ہو جائے۔ اصل میں شاعر مالی تنگی سے دوچار ہے اور وہ اس امید پر عامری کے دربار میں حاضر ہونا چاہتا ہے کہ وہاں اسے انعام و اکرام سے نوازا جائے گا، تو اسے معاش کی تنگی سے چھٹکارا مل جائے گا۔

أَلَمْ تعلَمِي أَن الثَّواءَ هو التَّوى وأَنَّ بيوتَ العاجِزينَ قُبورُ

معانی مفردات: الثواء: اقامت اختیار کرنا، ٹھہرنا۔ التوی: ہلاک ہونا، ہلاکت و بربادی۔

ترجمہ وتشریح: کیا تمھیں نہیں معلوم؟ کہ ایک جگہ ٹھہرے رہنا ہلاکت و بربادی ہے اور عاجز و درماندہ لوگوں کے گھر ان کے لیے قبروں کے مانند ہوتے ہیں۔

جب اپنے وطن میں رہ کر کامیابی کی کوئی سبیل نظر نہ آئے تو آدمی کو سفر کر کے کسی دوسرے مقام پر جا کر جدوجہد کرنی چاہیے اور جو شخص کم ہمتی کا مظاہرہ کرے اور اپنے دیار کو چھوڑ کر کہیں اور جانے پر آمادہ نہ ہو، اس کے لیے اپنے گھر میں اقامت پذیر رہنا اور حالت موجودہ پر قناعت کر لینا بربادی اور ہلاکت کے مترادف ہے اور اس کا گھر اس کے لیے قبر کی طرح ہے، کیونکہ انجام کار یہ اقامت پذیری اسے قبر کی گود میں لے جائے گی، تو اب وہ اپنے گھر میں رہے یا قبر میں اس کے لیے دونوں برابر ہیں، عقل مند وہ ہے جو اس حقیقت کا ادراک کر لے اور عزم جواں کے ساتھ رخت سفر باندھ کر جہاں پیمائی پر نکل پڑے۔ ہمارا شاعر تنگی معاش سے دوچار ہے، اس لیے وہ اپنا شہر چھوڑ کر دوسرے شہر میں قسمت آزمائی کے لیے جا رہا ہے، درج بالا شعر اسی پس منظر کی عکاسی ہے۔

ولم تزجُرِي طَيْرَ السُّرى بِحروفِها فَتُنْبِئْكِ إِنْ يَمَنَّ فَهْيَ سُرورُ

معانی مفردات: زجر: جھڑکنا۔ السری: شب روی/ سفر۔ حروف: حرف کی جمع: مراد: آواز یا کلام۔ إنباء: خبر دینا۔ یمن: داہنی جانب جانا/ چلنا۔

ترجمہ وتشریح: تم نے سفر کی فال لینے والے پرندوں کو اپنی آواز کے ذریعے نہیں جھڑکا (اگر تم انھیں جھڑک کر اڑاتی اور) اگر وہ داہنی جانب اڑتے تو (وہ اپنی اس اڑان کے ذریعے) تمھیں خبر دیتے کہ یہ سفر (باعث) مسرت ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں عربوں کی ایک رسم تھی کہ وہ پرندوں کے ذریعے فال لیتے تھے، سفر وغیرہ کہیں جانے سے پہلے پرندوں کو اڑاتے تھے، اگر وہ پرندے داہنی جانب اڑتے، تو اسے نیک فال سمجھا جاتا تھا اور اگر بائیں جانب اڑتے تو اسے بدشگونی خیال کر کے اس کام کو ترک کر دیا جاتا۔ اس شعر میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

تُخَوِّفُنِي طولَ السِّفارِ وإِنَّهُ لتقبيلِ كفِّ العامِرِيّ سَفِيرُ

معانی مفردات: السفار: سفر۔ تقبیل: بوسہ دینا، چومنا۔ العامري: سلطنت عامری اندلس کا عظیم حکمراں المنصور بن ابو عامر، جس کی مدح میں یہ قصیدہ لکھا گیا ہے۔ سفیر: نمائندہ، پیغام بر۔

ترجمہ وتشریح: تم مجھے سفر کی درازی سے ڈراتی ہو، جب کہ یہ سفر عامری کی دست بوسی کا پیغام بر ہے۔

دَعِيني أَرِدْ ماءَ المفاوِزِ آجِناً إِلَى حَيْثُ ماءُ المكرُمَاتِ نميرُ

معانی مفردات: أرد: ورد، یرد، ورودا، (ض) سے فعل مضارع، واحد متکلم، جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے: آنا، پن گھٹ پر پہنچنا۔ مفاوز: مفازۃ کی جمع: بیابان، صحرا۔ آجنا: اسم فاعل از أجن الماء: (ن) پانی کا رنگ، بو اور مزہ بدل جانا، پانی کا گدلا ہوجانا۔ مکرمات: مکرمۃ کی جمع: بھلائی، فعل خیر۔ نمیر: جمع متکلم از میر (ض): زادراہ تیار کرنا، توشہ لینا۔

ترجمہ وتشریح: میرا آب حیات گدلا ہو چکا ہے، مجھے صحراؤں کے پانی پر جانے دو، جہاں ہم بھلائیوں کے پانی کا توشہ لیں گے۔

و أختلس الأيامَ خُلْسَةَ فاتِكٍ إلَى حَيْثُ لي مِنْ غَدْرِهِنَّ خَفِيرُ

معانی مفردات: أختلس: مضارع، واحد متکلم، سابقہ شعر کے لفظ "أرد" پر عطف ہے، اختلس: اچک کر کوئی چیز لے لینا۔ فاتک: اسم فاعل از فتک: دل جو چاہے، بغیر کسی پرواہ کے، اس کی طرف چل پڑنا / مائل ہوجانا۔ غدرھن: میں ضمیر جمع مؤنث کا مرجع "الأيام" ہے۔ خفیر: ج خفراء: محافظ، چوکیدار، نگہبان۔

ترجمہ وتشریح: اور مجھے چھوڑ دو کہ میں ہر چیز کی طرف لپکنے والے لاپرواہ شخص کی طرح ان "دنوں" کو اچک لوں اور وہاں چلا جاؤں، جہاں ان "دنوں" کی فریب دہی اور بے وفائی سے مجھے بچانے والا (مراد منصور عامری) ہے۔

فإنَّ خطيراتِ المهالِكِ ضُمَّنٌ لراكِبِها أَنَّ الجزاءَ خطيرُ

ترجمہ وتشریح: کیونکہ ہلاکت گاہوں کی خطرناکی اس بات کی ضامن ہوتی ہے کہ ان میں کودنے والے کا صلہ بھی عظیم الشان ہوگا۔

ولَمّا تدانَتْ للوداعِ وَقَدْ هَفا بصَبْرِيَ منها أَنَّةٌ وزَفيرُ

معانی مفردات: تداني: قریب ہونا۔ ھفا: تیزی اور نرمی کے ساتھ چلنا / سبک روی / نرم خرامی کے ساتھ قدم بڑھانا۔ أنة: کراہ۔ زفیر: درد بھری سانس / آواز

ترجمہ وتشریح: اور جب وقت رخصت قریب آ گیا ہے اور حال یہ ہے کہ اس کی (حالت زار پر) میرے صبر کی وجہ سے (اس کی) آہ وفغاں میں تیزی آ گئی ہے۔

سفر پر روانہ ہونے کے وقت جب میری شریک حیات کی حالت غیر ہونے لگی اور اس نے دیکھا کہ مجھ پر جدا ہوجانے کا کوئی اثر نہیں نظر آ رہا ہے اور میں صبر وضبط کا دامن مضبوطی سے تھامے ہوئے ہوں، تو میرے اس صبر نے اس کے گریہ پیہم کا بند توڑ دیا اور اس کی آہ وفغاں میں تیزی پیدا ہوگئی۔

تناشِدُني عَهْدَ المَوَدَّةِ والهَوى وَفِي المَهْدِ مبغومُ النِّداءِ صَغيرُ

معانی مفردات: ناشد مناشدۃ: واسطہ دینا۔ مبغوم النداء: مضمحل اور کمزور آواز والا، کہا جاتا ہے: بغم (ف) صوتہ: یعنی اس کی آواز نرم اور باریک ہے۔

ترجمہ وتشریح: (وقت رخصت) تم مجھے الفت ومحبت کے عہد کا واسطہ دیتی ہو اور گہوارے میں مضمحل آواز والا چھوٹا بچہ موجود ہے۔

سابقہ شعر میں زوجہ کا ذکر غائب کے صیغے سے ہوا ہے اور اس شعر میں مخاطب کے صیغے سے، اس لیے یہاں ''التفات من الغائب الی الحاضر'' (یعنی غائب سے حاضر کی طرف رخ کرنا) ہے۔ شاعر اپنی زوجہ سے مخاطب ہو کر کہہ رہا ہے کہ اب جب سفر پر روانہ ہونے کا وقت آ گیا ہے، تم مجھے الفت بھرے دنوں کا واسطہ دے کر روک رہی ہو، دوسری جانب گہوارے میں لیٹے ہوئے ہمارے ننھے سے بچے کی آواز کانوں میں پڑ

رہی ہے، کہیں یہ دونوں چیزیں میرے پاؤں کی زنجیر نہ بن جائیں۔

عِيِيٌّ بمرجوعِ الخطابِ ولَفْظُهُ　　بمَوْقِعِ أَهواءِ النفوسِ خَبيرُ

معانی مفردات: عيي: عاجز بیان، لفظی تعبیر سے قاصر۔ مرجوع: جس کی طرف رجوع کیا جائے، مراد جواب۔ خطاب: بات، گفتگو۔ موقع: مقام، جگہ۔ أهواء: هواء کی جمع: خواہش۔ خبير: واقف، مطلع۔

ترجمہ وتشریح: وہ بچہ گفتگو کا جواب دینے سے عاجز ہے اور اس کے الفاظ دلوں کے اندر خواہشات کے مقام سے واقف ہیں۔

یعنی اگر چہ وہ بچہ خود بول نہیں سکتا لیکن اس کی آواز دل پر اس طرح اثر انداز ہو رہی ہے، جیسے اس کی آواز کو یہ معلوم ہو کہ دل میں خواہشات کو جگانے اور چھیڑنے والے تار کہاں پیوست ہیں، اس لیے اس کی آواز سیدھے جا کر دل کے اسی حصے میں جھنجھناہٹ پیدا کر رہی ہے اور اس طرح اس ننھے بچے کی آواز وقت رخصت مجھے بے چین کیے دے رہی ہے۔

تبوَّأَ ممنوعَ القلوبِ ومُهِّدَتْ　　لَهُ أَذْرُعٌ محفوفَةٌ ونُحُورُ

معانی مفردات: تبوأ: ٹھکانہ بنایا۔ ممنوع القلوب: دل کا وہ مقام جہاں کوئی جا نہ سکے/ کچھ پہنچ نہ سکے، یعنی دل کا خاص حصہ۔ مهد (تمهيد): راہ ہموار کرنا۔ نرم اور سہل کرنا۔ أذرع: ذراع کی جمع: بازو۔ محفوفة: حف (ن) سے اسم مفعول، گھیرا ڈالنا، کسی چیز کے گرد دائرہ بنانا۔ نحور: نحر کی جمع: گلا، سینہ کا اوپری حصہ۔

ترجمہ وتشریح: اس ننھے بچے نے دل کے اس گوشے میں ٹھکانہ بنایا ہے جہاں دوسرں کا داخلہ منع ہے اور گھیرے میں لینے والے بازو اور سینے اس کے لیے ہموار ہو گئے۔

اس بچے نے اپنی معصومیت اور بھولے پن سے دل کے انتہائی خاص مقام میں اپنی جگہ بنالی ہے اور اسے دیکھ کر دل بے ساختہ چاہتا ہے کہ بس اسے بازوؤں میں بھر کر گلے سے چمٹا لیا جائے۔

فكلُّ مُفَدّاةِ الترائِبِ مُرْضِعٌ　　وكلُّ مُحَيَّاةِ المحاسِنِ ظِئرُ

معانی مفردات: مفداة: تفدية سے اسم فاعل/ (صرفی اعتبار سے مفعول بھی ہو سکتا ہے): یعنی فدیہ دے کر چھڑانا۔ ترائب: تريبة کی جمع، سینہ کی ہڈی، مراد پستان جو سینے پر ہوتے ہیں۔ مفداة الترائب: کا معنی ہے وہ عورت جس نے اپنا پستان چھڑا لیا ہو، یعنی جس نے دودھ پلانا چھوڑ دیا ہو۔ محياة المحاسن: حسین چہرے والی عورت: مراد کنواری عورت جس کے ابھی تک کسی بچے کو دودھ پلانے کی نوبت ہی نہ آئی ہو۔ مرضع: دودھ پلانے والی عورت۔ ظير: دایہ، جو دوسری عورت کے بچے کو دودھ پلائے۔

ترجمہ وتشریح: تو ہر وہ عورت جو اپنی چھاتی کو دودھ پیتے بچے سے چھڑا چکی ہو، وہ بھی اسے دودھ پلانے والی ہو جائے اور ہر حسین چہرے والی (کنواری عورت جس نے ابھی کسی بچے کو جنم بھی نہ دیا ہو، نہ دودھ پلایا ہو) وہ بھی اسے دودھ پلانے والی ہو جائے۔

یعنی وہ بچہ دل کو اس قدر بھا جانے والا ہے کہ اسے دیکھ کر ہر وہ عورت جو شادی شدہ ہو اور کسی شیر خوار کو دودھ پلا چکی ہو اور ہر وہ عورت جو کنواری ہو اور ابھی تک کسی شیر خوار سے اس کا سابقہ نہ پڑا ہو، چاہے گی کہ اسے اپنی چھاتی سے لگا کر اپنا پستان اس کے منہ میں ڈال دے۔

عَصَيْتُ شفيعَ النفس فِيهِ وقادَني　　رَوَاحٌ لِتَدْآبَ السُّرى وبُكُورُ

ترجمہ وتشریح: میں نے اس بچے کے بارے میں سفارشی نفس کی نافرمانی کی اور صبح وشام چلنے نے سفر پیہم کے لیے میری قیادت ورہنمائی کی۔

یعنی اس بچے کو چھوڑ کر چل پڑنا میرے لیے بہت مشکل تھا، دل کسی طرح آمادہ نہیں تھا، پھر بھی دل کی آواز کی طرف سے میں نے اپنے کان بند کر لیے اور روانہ ہو گیا اور راستے میں بغیر کہیں رکے، صبح وشام مسلسل چلتا رہا، کیونکہ اگر کہیں رکتا تو اس معصوم کا جوش محبت مجھے آگے نہ بڑھنے دیتا، اس طرح مسلسل سفر نے منزل مقصود تک پہنچنے میں میری رہنمائی کی۔

وطارَ جَناحُ الشَّوْقِ بِي وَهَفَتْ بِهَا　　　جوانِحُ من ذُعْرِ الفِراقِ تطيرُ

معانی مفردات: جوانح: جانحة کی جمع: چھوٹی پسلی جو سینے کے پاس ہے، مراد دل۔ ذعر: خوف، ڈر۔

ترجمہ وتشریح: شوق کا بازو مجھے لے اڑا اور جدائی کے خوف سے اس (یعنی زوجہ) کے دل کی حرکت تیز ہو گئی اور اس کا دل خوف کے آسمان میں پرواز کرنے لگا۔

لئِنْ وَدَّعَتْ مني غَيوراً فإِنَّني　　　عَلَى عَزْمَتِي من شَجْوِها لَغَيُورُ

ترجمہ وتشریح: اگر اس (زوجہ) نے غیرت مندی کے ساتھ الوداع کہا ہے تو اس کے دکھ درد کی وجہ سے، میں اپنے ارادے پر زیادہ غیرت والا ہوں۔

یعنی اگر وہ اتنی غیرت مند ہے کہ جدائی کے شدید احساس اور نہ رکنے والے آنسوؤں کے باوجود مجھے الوداع کہہ سکتی ہے، تو میں تو اس سے زیادہ غیرت والا ہوں، اپنی رفاقت میں اس کے دکھ بھرے دنوں کو دیکھ کر، عامری کے دربار میں جانے اور طالع آزمائی کرنے کا جو فیصلہ میں نے کیا ہے، میں اسے ضرور پورا کروں گا، تاکہ اس کے اشکوں کے سیل رواں کے آگے بند باندھ سکوں اور اس کے ہونٹوں پر آسودگی کی مسکراہٹ سجا سکوں۔

ولو شاهَدَتْني والصَّواخِدُ تَلْتَظي　　　عَلَيَّ ورقراقُ السراب يَمُورُ

معانی مفردات: الصواخد: صاخدة کی جمع: گرم دوپہر۔ التظی: شعلہ بھڑکنا۔ رقراق: چمکتی ہوئی کوئی بھی چیز۔ السراب: سخت دوپہر میں گرمی کی شدت کی وجہ سے زمین پر پانی وغیرہ کے مانند جو موج مارتی لہریں نظر آتی ہیں، فریب نظر۔ یمور (مور): موج مارنا، لہریں پیدا ہونا، متحرک اور مضطرب ہونا۔

ترجمہ وتشریح: اور اگر وہ مجھے دیکھتی جب کہ چلچلاتی دھوپ مجھ پر شعلہ فشاں ہے اور سراب کی پرفریب چمک موج مار رہی ہے۔

أُسَلِّطُ حَرَّ الهاجِراتِ إذَا سَطَا　　　عَلَى حُرِّ وَجْهِي والأَصيلُ هَجِيرُ

معانی مفردات: سلط: مسلط کرنا، قدرت دینا، یہاں خود کو گرمی کے اوپر مسلط کرنا مراد ہے، یعنی سامنا کرنا/ مقابلہ کرنا، بلفظ دیگر اصل عبارت اس طرح ہے: أسلط نفسي على حر الهاجرات۔ سطا، سطوا (ن): حملہ کرنا۔ حر الوجه: چہرے کا ظاہری حصہ۔ أصيل: شام کا وقت جب سورج زرد ہو جاتا ہے۔ هجير: مہجور، متروک، چھوڑا ہوا، ناقابل ذکر۔

ترجمہ وتشریح: (اگر وہ مجھے دیکھتی) کہ میں سخت گرم دوپہر کی گرمی کا کس طرح مقابلہ کرتا ہوں جب وہ میرے چہرے کے خدوخال پر حملہ آور ہوتی ہے اور شام کا وقت (جب سورج زرد ہو جاتا ہے) قابل ذکر نہیں (کیونکہ اس وقت حرارت وتمازت کم ہو جاتی ہے۔)

وأَسْتَنْشِقُ النَّكْباءَ وَهْيَ بَوارِحٌ　　　وأَسْتَوْطِئُ الرَّمْضاءَ وَهْيَ تَفُورُ

معانی مفردات: استنشاق: سونگھنا، سانس کے ذریعے کوئی چیز اندر کھینچنا۔ النکباء: ج: نُکُب، ہوا جو اپنے رہ گزر سے ہٹ کر دوسری دو دو ہواؤں مثلاً باد صبا اور باد شمالی کے درمیان آ جائے، کج رفتار ہوا۔ بوارح: بارحة کی جمع: موسم گرما کی سخت/گرم ہوا، لو۔ استوطئ: واحد متکلم از استفعال: روندنا، پامال کرنا۔ الرمضاء: شدید گرمی، گرمی کی شدت سے تپتی ہوئی زمین اور پتھر وغیرہ۔ تفور (فوران سے): ابلنا، زمین کا سینہ چیر کر خوب تیزی کے ساتھ بہنا۔

ترجمہ وتشریح: (اگر وہ مجھے دیکھتی کہ) میں موسم گرما کی کج رفتار گرم ہوا سونگھتا ہوں اور شدت حرارت سے ابلتی، تپتی زمین روندتا ہوں۔

وللْمَوْتِ فِي عيشِ الجبانِ تلوُّنٌ وللذُّعْرِ فِي سَمْعِ الجريءِ صَفيرُ

معانی مفردات: جبان: بزدل، کم ہمت۔ تلون: رنگا رنگ ہونا، کسی ایک خصلت پر باقی نہ رہنا۔ ذعر: خوف۔ سمع: سننا، حاسہ سماعت، کان۔ جريئ: بہادر، بلند ہمت۔ صفير: سیٹی۔

ترجمہ وتشریح: بزدل شخص کی زندگی میں موت کے متنوع رنگ ہوتے ہیں اور بہادر آدمی کے کان میں خوف (کی آواز) بانگ [نشاط انگیز] ہوتی ہے۔

لَبانَ لَهَا أَنِّي مِنَ الضَّيمِ جازِعٌ وأَنِّي عَلَى مَضِّ الخُطُوبِ صَبُورُ

معانی مفردات: ضيم: ظلم۔ جازع: اسم فاعل از جزع: گھبرانا، افتاد پر صبر نہ کرنا۔ مض: (ف): چوسنا۔ خطوب: خطب کی جمع: سخت معاملہ۔ صبور: صابر کا مبالغہ۔

ترجمہ وتشریح: (اگر وہ مجھے مذکورہ حالات میں دیکھتی) تو اس کے لیے یہ بات روشن ہو جاتی کہ میں ظلم سے گھبراجاتا ہوں/ظلم پر صبر نہیں کرتا لیکن تلخ حالات کا کڑوا گھونٹ پینے کے معاملے میں بہت زیادہ صابر ہوں۔

أَمِيرٌ عَلَى غَوْلِ التَّنائِفِ مَا لَهُ إِذَا رِيعَ إلّا المَشْرِفيَّ وَزِيرُ

معانی مفردات: غول: نشہ، جنگل کی دوری، کشادگی، مشقت۔ تنائف: تنوفة کی جمع: جنگل جہاں پانی اور کوئی انسان نہ ہو۔ ريع: ماضی مجہول از راع، يروع روعا: گھبرانا، ڈرنا، ڈرانا۔ المشرفي: تلوار۔ وزير: مددگار۔

ترجمہ وتشریح: (اور اس پر یہ بھی واضح ہو جاتا کہ میں) وحشت زدہ، بے آب اور وسیع بیابان کا سردار ہوں، جس میں خوف کے وقت، تلوار کے علاوہ کوئی مددگار نہیں ہوتا۔

تشریح: (شعر 17: ولو شاهدتني والصوخد تلتظي------ سے آخر تک)

درج بالا چھ اشعار معنوی اور ترکیبی اعتبار سے ایک دوسرے سے مربوط ہیں، ولو شاهدتني شرط ہے اور لبان لها أني من الضيم جازع ------ جواب شرط ہے، اس کے بعد والا شعر بذریعہ عطف اسی سے پیوست ہے۔ درمیان میں والصواخد ------، شاهدتني کی ضمیر متکلم مفعول سے حال واقع ہے، بعد میں اسلط ------ استنشق ------ استوطيئ ------ اسی والصواخد پر معطوف ہیں اور بیچ میں وللموت في عيش الجبان ------ یہ شعر بطور جملہ معترضہ شرط اور جواب شرط کے درمیان واقع ہے۔

11.6 ابن زیدون: حالات زندگی

پورا نام: ابوالولید احمد بن عبداللہ مخزومی ہے اور ابن زیدون سے مشہور ہیں۔ اسپین کے مشہور علمی شہر قرطبہ میں ۱۰۰۳ء (۳۹۴ھ) ہشام ثانی کے زمانے میں پیدا ہوئے۔ یہ سیاسی کشمکش کا دور تھا، امویوں اور دوسروں کے درمیان، عرب اور بربر کے مابین کشمکش جاری تھی۔ آخری اموی خلیفہ کا جب قتل ہوا تو قرطبہ میں ابوالحزم بن جہور کی حکومت قائم ہوگئی۔

11.6.1 پرورش

ابن زیدون کی نشوونما ایک مثقف ومہذب ماحول میں ہوئی چونکہ والد کا شہر قرطبہ کے ذی مرتبت، امرا، اہل ثروت اور فقہا میں شمار ہوتا تھا اس لیے انہوں نے بیٹے کی تربیت کے لیے ادبا اور اہل تربیت کو مامور کیا تھا۔ لیکن والد کا سایہ بیٹے کے گیارہویں سال میں سر سے اٹھ گیا، تو پھر نانا نے اپنی پوری توجہ نواسے کی تربیت کے لیے وقف کر دی۔ چنانچہ بہترین تربیت ملی، نوعمری ہی سے شعر کہنے لگے تھے۔ ابن زیدون ابوالحزم بن جہور بادشاہ کی جانب مائل ہو گئے اور شہزادہ ابوالولید سے گہری دوستی ہوگئی تھی۔ جب شہزادہ تخت شاہی پر متمکن ہوا تو شاعر ابن زیدون کو طلب کیا اور ذمیوں سے متعلق وزارتی امور اور شاہان سے رابطہ کے لیے امور سفارت خانے کا قلمدان سپرد کر دیا تھا۔ اسی لیے اس کو ''ذو الوزارتین'' کا لقب ملا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ دنیوی کامیابی کے زینے بڑی تیزی سے طے کرے گا مگر وہ ولّادہ کی زلف گرہ گیر کا اسیر ہوگیا۔ ولادہ سابق خلیفہ المستکفی کی بیٹی تھی۔ حسن وجمال کے علاوہ وہ ذہانت وفطانت اور شعر گوئی وادب شناسی میں یکتا تھی۔ قرطبہ میں اس کا مکان شعرا وادبا کا مرجع تھا۔ المقری کے بقول ظاہری بے حجابانہ انداز کے باوجود، اس کی عفّت مسلم تھی۔ تاہم اگر وہ بعض اشعار جو خود مقری نے اس سے منسوب کیے ہیں واقعی اس کے ہیں تو کم از کم گفتار کی حد تک اس کی بے حجابی فحش گوئی تک جا پہنچی تھی۔ بطرس البستانی کے تخیّل نے ولّادہ کی تصویر خوب بنائی ہے۔

"وكانت ولادة أديبة مثقفة تميل إلى الأدباء وتعاشرهم وماجنة لعوبا تعبث بالقلوب وتحطمها، تمنح مودتها لمن تشاء وتستردها متى تشاء، فلم تكن في ودها كاذبة ولا في رجوعها عنه غادرة وانما هو طبعها المرح الهازي يستلذ خفقان القلوب فتبدل واحدا بعد أخر كما "تنقل الفراشة من زهرة الى زهرة"۔

''ولّادہ ایک شائستہ ادیبہ تھی۔ ادبا سے دلچسپی اور ان سے میل جول رکھنے کا اس میں رجحان تھا۔ بے باکانہ دل لگی اور ہنسنا کھیلنا اس کی طبیعت کا حصہ تھا۔ وہ دلوں سے کھلونے کی طرح کھیلتی تھی اور انھیں توڑ ڈالتی تھی۔ جسے چاہتی اپنی محبت سے شادمان کرتی اور جب چاہتی یہ عنایات واپس لے لیتی۔ نہ وہ اپنی محبت میں جھوٹی تھی اور نہ اس سے پھر جانے میں بے وفائی کو دخل تھا۔ بس اس کی چنچل سرشت کا تقاضا یہ تھا کہ دلوں کو تڑپانے میں اسے مزا آتا تھا'' چنانچہ وہ یکے بعد دیگرے نئے دلوں پر کمند ڈالتی رہتی تھی جیسے کوئی تتلی ایک پھول سے اڑ کر دوسرے پر جا بیٹھتی ہے۔''

ولّادہ ابن زیدون پر بھی مہربان ہوئی چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اس نے ابن زیدون کے نام ایک موقعے پر پیغام بھیجا:

ترقَّبْ إذا جنَّ الظَّلامُ زِيارتي فإنّي رأيتُ اللّيلَ أكْتمَ للسّر

و بِي منک ما لو کان بالبدرِ ما ھَذا   و باللّیل ما أدْجَی و بالنّجمِ لم یَسْر

''جب اندھیرا خوب چھا جائے تو میری ملاقات کے منتظر رہنا کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ رات کا وقت رازداری کے لیے زیادہ موزوں ہے۔ تمہاری وجہ سے میری جو کیفیت ہے اگر مہ کامل کی ہوتی تو وہ جلوگر نہ ہوتا اور اگر رات کی یہ کیفیت ہوتی تو تاریک ہونا اس کے لیے ممکن نہ رہتا اور اگر ستارے کی ہوتی تو سفر شب اس کے لیے دشوار ہو جاتا۔''

ادھر وزیر ابو عامر ابن عبدوس بھی ولّادہ کے دلدادگان میں تھا اور ولّادہ کی عنایات سے سراسر محروم بھی نہ تھا۔ ابن زیدون کا دل رقابت کی آگ میں جلتا تھا مگر مجبور تھا۔

اسی رقیبانہ چپقلش میں ابن زیدون نے ولّادہ کی زبانی ابن عبدوس کے نام وہ مشہور مکتوب لکھا جو ''رسالہ ابن زیدون'' کے نام سے اندلس کے نثری ادب میں یادگار ٹھہرا اور بعد کے زمانے میں کئی ادیبوں نے اس کی شرح لکھی۔ یہ مکتوب نادر ادبی تلمیحات کا ایک مرقّع تھا جن کے حوالے سے ابن عبدوس پر سخت کیچڑ اچھالی گئی تھی۔ اس کشمکش کے نتیجے میں ابن عبدوس نے ابن زیدون کے بعض اور مخالفین سے ساز باز کر کے ابوالحزم ابن جہور کو اس سے بدگمان کر دیا۔ چنانچہ اس نے ابن زیدون کو جیل میں ڈلوا دیا۔ ابن زیدون نے امیر ابن جہور کے نام بہت سے قصیدے مدح و شکایت کے لہجے میں لکھے۔ اس کے بیٹے ابوالولید کو درمیان میں ڈالنا چاہا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا اور کئی برس اس کو قید و بند کی صعوبت جھیلنا پڑی، زنداں کے ان ہی تلخ ایام میں وہ شاعری بھی تخلیق ہوئی جو ولّادہ کی شیریں یادوں سے عبارت ہے۔

اس کے بعد کے واقعات میں اختلاف ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے ابوالولید نے بالآخر ابن زیدون سے حق دوستی نبھایا اور باپ سے سفارش کر کے اسے زنداں سے نکلوایا۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ خود قید خانے سے فرار ہو گیا۔ ہاں اس بات کا امکان ہے کہ اس فرار میں ابوالولید نے اسے مدد دی ہو۔ کچھ عرصہ وہ قرطبہ ہی میں روپوش رہا اور ولّادہ کی یاد میں پرسوز شاعری کرتا رہا اسی اثنا میں ابوالحزم ابن جہور کا انتقال ہو گیا اور ابوالولید بھی اس سے بدظن و سرگرداں ہو گیا لیکن جلد ہی یہ گرہ جاتی رہی۔ تاہم گمان یہ گزرتا ہے کہ شاید خود ابن زیدون کے آئینۂ دل پر کچھ غبار رہ گیا۔ چنانچہ رفتہ رفتہ اس نے اپنے سفارتی اثر و رسوخ سے فائدہ اٹھا کر اشبیلیہ کے حکمراں معتمد کے والد ''عبّاد بن محمد المعتضد باللہ'' سے تعلقات استوار کر لیے اور قرطبہ کو چھوڑ کر۔ جو ولّادہ کے بعد اس کے لیے دوسری عزیز ترین چیز تھی۔ المعتضد ہی کے دربار میں منتقل ہو گیا۔ عین ممکن ہے کہ اس میں ولّادہ کے ہرجائی پن اور اس کی سرد مہری کو بھی دخل ہو کیونکہ کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ اس عشق کا منطقی انجام کیا ہوا۔

اشبیلیہ میں ابن زیدون نے اچھے دن دیکھے۔ وہ معتضد کی مدح میں قصائد کہتا رہا۔ معتضد نے اس سے دوستانہ سلوک رکھا اور اسے بیک وقت وزارت عظمیٰ و سالاری افواج کے مناصب سونپ کر ''ذوالوزارتین'' دو وزارتوں والا'' (یعنی وزارت سیف و قلم) کا خطاب دیا۔ معتضد کے بعد معتمد نے بھی اس کے ساتھ یہی حسن سلوک برقرار رکھا اور اس کے فن کی بڑی قدردانی کی۔ دونوں باہم جو ادبی خط اٹھاتے تھے اس کا ایک نمونہ وہ منظوم پہیلیاں ہیں جو وہ ایک دوسرے کو بھیجتے تھے اور پھر ان کا حل بھی نظم میں پیش کیا جاتا تھا۔ یہ پہیلیاں دیوان معتمد کے حصہ ''المعمیات'' میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

ابن زیدون کو قرطبہ سے جو عشق تھا اسی کے سبب وہ رفتہ رفتہ معتمد پر اثر انداز ہوا اور اسے عملاً قرطبہ پر لشکر کشی کر کے اسے بنو جہور سے چھین لینے پر آمادہ کر لیا۔ اب معتمد کا دربار عارضی طور پر قرطبہ منتقل ہو گیا اور ابن زیدون اپنی فردوس گم گشتہ میں واپس پہنچ گیا۔ شاید یہ اس کی زندگی کا

آسودہ ترین زمانہ تھا جس میں گرتی ہوئی صحت اور ولاّدہ کی یاس انگیز یادوں کے سوا غالباً اور کوئی چیز خلل انداز نہ تھی۔لیکن سات آسمان رات دن گردش میں ہیں اور ابن آدم کو خبر نہیں ہوتی کہ یہ گردش کہاں اس کے لیے کیا جال بُن رہی ہے۔معتمد کا قرب، سیاسی وجاہت، قرطبہ کو واپسی یہ سب ایسی نعمتیں نہ تھیں کہ بعض دلوں میں حسد کا کانٹا بن کر نہ چبھتیں۔معتمد کا دوسرا شاعر دوست اور سیاسی معتمد، ابوبکر بن عمار اور ابن مرتین در پردہ اس حسد میں پیش پیش تھے۔شومئ قسمت سے اشبیلیہ میں ان ہی دنوں مسلمانوں اور یہودیوں میں فساد ہو گیا۔معتمد نے اس فتنے کو دبانے کے لیے اپنے بیٹے کو ایک لشکر کی کمان دے کر قرطبہ سے اشبیلیہ روانہ کیا اور اس کے ہمراہ کچھ علما اور بعض سربرآوردہ لوگوں کا ایک وفد بھی بھیجا۔اس موقعے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ابن عمار اور ابن مرتین نے معتمد کو مشورہ دیا کہ ابن زیدون کو اشبیلیہ میں خاصا اثر ورسوخ حاصل ہے لہٰذا اسے بھی وفد میں شامل کرنا مناسب ہوگا۔معتمد کے حکم پر چارو ناچار اسے یہ سفر اختیار کرنا پڑا جو اس کی گرتی ہوئی صحت کے سبب اس کی زندگی کا آخری سفر ثابت ہوا۔وطن کی خاک میں شاید کچھ ایسی کشش نہ تھی۔ چنانچہ وہ اشبیلیہ ہی میں دفن ہوا۔قرطبہ سے دور جس کی یاد میں اس نے ایام اسیری کے دوران اپنی مشہور طویل ترین مخمس کہی تھی۔

أَقُرطُبَةُ الغَرّاءُ هَل فِيکَ مَطمَعُ
وَهَل كَبِدٌ حَرّى لِبَينِکَ تَنفَعُ
وَهَل لِلَيالِيکَ الحَمِيدَةِ مَرجِعُ
إِذِ الحُسنُ مَرأىً فيکِ وَاللَهوُ مَسمَعُ
وَإذ كَنَفُ الدُنيا لَدَيکِ مُوَطَّأُ

نهارُکِ وَضّاحٌ وَ لَيلُکِ ضَحيانُ
وَتُربُکِ مَصبوحٌ وَغُصنُکِ نَشوانُ
وَأَرضُکِ تُكسى حينَ جَوُّکِ عُريانُ
وَرَيّاکِ رَوحٌ لِلنُفوسِ وَ رَيحانُ
وَحَسبُ الأَماني ظِلُّکِ المُتَفَيَّأُ

''اے حسین و درخشاں قرطبہ کیا تیری آرزو کرنے کی گنجائش ہنوز باقی ہے۔
اور کیا اس جگر کی پیاس بجھنے کا کوئی امکان ہے جو تیری جدائی کے سبب تشنہ ہے۔
کیا تیری مرغوب و پسماندہ راتیں پلٹ کر آسکتی ہیں۔
کہ جب تجھ میں حسن جنت نگاہ تھا اور ہنسی دل لگی کی باتیں فردوس گوش۔
اور جب دنیا تیری فضاؤں میں ہموار و سازگار تھی۔
جب تیرے دن چمکیلے تھے اور راتیں بے ابر۔
اور تیری خاک صبوحی پیے ہوئے تھی اور تیری شاخ سرمست۔

اور تیری زمین لباس (سبزہ) میں مستور تھی۔
جب کہ تیری فضا بے لباس تھی اور تیری مہکار دلوں کے لیے راحت و رزق کی حیثیت رکھتی تھی۔
اور تیرے سائے کی پناہ، آرزوؤں کا منتہائے مقصود تھی۔''

11.6.2 سیاسی زندگی

ابن زیدون نے اپنی آنکھ سے سیاسی اتار چڑھاؤ خوب دیکھے، بنوامیہ کی حکومت کے سورج کو ڈوبتے دیکھا تو دوسری طرف طوائف الملوکی کا سورج نکلتا اور چڑھتا دیکھا۔ اسپین میں بنوامیہ کی حکومت 710ء سے لے کر 1030ء تک رہی، عبدالرحمن داخل کے بعد کئی ایک حکام وخلفا برسر اقتدار ہوئے، ہشام بن داخل، حکم بن ہشام رابضی، عبدالرحمن بن حکم، محمد بن عبدالرحمن، منذر بن محمد بن عبدالرحمن، عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمن اور عبدالرحمن بن محمد بن عبداللہ بن محمد جس کا لقب ''الناصرلدین اللہ'' تھا اور جو اپنے نام کے ساتھ امیر المؤمنین کا لقب اختیار کیا، اس زمانہ میں بنوامیہ کی حکومت کا جلوہ تھا، شان وشوکت اور عزت و وقار بلندی پر تھی، اس کی حکومت تقریباً ۵۰ سال رہی، پھر زمام اقتدار نااہلوں کے ہاتھوں جانے کی وجہ سے حکومت زوال پذیر ہوگئی۔

اموی حکومت کے زوال کے اسباب میں سے ایک عربوں اور بربر قوم کی عداوت و دشمنی تھی، جس کے پیچھے سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی مقاصد وابستہ تھے، بغداد کی طرح وہاں بھی مختلف قومیں، عرب، بربر، صقالبہ، یہود اور خود اصلی اسپینی باشندے تھے، جن کے درمیان ہم آہنگی اور باہم میل جول ہونے کے بجائے سیاسی وفکری ٹکراؤ ہوا تو مملکت ٹوٹ کر بکھر گئی۔ اپنوں اور باہر کے دشمنوں کو اپنے مفادات حاصل کرنے کے مواقع ہاتھ آ گئے۔

بنوامیہ نے بھی آخری دور میں ملکی اور قومی مفادات کو پسِ پشت ڈال کر اپنے ذاتی اغراض پر توجہ مرکوز کر لی تھی، ظلم واستبداد، غیر منصفانہ جزیے اور ٹیکس تھوپنا اور خود ملک کی نگہبانی وترقی میں صلاحیت لگانے کے بجائے عیش کوشی لہوولعب اور طاؤس ورباب میں مست ومگن ہو گئے تھے۔ اندرون خلافت اموی شہزادوں میں کچھ خلافت کے دعویدار کھڑے ہو گئے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گیا، ہر ریاست کا خودمختار حاکم اپنے تحفظات، فوج، قلعہ وغیرہ بنوانے اور سنوارنے میں لگ گیا۔ چھوٹے ملک بڑی سلطنتوں کے خلاف متحد ہو گئے۔ بلکہ بعض کمزور ریاستیں رومیوں کو جزیہ دینے پر مجبور ہو گئے تھے۔

اس کمزوری کو دیکھ کر روم طاقتور بن کر کھڑا ہو گیا اور سب اس کے اشارے پر چلنے پر مجبور ہو گئے۔ قابل ذکر یہ ہے کہ ابن زیدون کا دور رومیوں اور اہلِ مغرب کے حملوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ طوائف الملوکی میں حکام اپنی ریاستوں میں مختار کل ہو کر سمٹ گئے تھے الگ الگ ہر ریاست کے حاکم نے اپنا لقب خلیفہ المعتضد، المعتمد، المظفر اور ''المامون'' وغیرہ وضع کر لیا تھا۔

اور شہر قرطبہ میں اموی حکومت کے زوال کے بعد ''بنوجہور'' کی حکومت قائم ہوئی ولی عہد ابوالولید نے چالیس سال حکومت کی اس کے بعد ''عبادیین'' کی حکومت بنی، ''دولت عبادیہ'' اسپین میں کافی مضبوط حکومت رہی، شہر اشبیلیہ تک زیر نگیں تھا۔ دولت عبادیہ کے حاکم ابوالقاسم محمد بن عباد معتمد علی اللہ کی تعلیم وتربیت ابن زیدون کے ذریعے ہوئی تھی۔

11.6.3 ادب اور تہذیب وثقافت

اشبیلیہ میں نا گفتہ بہ سیاسی حالات اور مسلسل کشمکش کے باوجود امرا و حکام کی پشت پناہی میں علوم وفنون پھیل رہے تھے۔ کتب خانوں سے دلچسپی اور رغبت عام تھی۔ اندلس مشرق کی کتابوں کو مطالعے اور محبت وتنقید کے لیے حرز جاں بنائے ہوئے تھا۔ اس انہاک نے ریاضیات، فلسفہ، علم النبات اور منطق وطب وغیرہ میں ایک جماعت تیار کر دی تھی، فن ریاضی کے ماہر کرمانی، منطق وطب میں ابن جبیرول، فلسفہ اور علم النبات میں ابن السید بطلوسی اور ابن باجہ وغیرہ۔

جہاں تک ادب کا تعلق ہے تو وہ بام عروج کو پہنچ رہا تھا، امرا کے دربار علمی دربار میں بدل گئے تھے، جہاں شعرا اور ادبا اپنی تخلیقات پیش کرتے، عام اہل ثروت نے بھی اپنے گھروں اور محل کو ثقافتی ادبی نشست گاہ بنا دیا تھا۔

شعرا و ادبا میں شہزادے اور حکام برابر شامل تھے بلکہ بعض تو عمدہ اشعار کہتے تھے جن کے ادب میں ان کی طرز زندگی، اسلوب حیات کا عکس و پرتو نظر آتا ہے، عام ادبا و شعرا نے ادب کو ذریعہ معاش بنایا تھا، یہ وہ اپنی عمدہ سے عمدہ تخلیقات پیش کرتے اور امرا و حکام سے تحفہ تحائف اور صلہ وانعام سے نوازے جاتے تھے۔

ادبی محفلوں کو گرم رکھنے اور پر رونق بنانے میں عورت کا بڑا کردار رہا۔ باندیاں، لونڈیاں جو شاہی محل میں رہتی تھیں، انھیں ایک خاص انداز کی تربیت دی جاتی تھی تا کہ وہ شعر گوئی، موسیقی، ترنم اور رقص وسرور کے ذریعہ محفلوں اور اہل ذوق کو تازہ دم رکھ سکیں اور محفلیں زندہ وآباد رہیں۔ حکام اپنی لڑکیوں کی تعلیم وتربیت کا بڑا اہتمام کرتے تھے، انہی شہزادیوں میں کچھ بڑی شاعرہ بھی ہوئیں۔ ان میں سرفہرست اموی خلیفہ مستکفی کی بیٹی ''ولادۃ'' کا نام آتا ہے۔ جس کے ساتھ ابن زیدون کے تعلقات، راہ ورسم کا شعر میں ذکر ملتا ہے۔ اسپین میں خوشگوار ماحول، مناسب آب وہوا، مناظر فطرت کی دلکشی ودلربائی کا بھی اثر رہا، اسپین میں پارکوں، باغات اور چمن زاروں میں تفریح کے لیے جانا عام ذوق تھا، پھولوں کی کیاریاں بنانے اور باغات سجانے و منظم کرنے کا مذاق عام تھا۔ ان سارے عناصر نے لہو ولعب، رقص وسرور، عشق و مستی، طاؤس ورباب، بربط و بانسری، حور وغلمان سے دلچسپی، عشق ومعاشقہ کی شاعری خوب پروان چڑھی، یہی وجہ ہے کہ کوئی اندلس کا قصیدہ لیجئے اس میں صاف مناظر فطرت کی منظر کشی نظر آئے گی۔

استعارے، تشبیہات، تلمیحات اور رمز واشارے خوب پائے جاتے ہیں، ابن زیدون کے زمانہ میں شاہان مملکت بھی شعری ذوق کے مالک تھے اور گرہ باندھتے تھے، ''مملکت عبادیہ'' کے بانی ''القاضی'' اس کے بیٹے معتضد اور معتمد بن عباد تو اندلسی شعرا کے استاذ الاساتذہ تھے۔ فخر و مباہات نسیب، غزل عفیف، زہد ومرثیہ نگاری وغیرہ موضوعات پر شعر موزوں کرتے تھے۔ ان کا بہترین قصیدہ وہ ہے جو زنداں پر ہے، وجدانی شاعری کا اعلیٰ نمونہ جس میں ظاہری جسمانی اور نفسیاتی کیفیات کا بیان ہے۔ ذاتی مشاہدات کو شعری قالب میں ڈھال دیا ہے۔ جس میں شعور کی پختگی، تعبیر کی سچائی نمایاں ہے، آسان الفاظ میں معانی کی وضاحت شیرینی ولطافت گویا سیدھی بات سیدھے انداز میں کہنے کا سلیقہ وہنرمندی تھی۔ تکلف اور آورد سے کوسوں دور تھے۔

اسی طرح بنو عباد میں شعرا کے اساتذہ کی صف میں ابو بکر بن عمار بھی ہے جس کو المعتمد خلیفہ نے اپنے سے قریب کیا اور پھر ہجو کی تہمت میں قتل کرا دیا تھا۔ اسی طرح دوسرے شاعر ابو بکر بن اللبانۃ، المعتمد، ابن حمدیس صقلی ازدی وغیرہ ہیں۔ جنہوں نے مدح، مرثیہ، زہد اور منظر نگاری پر ادبی شہ پارے، استعارے وتلمیحات وغیرہ کا ایک بہترین ادبی سرمایہ چھوڑ گئے ہیں۔ یہ تو ابن زیدون کے دور کا ایک مختصر ادبی ثقافتی جائزہ اور ایک

جھلک ہے جس سے شاعر ابن زیدون کے زمانے کا ادبی رجحان معلوم ہوتا ہے۔

11.6.4 شعری اصناف سخن

ابن زیدون کی شاعری میں مدح، مرثیہ، عشقیہ کلام اور گلہ دوستانہ کی اصناف زیادہ نمایاں ہیں۔ شعرائے اندلس میں مخمس گوئی میں اسے اولیت حاصل ہے لیکن مشرق میں اس صنف کے بعض نمونے پہلے سے موجود بتائے جاتے ہیں مثلاً بشار بن برد کے مخمسات جو اس نے محض دل لگی کے طور پر کہے۔ لہٰذا ابن زیدون کو مخمس کا موجد قرار دینا مشکل ہے۔ اس کی شاعری کا بہترین حصہ وہ تصور کیا گیا ہے جو اس نے ایام اسیری میں یا قرطبہ کے فراق میں یا وَلادہ کی یاد میں تخلیق کی۔ زنداں سے فرار کے بعد اس نے ولّادہ کے نام ایک نونیہ قصیدہ لکھ کر بھجوایا تھا۔ اس کا شمار بہترین عشقیہ نظموں میں ہوتا ہے۔

حَالَتْ لِفقدِكُمْ اَيَامُنا، فَغَدَتْ	سُوداً، و كانتْ بكُمْ بِيضاً لَيالِينَا
إذْ جانِبُ الْعَيشِ طَلْقٌ من تألُّفِنا؛	وَمَربَعُ اللّهْوِ صَافٍ مِن تَصَافِينَا
وَإذْ هَصَرْنَا فُنُونَ الوَصْلِ دانية	قِطَافُها، فَجَنَيْنَا مِنْهُ ما شِينَا
أَنَّ الزَمان الّذي ما زالَ يُضحِكُنا	أُنساً بِقُربِهِمُ قَد عادَ يُبكينا
غِيظَ العِدا مِنْ تَساقِينا الهوَى فدعَوْا	بِأن نَغَصَّ، فَقالَ الدهر آمينَا
كانّنَا لم نبِتْ، والوصلُ ثالثُنا	وَالسَعدُ قَدْ غَضَّ من أجفانِ وَ اشينَا
سِرّانِ في خاطِرِ الظّلماءِ يَكتُمُنا،	حتى يكادَ لسانُ الصّبحِ يفشينَا
لا تَحسَبُوا نَأيَكُمْ عَنّا يغيّرُنا؛	أنْ طالَما غَيّرَ النّايُ المُحِبّينَا
وَاللهِ مَا طَلَبَتْ أَهْوَاؤنَا بَدَلًا	مِنْكُمْ، وَلا انصرَفتْ عنكمْ أمانينَا

تم کیا بچھڑے ہمارے دن ہی پلٹ گئے اور سیاہ فام ہو گئے حالانکہ تمہارے ہونے سے ہماری راتیں بھی درخشاں ہوا کرتی تھیں۔

وہ زمانہ کہ جب ہماری یکجائی کے سبب پہلوئے زیست خوشگوار تھا اور ہمارے دلوں کی صفائے باہمی کے باعث چشمہ لطف و طرب صاف و شفاف تھا۔

جب ہم نے انس و محبت کی ڈالیوں کو، جن کے پھل ہماری دسترس میں تھے، اپنی طرف جھکایا اور اپنی امنگوں کے مطابق جی بھر کر خوشہ چینی کی وہی زمانہ جو اب تک ہمیں تمہارے قرب مانوس میں ہنسایا کرتا تھا۔ اب ہمیں رلانے لگا ہے۔

ہمیں باہم جام محبت پیتے پلاتے دیکھ کر دشمنوں کے دل میں آتش غیظ بھڑک اٹھی انہوں نے بددعا دی کہ (اس جام سے) ہمیں پھندا لگ جائے؛ تو زمانے نے اس پر آمین کہا۔

یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم دونوں نے وہ راتیں کبھی نہیں گزاریں جن میں اگر کوئی تیسرا تھا تو وہ خود وصال تھا اور بخت ساز گار نے ہمارے بدخواہ کی نگاہیں نیچی کر رکھی تھیں۔

ہم دونوں شب تاریک کے ضمیر میں دورازوں کی طرح ہوتے تھے جنہیں وہ پوشیدہ رکھتی تھی حتی کہ صبح کی زبان ان کے افشا پر آمادہ ہو جاتی تھی۔

یہ گمان دل میں نہ لانا کہ تمہاری جدائی سے ہماری محبت میں کچھ فرق آسکے گا۔ گو بسا اوقات جدائی سے عاشقوں کی محبتیں متاثر ہو جاتی ہیں۔ بخدا ہماری محبتوں نے تمہارا کوئی بدل تلاش نہیں کیا اور نہ ہماری آرزوؤں کا رخ تمہاری طرف سے پھرا ہے۔

11.7 قصیدۃ ابن زیدون: ”إني ذكرتک بالزهراء مشتاقا“

1	إنّي ذَكرْتُکِ، بالزّهْرَاء، مُشْتاقا،	وَالأُفْقُ طَلقٌ وَمَرْأى الأرْض قد رَاقَا
2	وَللنّسيمِ اعْتِلالٌ، فِي أصَائِلِهِ،	كأنّهُ رَقّ لِي، فَاعْتَلّ إشْفَاقَا
3	وَالرّوْضُ، عن مَائِهِ الفِضّيّ، مُبتسِمٌ،	كما شَقَقتَ، عَنِ اللَّبّاتِ، أطْوَاقَا
4	يَوْمٌ، كأيّامِ لَذّاتٍ لَنَا انصرَمتْ،	بِتْنَا لها، حينَ نامَ الدّهرُ، سراقَا
5	نَلْهُو بما يَسْتَمِيلُ العَينَ من زَهَرٍ	جَالَ النّدَى فِيهِ، حتّى مَالَ أعنَاقَا
6	كَأنّ أعْيُنَهُ، إذْ عَايَنَتْ أرَقي،	بَكَتْ لِما بِي، فجَالَ الدّمعُ رَقرَاقَا
7	وَرْدٌ تألّقَ، في ضَاحي مَنَابِتِهِ،	فازْدَادَ منهُ الضّحى، في العينِ، إشراقَا
8	سَرَى يُنَافِحُهُ نَيْلُوفَرٌ عَبِقٌ،	وَسْنَانُ نَبّهَ مِنْهُ الصّبْحُ أحْدَاقَا
9	كُلٌّ يَهِيجُ لَنَا ذِكْرَى تَشَوّقِنَا	إلَيکِ، لم يَعْدُ عَنها الصّدرُ أن ضَاقَا
10	لَا سَكّنَ اللهُ قَلْباً عَقّ ذِكْرَكُمُ	فلم يَطِرْ، بِجَنَاحِ الشّوْقِ، خَفّاقَا
11	لَوْ شاءَ حَملي نَسيمُ الصّبحِ حينَ سَرَى	وَفاكُمُ بِفَتًى أضْنَاهُ ما لاقَى
12	لَوْ كَانَ وَفّى المُنَى، فِي جَمعِنا بكُم،	لَكَانَ مِن أكْرَمِ الأيّامِ أخلاقَا
13	يا عِلْقِي الأخطَرَ، الأسنى، الحَبيبَ إلى	نَفسي، إذا ما اقتَنى الأحبابُ أعلاقَا
14	كان التّجارِي بمَحضِ الوُدّ، مذ زَمنٍ،	مَيْدانَ أُنْسٍ، جَرَيْنَا فِيهِ أطْلاقَا
15	فَالآنَ، أحمَدَ ما كنّا لعهدِكُمُ،	سَلَوْتُمُ، وَبَقِينَا نحنُ عُشّاقَا!

11.8 اشعار کا ترجمہ

(۱) شہر ”زہرا“ میں بڑے اشتیاق کے ساتھ تمہاری یاد آئی، (کیونکہ) آسمان صاف ستھرا ہے اور زمین کا منظر نہایت دلکش ہے۔

(۲) ہوا سرِ شام خنکی لیے چلی، گویا وہ میرے حال زار پر ترس کھا کر بیمار و نحیف سی ہو گئی۔

(۳) (باغ کی) کیاریوں میں موجود صاف و شفاف پانی ایسا چمک رہا ہے جیسے کہ تمہارا سینہ لباس سے جھانک رہا ہو۔

(۴) یہ ہمارے ماضی کے لذت آفرین ایام کی طرح ایک دن ہے جس میں ہم زمانہ سے آنکھ مچولی کر کے لذتِ کام و دہن سے لطف اندوز

ہوتے تھے۔

(۵) ہم ان پھولوں سے کھیلتے جو ہماری آنکھوں کو بھاتے تھے اور جو نازک کلیوں پر بکھرے شبنم کے ساتھ مستانہ جھومتے تھے۔

(۶) (پھولوں پر) شبنم کے (چمکتے) قطرات گویا میری بے چینی اور حالت زار دیکھ کر رو رہے تھے جس کی وجہ سے (میں بھی) زار و قطار رونے لگا۔

(۷) گلاب کا پھول کھل اٹھا، جس کی وجہ سے آنکھوں میں دوپہر کی روشنی اور زیادہ تابناک ہوگئی۔

(۸) نیلوفر کی تیز خوشبو نے گلاب (کے پھول کی خوشبو) کو مات دے دی، جب کہ نیلوفر کے اوپر اونگھ طاری تھی، جیسے ہی صبح ہوئی اس کی آنکھیں کھل گئیں یعنی تیز خوشبو پھیلنے لگی۔

(۹) ان ہی ساری چیزوں نے تم سے ملاقات کے جذبات کو بھڑکا دیا، جب کہ میرا دل سب سے تنگ آ چکا تھا۔

(۱۰) اللہ اس دل کو سکون سے محروم رکھے جو تمہاری یاد سے غافل ہو اور بازوئے شوق کو تیز نہ رکھے اور شوق میں اڑ کر تم تک نہ پہنچے۔

(۱۱) اگر نسیم صبح مجھے اپنے دوش ناتواں پر اٹھا کر تم تک پہنچا دیتی تو تم ایک ایسے جواں سال کو (اس حال میں) پاتی جس کو غم عشق نے نحیف و لاغر بنا دیا ہے۔

(۱۲) اگر تمنائیں اور آرزوئیں ہماری ایک دوسرے کے ساتھ ملاقات کے تئیں پوری ہو جاتیں تو وہ دن ہمارے لیے سب سے زیادہ کریم اور با اخلاق ثابت ہوتا۔

(۱۳) جب احباب بہترین اور عمدہ چیزیں چنتے ہیں تو میرے نزدیک سب سے عمدہ بہترین اور محبوب ترین چیز جو ہوتی ہے وہ تم ہی ہوتی ہو۔

(۱۴) ہم دونوں کے تعلقات ایک مدت تک محض خالص و پاکیزہ محبت کی بنیاد پر قائم و استوار رہے جس میں ہم نے پورے انشراح اور آزادی کے ساتھ بھرپور زندگی جی۔

(۱۵) آج وہ تسلیم و رضا کے عہد و پیمان کو تم بھول گئیں، جب کہ ہم نیم بسمل کی طرح تڑپتے ہوئے اسی عہد پر قائم ہیں۔

11.9 اشعار کی تشریح و تحلیل اور تجزیہ

ابن زیدون کی شاعری پر نظر ڈالی جائے اور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اشعار میں ہجر و فراق اور جدائی و محرومی کا ذکر ملتا ہے جس میں وصال حبیب کی امید پنہاں ہوتی ہے کہ شاید محبوبہ ''ولادۃ'' کی طرف واپس آنے اور لوٹنے میں قسمت نے یاوری کی ہو۔ کچھ اشعار ایسے ہیں جو دوری و مجبوری کا یقین دلاتے ہیں، چنانچہ اس میں ذکر ہوتا ہے ماضی کی یادوں کا، محبتوں کے فسانوں کا، عشق و مستی کے جذبات کا، اس کے ساتھ اس میں غم و اندوہ کی وہ شہنائی، لہریں اور لے پائی جاتی ہے جس میں امید وصال حبیب بھی ہوتی ہے۔

پیش نظر قصیدے کے مطالعے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق، اس کی نغمگی اس مضمون کی طبیعت سے میل کھاتی ہے جہاں شاعر فطرت کے ساز کو چھیڑتا دکھائی دیتا ہے، اپنے غم عشق و غم حیات کو فضا میں بکھیرتا نظر آتا ہے۔ اس سے اس کو تھوڑی سی راحتِ جاں کا سامان میسر آتا ہے اور اس میں اظہار ہے اندرونِ شوق کا جو ماضی کی یادوں کے دریچے وا کرتے ہیں۔

شاعر اس قصیدہ میں اگرچہ فطرت کی منظر کشی کرتا ہے مگر دراصل اپنی محبوبہ ''ولادۃ'' سے گفتگو اور ہم راز ہونے کی تمہید ہے:

(۱) 1 - 4 اشعار میں ماضی کی یادوں کے ساتھ مناظر فطرت سے ہم کلامی اور منظر کشی ہے۔

(۲) 5 - 8 شہرِ زہرا کے دلربا مناظر اور خوب صورتی کا بیان ہے۔

(۳) 9 - 12 نفسیاتی پریشانیوں، الجھنوں اور ان سے نکلنے کی تمنائیں اور شوق کا ذکر ہے۔

(۴) 13 - 15 ماضی کی یاددہانی اور وعدہ وفا کی طرف اشارہ محبوبہ کی بے رخی و بے اعتنائی اور خود عہد و پیمان پر قائم رہنے کا ذکر ہے۔

تشریح:

(۱) اندلسی شاعر ابن زیدون اپنی محبوبہ ''ولادۃ'' شہزادی (جو خود ایک بڑی شاعرہ اور ادیبہ تھیں) سے سرگوشی کرتے ہوئے اپنے عشق و محبت، مہر و وفا، شوقِ حسنِ یار کے دیدار کو ظاہر کرتے ہوئے نغمہ سرا ہوتا ہے، کہ شہر ''زہرا'' میں تیری خوب یاد آئی۔ جہاں تجھ سے ملنے کا شوق فزوں تر ہو گیا اور کیوں نہ ہو کہ ماحول خوشگوار تھا، آسمان صاف تھا، زمین سبزہ زار اور لہلہا رہی تھی، پھولوں کی مہک، غنچوں کی چٹک بلبل کا ترنم دریا کا شور تھا، ان سب نے مل کر دل کے تاروں کو چھیڑ دیا اور بس پھر تیری یاد ستانے لگی۔

(۲-۳) پھر مناظر طبیعت کو تمثیلاً انسانی درجے میں رکھ کر اسے جذبات اور ماضی کی یادوں میں شامل کیا کہ سر شام ہوا میں بڑی خنکی تھی، چمن اور باغ کے پھول کھلے ہوئے تھے، صاف و شفاف چاندی کی خوب صورت تھال میں جیسے پانی رواں تمہاری گردن کی خوب صورتی کو نمایاں کر رہی تھی جب اس سے کپڑا ہٹایا جاتا ہے۔

(۴-۸) اس ہوش ربا منظر میں ماضی کے ان خوب صورت لمحات اور لطف اندوزی کی یادیں پوشیدہ ہیں جن میں وہ دونوں، شیریں گفتگو، راز و نیاز کی باتیں اور چپکے چپکے حاسدوں اور ملامت گروں کی ملامت سے اور ان سے نظریں چرا کر سر شام پھولوں کی کیاریوں میں ٹہلتے ہوئے ٹھنڈی ہواؤں میں مشام جاں کو معطر کرتے رہتے تھے اور آنکھیں ان پھولوں پر پڑے اولے جو تیز ہوا کے چلنے سے پنکھڑیوں سے آنسو کی طرح ٹپکتے منظر سے آسودہ ہوتیں۔ یہاں پر بھی ان پھولوں کو انسانی درجے میں رکھ کر اپنے غموں اور ماضی کی یادوں میں شریک کیا اور شہرِ زہرا کی خوب صورتی، مناظر کی دلکشی کے بارے میں ذکر چھیڑ دیا اور وہاں کے گلاب، پھول پتیاں، سبزہ و ہریالی اور ان پر سورج کی کرنیں پڑنے سے ایک نئی قسم کی چمک دمک پیدا ہوئی، جس نے قلب و نظر کو اپنا اسیر بنا لیا، وہیں گلاب کے پھول کے سامنے وہ نیلوفر کی تیز خوشبو بھی ہے جس نے سارے پھولوں کی خوشبو کو مات دے دی ہے۔ صبح کے وقت جب اس کے پھول کھلتے ہیں اور اس کی خوشبو فضا میں بکھرتی ہے تو اونگھ میں جھومتا انسان بھی بیدار ہو جاتا ہے۔

(۹-۱۲) شاعر جو کچھ اپنے ارد گرد دیکھتا، مشاہدہ اور محسوس کرتا ہے، اس سے وہ تمام چیزیں، ماضی کے حسین لمحات، یادیں، جوانی کے ایام بہاراں، کھنڈرات کی وحشت، محبوب کے ہجر و فراق کی تلخی اور انس و محبت کی سرزمین کی یادیں، مقامات سیر و تفریح کی جگہیں جن سے دل کی دنیا چکنا چور پاتا ہے اور ایک طرح کی تنگی اور تکلیف محسوس کرتا ہے۔

شاعر اس دل کو مخاطب کر کے بددعائیں دے رہا ہے کہ غارت ہو جائے راحت و سکون اس دل سے جو ایفائے عہد کا پابند نہ ہوا اور اپنے حبیب سے ملنے اور وصال کی خاطر بازوئے شوق کو نہ پھیلائے اور شاعر کی تمنا ہے کہ نسیم صبح جب چلتی ہے تو وہ اپنے ساتھ عاشق زار شاعر کو بھی اٹھا لے جاتی تاکہ وصال حبیب سے وہ مشام جاں معطر کرتا۔ اگر ایسا ہوا تو تم ایسے شخص کو پاؤ گے جو عشق و محبت میں گرفتار لاغر و نحیف، کمزور، دبلا پتلا ہو چکا ہے۔ شاعر تمنا کرتا ہے کہ کاش وہ وقت اور زمانہ اس کی امیدیں اور عہد و پیمان پورا کرے تاکہ شاعر کو اپنے محبوب سے ملنے کا موقع مل جائے اگر ایسا

ہوا تو وہ ایام اس کے نزدیک سب سے زیادہ کریم اور افضل ہوتے۔

(۱۳-۱۵) ان کے اشعار میں شاعر اپنی محبوبہ کو خطاب کرتا ہے جس نے اسے اپنی زلفوں کا اسیر بنا کر، قلب ونظر پر اور فکر وسوچ پر کمند ڈال رکھی ہے۔ اس کے علوِ مرتبت، عظمتِ شان اور عالی مقام کے پیش نظر اس کو ایک نہایت عمدہ قیمتی اور نایاب شئے سے تشبیہ دی کہ جیسے دوسرے لوگ مادی عمدہ نفیس چیزوں کے حصول کے لیے ہر قیمت چکاتے ہیں اس سے کہیں زیادہ قیمت وقربانی کے بعد یہ گوہر نایاب کی شکل میں محبوبہ حاصل ہوئی ہے۔

آخر میں پھر ماضی کی یادوں کے جھروکوں سے پردہ اٹھاتا ہے اور اس عہد و پیمان کے مقام اور وقت کو دوبارہ تازہ کرتا ہے جس میں عشق ووفا کے، خوشی ومسرت کے، محبت کے اور جام وصبو کے ماحول میں ہر قید و بند سے آزاد ہو کر میدان عشق ومستی میں دوڑ لگا رہے تھے اور آخری دو تین اشعار میں پُرلطف عہد ماضی کی تعریف وتوصیف میں اور موجودہ حالات پر بے وفائی اور نقض عہد و پیمان کی وجہ سے قلق واضطراب اور افسوس پر کہے ہیں کہ تو کیسی ہرجائی نکلی کہ ہم تو اس عہد و پیمان پر کھرے ثابت ہیں کوئی بادِ مخالف ہمارے عزم وحوصلہ میں شگاف نہ ڈال سکی مگر تم نے وعدہ وفا نہ کیا۔

باغبان نے آگ دی جب آشیانے کو مرے جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

11.10 شعر کی جمالیات

"الأفق طلق" : استعارہ مکنیہ ہے، افق کو ایسے انسان سے تشبیہ دی جو مسکرا رہا ہے اور ہشاش بشاش ہے۔

"للنسیم اعتلال" : استعارہ مکنیہ ہے کہ نسیم صبح کو ایسے انسان سے تشبیہ دی جو علیل و بیمار ہے۔

"الروض مبتسم" : استعارہ مکنیہ ہے جس میں "روض" باغ کو انسان سے تشبیہ دی اور پورا شعر تشبیہ تمثیلی ہے۔ سبزہ زاروں کے درمیان بہتے ہوئے پانی کو ایک حسینہ سے تشبیہ دی جس نے اپنا سینہ کھولا اور اس کا حسن وجمال ہویدا ہو گیا۔

یوم کأیام لذات : تشبیہ ہے جس میں ماضی میں شہر زہراء میں حسین گذرے لمحات معشوقہ کے ساتھ گذرنے کا ذکر ہے

نام الدھر : استعارہ مکنیہ ہے کہ زمانے کو سونے والے انسان سے تشبیہ دی ہے۔

سرّاقا : مبالغے کا صیغہ "فعّال" کے وزن پر اس سے کنایہ ہے وہ بکثرت شب و روز جس میں لوگوں سے آنکھیں بچا کر وصال کی لذت سے لطف اندوز ہوتے تھے۔

تلھو من الزھر : پھولوں کو کھلونے سے تشبیہ دی جس سے کھیلا کرتے تھے۔

مال أعناق : استعارہ مکنیہ یا پھولوں کو اس انسان سے تشبیہ دی ہے جس کی گردن کثرتِ ثقل یا وزن کی وجہ سے بوجھل ہو کر جھک گئی ہو۔ پورے شعر میں "تشبیہ ضمنی" پائی جاتی ہے چنانچہ ان پھولوں کو جن پر شبنم پڑنے کی وجہ سے بوجھل ہو گئے ہیں، اس انسان سے تشبیہ دی ہے جو بوجھ اٹھانے کی وجہ سے بوجھل ہو گیا اور اس کی گردن جھک گئی ہے۔

چھٹے شعر میں تشبیہ تمثیلی پائی جاتی ہے، صبح سویرے پھولوں پر شبنم پڑنے اور گرنے کی حالت کی اس انسان کی حالت سے تشبیہ

دی جو دوسروں کی حالت دیکھ کر متاثر ہوا اور آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔

ورد تألق : کنایہ ہے غایت درجہ پھول کے چمکنے سے۔

ینافحہ نیلوفر : استعارہ مکنیہ، نیلوفر پودے کو اس انسان سے تشبیہ دی ہے جو مسابقہ اور مقابلہ کرتا ہے اور غالب آجاتا ہے۔

11.11 اکتسابی نتائج

ابن دراج کا تعلق بربری قبیلہ سے ہے۔ان کی نشونما اندلس میں ہوئی۔ وہ علم تاریخ اور علم انساب کے ماہر اور دیوان الانشا کے کاتب تھے۔انھیں اسلوب بیان پر قدرت اور فی البدیہہ شاعری میں ملکہ حاصل تھا۔خلیفہ منصور کی مدح میں کہے گئے قصیدہ سے انھیں خوب شہرت ملی اور اس کے اشعار شرقی وغربی ادب میں خوب نقل کیے گئے۔اس قصیدہ میں انہوں نے سخت گرمی میں مسلسل سفر کرنے، چلچلاتی دھوپ کی وجہ سے بیابان کی پوری زمین سراب کا منظر پیش کرنے، گرم ہوا کے تھپیڑے چہرے کو جھلسا دینے، پھیپھڑوں کے اندر پہنچنے والی ہوا تیز گرمی اور پیروں کے نیچے کی تپتی زمین کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ایسے حالات میں بزدل آدمی ہمت ہار جاتا ہے، لیکن میں بزدل نہیں، میں تو انتہائی بلند حوصلہ ہوں، اس لیے سفر کی یہ سختیاں میرے قدم نہیں روک سکیں۔وہ کہتے ہیں کہ اگر میری شریک حیات مجھے ان حالات میں دیکھتی تو اس پر یہ بات بخوبی روشن ہو جاتی کہ میں ظلم پر تو چپی سادھے نہیں بیٹھا رہتا، یعنی ظلم کی سختیاں مجھ سے برداشت نہیں ہوتیں، لیکن اس قسم کے حوصلہ شکن حالات و مصائب کی تلخیاں بڑی آسانی سے برداشت کر لیتا ہوں اور وسیع، بے آب اور سنسان جنگل کی لمبی مسافت طے کرنے کا عزم جواں رکھتا ہوں، جہاں ہر لمحہ درندوں کا ڈر ہو اور اپنے دست و بازو اور تلوار کے سوا کوئی حامی و مددگار نہ ہو۔

ابن زیدون چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں شہر علم وادب ''قرطبہ'' میں آنکھیں کھولیں اور اپنے کلام، ادب اور شعر وشاعری سے عربی ادب کے خزانے میں اضافہ کیا۔غزل گوئی، مدحیہ قصائد، فخر ومباہات، شوق وطن وغیرہ اصناف ادب آپ کے اشعار کے موضوعات ہیں۔ابن زیدون وہ شاعر ہے جس نے اپنے عمدہ قصائد اور اشعار کے ذریعہ حزن والم، یادِ وطن، ماضی کے روشن احوال، عشق ومستی کے وہ مقامات جن میں گزرے ہوئے لمحات، اشک ہائے رنج والم، شوق ومستی وغیرہ پر خاص طرز کی شعری تضمین کی وجہ سے اندلسی شعر وشاعری کو مقام بلند تک پہنچایا۔ اس کی شاعری میں مدح، مرثیہ، عشقیہ کلام اور گلۂ دوستانہ کی اصناف زیادہ نمایاں ہیں۔

مذکورہ بالا قصیدے میں شاعر نے شہر ''زہراء'' کی تعریف اس کے فطری مناظر کی دلکشی ودلربائی اور ولادہ محبوبہ کی تعریف وتوصیف جو اپنے دور کی قتالہ عالم، حسن وجمال کے علاوہ ذہانت وفطانت اور شعر گوئی وادب شناسی میں یکتا تھی، رقیبانہ چپقلش میں ابن زیدون نے ولادہ کی زبانی ابن عبدوس کے نام وہ مشہور مکتوب لکھا جو ''رسالہ ابن زیدون'' کے نام سے اندلس کے نثری ادب میں یادگار رہے۔اسی طرح یہ مذکورہ بالا قصیدہ ایک ممتاز عمدہ قصیدہ ہے۔ یہ ایک شاہکار قصیدہ ہے جیسا کہ اوپر تشریح وتوضیح میں تفصیلی جائزہ لیا گیا اور اس میں معانی کی جدت، استعارے اور ادبی پیرایے میں غیر محسوس وغیر جاندار کو جاندار کے درجے میں رکھ کر راز و نیاز کی باتیں کی گئیں اور اپنے جذبات واحساسات کو شعری قالب میں پیش کیا ہے۔اس قصیدے کی تشریح کے ضمن میں ابن زیدون کے اشعار کا مرحلہ وار جائزہ بھی لیا گیا۔اس طرح اس اکائی کے مطالعے کے ذریعے ابن زیدون، اس کی شخصیت، فن اور کلام، اصناف ادب میں اس کی طبع آزمائی، مرحلہ وار اشعار کی اقسام، ان میں پائے جانے والے استعارے، رمز واشارے پر مفصل

بحث کی گئی ہے۔

11.12 کلیدی الفاظ

مرأى الأرض	:	زمین کا منظر
الأفق	:	کنارۂ آسمان، میدان، وسعت
طلق/بهي	:	خوب صورت، کھلا
الزهراء	:	شہر کا نام ہے جس کو عبدالرحمن الناصر نے قرطبہ کے مضافات میں آباد کیا تھا۔
راقا	:	روق سے ماخوذ: رونق و جمال، صاف ستھرا خوشگوار ہوا
اعتلال	:	بیماری، سبب، حجت، عذر، سرچشمہ، اصل
أصائل	:	جمع أصيل، شام
رَقَّ	:	نرم ہونا، ترس آنا
الروض	:	کیاری، چمن، سرسبز زمین
شققت	:	چاک کرنا، پھاڑنا، چیرنا
اللبات	:	واحد "لبة" ہار پہننے کی جگہ (سینہ)
الأطواق	:	واحد "طوق" گلے کی مالا، گھیرا
انصرمت	:	گذرنا، ختم ہونا، منقطع ہونا
الدهر	:	جمع "الدهور" زمانہ
بتنا	:	بَاتَ يَبيتُ، بيتوتة، و بَيتاً، و بَياتاً شب گزارنا
سُرّاقا	:	واحد، سارق، چوری کرنے والا، لوٹنے والا
نلهو	:	لها يلهو لهوًا، تفریح کرنا، کھیلنا، فضول کام کرنا
يستميل	:	کھینچنا، اپنی طرف کرنا، مائل کرنا
جال	:	جال يجول جَوَلاناً و تجوالاً، چکر لگانا، گشت لگانا
أعناقا	:	واحد عنق، گردن
ورد	:	ورد، وورد ة: گلاب کا پھول، گلاب
تألق	:	تألّق يَتَألّق تألّقاً، چمکنا
ضاحي	:	ضاحية ۔۔۔ ج ضواحٍ، اطراف شہر سے متصل علاقہ
منابت	:	واحد منبت، اگنے کی جگہ، سرچشمہ، اصل
ضُحىً	:	ظہور، دن کی روشنی، دن چڑھنے کا وقت

إشراقا	:	شرق أشرق، إشراقا، چمکنا
سرى	:	سرى يسري سَرَيَاناً و مَسرياً و سِرَايةً، سرایت کرنا، رگوں میں خون دوڑنا، چلنا
ينافحه	:	نافح ينافح منافحة، مزاحمت کرنا، مقابلہ کرنا
نيلوفر	:	ایک قسم کا نیلا پھول
عبق	:	خوشبودار، مہکتا ہوا، رجل عبق، ذہین وہوشیار آدمی
وسنان	:	اونگھنا، سرشار اور نشیلی آنکھ والا
أحداقا	:	آنکھ کی سیاہی
يهيج	:	مشتعل کرنا، جوش دلانا
ذكرى	:	یادگار، ج: ذكريات
تشوق	:	دلچسپی، اشتیاق
الصدر	:	جمع صدور، سینہ، دل
ضَاق	:	ضاق يضيق، ضَيقاً، تنگ ہونا، چھوٹا ہونا۔
سكّن	:	مصدر تسكين، آرام بخشنا
قلباً	:	جمع قلوب، دل
عَقّ	:	عق يعق عقا، نافرمان ہونا، بے تعلق ہونا
جناح	:	جمع أجنحة۔ بازو، پر، حصہ
خفاقا	:	مبالغہ کا صیغہ۔ بہت زیادہ دل دھڑکنے والا
نسيم الصبح	:	صبح کی خوشگوار ہوا
وفاكم	:	وفا يفي، پورا کرنا
بفتى	:	فيتان، فتية، نوجوان، جواں مرد
أضناه	:	أضنى يضني إضناءً، کمزور بنانا، تھکانا
لاقى	:	لاقى يلاقي ملاقاة، سامنا کرنا، ملنا
وَفّى	:	وفّى يُوَفّي، پورا حق دینا، پورا کرنا
المنى	:	مُنْيَةٌ ج۔ مُنىً، مطلوب، ارمان، آرزو
عِلْقِي	:	عِلْق: ج۔ أعلاق، عُلُوق، ہر عمدہ چیز
الأخطر	:	اسم تفضیل کا صیغہ، بہت ہی اہمیت والا
الأسنى	:	اسم تفضیل کا صیغہ
اقتنىٰ	:	چننا، انتخاب کرنا

أعلاقا	:	واحد علق، عمدہ چیز، نفیس چیز
محض الوُدّ	:	خالص محبت
جرينا	:	جری، یجری، جرْیاً، دوڑنا، بہنا
أطلاقا	:	طلق (واحد) منشرح، کشادہ دل
لعهدكم	:	وفاداری، ذمہ، وعدہ، امان، ضمانت، زمانہ، دور
سلوتم	:	سلا، یَسلُو، سَلْواً وسُلُوًّا، بھول جانا، فراموش کردینا
عُشاقا	:	واحد-عاشق، عشق کرنے والا، چاہنے والا

11.13 امتحانی سوالات کے نمونے

۱۔ درج ذیل اشعار پر اعراب لگائیے:

إني ذكرتك، بالزهراء، مشتاقا، والأفق طلق ومرأى الأرض قد راقا
وللنسيم اعتلال، في أصائله، كأنه رق لي، فاعتل اشفاقا
والروض، عن مائه الفضي، مبتسم، كما شفقت، عن اللبات، اطواقا
يوم، كأيام لذات لنا انصرمت، بتنا لها، حين نام الدهر، سراقا

۲۔ مندرجہ ذیل اشعار کا سلیس ترجمہ کیجیے:

نلْهُو بما يَستَمِيلُ العَينَ من زَهَرٍ جَالَ النّدَى فِيهِ، حَتّى مَالَ أعنَاقَنَا
كَأنّ أعْيُنَهُ، إذْ عَايَنَتْ أرَقِي، بَكَتْ لِما بِي، فجَالَ الدّمعُ رَقرَاقَا
وَرْدٌ تَألّقَ، في ضَاحي مَنَابِتِهِ، فازْدَادَ منهُ الضّحى، في العينِ، إشراقَا

۳۔ مندرجہ ذیل الفاظ کے معانی بیان کیجیے:

الأفق، طلق، مرأى الأرض، النسيم، أصائل، اعتل، اللبات، أطواق، انصرمت، بتنا، السراق، الندى، الأحداق، الجناح، الخفاق، أضناه، المُنى، الود، سلوتم، عشاقا۔

۴۔ ابن زیدون کی زندگی اور حیات وشاعری پر ایک تفصیلی نوٹ قلم بند کیجیے۔

۵۔ اندلس میں شعری فنون پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔

۶۔ ابن زیدون اور ابن خفاجہ کی شاعری کی خصوصیات کیا ہیں؟

۷۔ وصف الطبیعۃ پر اندلس میں اشعار زیادہ وجود میں آئے۔ اس کی کیا وجوہات ہیں؟ تفصیلی نوٹ لکھیے۔

۸۔ ابن دراج کی زندگی پر روشنی ڈالیے۔

۹۔ ابن دراج کی شاعری پر تبصرہ کیجیے۔

۱۰۔ مغرب کا متنبی کون ہے؟ وضاحت کیجیے۔

۱۱۔ ابن دراج کے قصیدہ رائیہ کا پس منظر، موضوع اور مضامین کا خلاصہ تحریر کیجیے۔

۱۲۔ ابن دراج کے قصیدہ رائیہ کے شامل نصاب اشعار کا خلاصہ تحریر کیجیے۔

11.14 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

1-	الذخيرة في محاسن أهل الجزيرة	ابن بسام، جلد اول۔
2-	الأدب الأندلسي من الفتح الى السقوط	أحمد هيكل۔
3-	تاريخ الأدب العربي-الأندلس	شوقي ضيف۔
4-	ديوان ابن دراج القسطلي	تحقيق: محمد علي مكي۔
5-	الأدب الأندلسي: موضوعاته و فتونه	د۔ مصطفیٰ الشكعه
6-	في الأدب الأندلسِي	د۔ جودت الركاجي،
7-	ديوان ابن زيدون	شرح د۔ يوسف فرحات،
8-	الأدب العربي في الأندلس	عبدالعزيز عتيق
9-	معالم تاريخ الأدب والأندلس	حسين مونس

اکائی 12 قصیدہ:"ألا ساجِل دُموعي یا غَمامُ"

از: ابن خفاجہ الاندلسی

اکائی کے اجزا

12.1 تمہید

12.2 مقصد

12.3 جزیرہ شقر

12.4 بلنسیہ: سیاسی عدم استحکام سے مرابطین کی حکومت قائم ہونے تک: (ابن خفاجہ کی زندگی کا دور اول)

12.5 بلنسیہ کا دور طوائف الملوکی

12.6 بلنسیہ پر مرابطین کا قبضہ

12.7 ابن خفاجہ: ایک تعارف

12.7.1 نثر نگاری

12.7.2 شاعری

12.7.3 وصف نگاری/ شعر الطبیعہ

12.7.4 القاب

12.8 قصیدہ

12.8.1 قصیدے کا تعارف و ترجمہ

12.9 اکتسابی نتائج

12.10 امتحانی سوالات کے نمونے

12.11 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

12.1 تمہید

اندلس میں مسلمانوں کی حکومت تقریباً آٹھ سو سال رہی۔ اس سرزمین پر بے شمار شعرا اوادبا نے آنکھیں کھولیں اور عربی زبان وادب کے چراغ کو روشن رکھنے میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ ان ہی شعرا میں ایک ممتاز شاعر ابن خفاجہ الاندلسی ہے جن کا پیدائشی تعلق جزیرۂ شقر سے تھا۔ جزیرۂ شقر صوبۂ بلنسیہ کا حصہ تھا جس کو ایک عامری نوجوان مجاہد العامری نے فتح کیا تھا اور وہی اس کا حاکم تھا۔ کچھ عرصہ بعد صوبۂ بلنسیہ میں بغاوت ہوئی اور مجاہد العامری بلنسیہ چھوڑ کر دانیہ چلا گیا اور بلنسیہ پر دو غلاموں مبارک اور مظفر کی حکومت قائم ہوگئی۔ ان دونوں غلاموں نے بلنسیہ کی قلعہ بندی اور حفاظتی انتظامات پر خصوصی توجہ دی اور یہ صوبہ بلنسیہ امن وامان کا گہوارہ بن گیا۔ دوسرے شہروں سے لوگ وہاں اقامت پذیر ہونے لگے۔ مظفر اور مبارک کے حسن انتظام سے متأثر ہو کر بہت سے معاصر شعرا نے ان کی مدح میں قصیدے لکھے جن میں نمایاں شاعر ابن دراج قسطلی ہے۔

۷۵۴ھ / ۱۰۶۵ء میں بلنسیہ پر طلیطلہ کا حاکم المامون بن ذوالنون نے قبضہ کیا اور ابوبکر محمد بن عبدالعزیز کو اپنی طرف سے ناظم شہر مقرر کیا۔ ۴۶۷ھ/ ۱۰۷۵ء میں حاکم شہر المامون کا انتقال ہو گیا اور وہ حاکم شہر ہو گئے۔ دس سال حکومت کے بعد ۴۷۸ھ/ ۱۰۸۵ء میں ابوبکر کا انتقال ہو گیا۔ ابوبکر کے بعد اس کا بیٹا ابوعمر والعثمان اس کا جانشیں بنا۔ پھر حاکم طلیطلہ القادر بن ذوالنون نے اس کو معزول کر دیا اس کے بعد بلنسیہ پر یحیی القادر کا قبضہ ہو گیا۔ اسی درمیان یوسف بن تاشفین کی قیادت میں مرابطین پہلی بار اندلس میں داخل ہوئے اور یہاں سے اندلس میں مرابطین کی حکومت کا سلسلہ شروع ہوا۔ انگریز اور مرابطین کے درمیان کئی جنگیں ہوئیں اور امن وسلامتی کے معاہدے بھی ہوئے۔ لیکن 'الکمبیادور' نامی ایک عیسائی سپہ سالار نے تمام وعدے اور معاہدے فراموش کر دیے اور بلنسیہ کی عوام کو ظلم وستم کی بھٹی میں جھونک دیا۔ بہت سے لوگ ترک مکانی پر مجبور ہو گئے اور مختلف علاقوں کا رخ کیا۔ ابن خفاجہ اندلسی نے اس ظلم وستم کا مشاہدہ کیا تھا اور انھیں بھی اس ناگہانی صورت حال سے گزرنا پڑا تھا۔ ابن خفاجہ نے اس دور کی ابتلا وآزمائش کو اپنے اشعار میں نہایت پر اثر انداز میں بیان کیا ہے۔

ابن خفاجہ اندلسی کو نثر نگاری اور شاعری میں کمال حاصل تھا۔ ابن خفاجہ کی شاعری ان کے دل کی آواز اور جذبات کی ترجمان ہے۔ ان کی شاعری میں کسی قسم کی بناوٹ اور تصنع نہیں پایا جاتا۔ عربی ادب کی تاریخ میں یہ ایک ایسے شاعر ہیں جنہوں نے پوری زندگی شاعری کے سوا کچھ نہیں کیا لیکن شاعری کو کسب معاش کا ذریعہ نہیں بنایا۔ ان کے والد شہر کے ممتاز افراد میں شمار ہوتے تھے۔ ان کی زندگی بڑے عیش وآرام میں گزری۔ لباس وطعام میں ان کی زندگی مشہور رہے۔ بڑھاپے میں ان کو غفلت میں ڈوبی زندگی کا احساس ہوا چنانچہ انہوں نے زندگی کے آخری ایام تقوی وطہارت اور زہد وعبادت کے ساتھ بسر کی۔

12.2 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد ہم جزیرہ شقر کے جغرافیائی، ثقافتی اور تجارتی احوال سے واقف ہوں گے۔ مسلم عہد حکومت میں یہ شہر نہایت خوب صورت اور دلکش تھا۔ مختلف قسم کے باغات، رنگ برنگی پھول اور متعدد قسموں کے درخت سے اس شہر کو آراستہ کیا گیا تھا۔ مشہور شاعر ابن خفاجہ اندلسی کا تعلق اسی جزیرہ سے تھا۔ اس اکائی میں ہم ان کی حالات زندگی سے واقف ہوں گے اور ان کے شعری خدمات کو بالتفصیل پڑھیں گے اور ان

کا مشہور قصیدہ ''ألا ساجل دموعي يا غمام'' کا تحلیلی مطالعہ کریں گے۔

12.3 جزیرہ شقر

اَندُلُس (الف پر زبر، نون ساکن، دال پر زبر اور پھر لام پر پیش) کے مشرق میں ایک نہر ہے، نہر شقر، نہر کی مناسبت سے اس کے بائیں کنارے پر آباد شہر کا نام جزیرہ شُقُر (شین پر پیش اور قاف ساکن) ہے، جسے قدیم مصادر میں جزیرۃ شقر اور آج کل الزیرۃ یا Alzira کہا جاتا ہے۔ اندلس کے مسلم عہد حکومت میں، فصیلوں سے گھرا اور انواع واقسام کے درختوں اور باغات سے آباد یہ شہر، اہم تجارتی اور ثقافتی شہر تھا۔ اسے جزیرہ اس لیے نہیں کہا جاتا کہ وہ سمندر کے درمیان واقع ہے، بلکہ اس لیے کہ یہ دو شہروں شاطبیہ اور بلنسیہ کے درمیان واقع ہے اور اس کو اردگرد سے پانی گھیرے ہوئے ہے۔ یہی جزیرہ شقر ابن خفاجہ کی جائے ولادت ہے۔ انتظامی لحاظ سے جزیرہ شقر پہلے بھی بلنسیہ کا حصہ تھا اور آج بھی صوبہ بلنسیہ کے تحت آتا ہے۔ اس لیے ابن خفاجہ کو بلنسیہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے "ابن خفاجہ البلنسی" یا اندلس کی طرف نسبت کرتے ہوئے "ابن خفاجہ الاندلسی" کہا جاتا ہے۔

12.4 بلنسیہ: سیاسی عدم استحکام سے مرابطین کی حکومت قائم ہونے تک: (ابن خفاجہ کی زندگی کا دور اول)

399ھ/ 1009ء میں سلطنت عامری کے خاتمے پر جب فتنۂ اندلس کی آگ بھڑکی اور ملک میں بدامنی اور بدنظمی پھیلی، اس وقت بلنسیہ پر ایک عامری نوجوان ''مجاہد العامری'' حاکم تھا۔ اس کے خلاف دوسرے دو عامری غلاموں مبارک اور مظفر نے بغاوت کردی، مجاہد بلنسیہ چھوڑ کر "دانیہ" چلا گیا اور مبارک ومظفر نے شہر کی کمان سنبھال لی۔ بعض روایات کے مطابق مظفر نے بلنسیہ کی حکومت سنبھالی اور مبارک نے شاطبیہ کی۔ ان دونوں غلاموں نے بلنسیہ کی قلعہ بندی اور حفاظتی انتظامات پر خصوصی توجہ دی، جس کی وجہ سے اس دور بدامنی میں، دوسرے شہروں کے افراد بلنسیہ کا رخ کرنے لگے اور وہاں اقامت پذیر ہونے لگے۔ مبارک اور مظفر کی حکومت بلنسیہ میں چند سال رہی، پھر مظفر کا انتقال ہوگیا اور کچھ عرصے تک مبارک نے تنہا حاکم شہر کے فرائض انجام دیے۔ ذی الحجہ 408ھ/ 1017ء میں مبارک ایک روز تفریح کے لیے نکلا، راستے میں ایک پل عبور کرتے وقت اس کا گھوڑا بدک گیا، مبارک گھوڑے سے گرا اور پل سے نکلی ہوئی ایک لکڑی سے بری طرح زخمی ہوکر جائے حادثہ پر ہی راہئ ملک عدم ہوگیا۔

معاصر شاعر ابن دراج قسطلی نے مبارک اور مظفر کی مدح میں ایک طویل قصیدہ بھی لکھا ہے، جس کے ابتدائی چند اشعار حسب ذیل ہیں:

أُهَنِّيكُما مَا يَهْنِئُ الدِّينَ مِنكُما	هدىً ونَدىً فلْيَسْلَمِ الدِّينُ واسْلَما
وشهرٌ تولَّى راضِياً قَدْ بلَغْتُما	مداهُ كِراماً قُوَّمَ الليلِ صُوَّما
وفِطرٌ تحلَّى بالصلاةِ إلى الَّذي	دَعَوْناهُ ألّا يُوحِشَ الأَرْضَ مِنكُما
فأسفرَ عن وجْهٍ تجلَّى سَناكُما	وصدقٍ تجلَّى بالسلامِ عَلَيْكُما
وأكرِمْ بِهِ فِطراً يُبَشِّرُ بالمُنى	وعيداً مُعاداً بالسرورِ لَدَيْكُما

مبارک کے بعد بلنسیہ کی امارت لبیب العامری کے ہاتھوں آگئی۔ 411ھ/ 1021ء میں عامری نے عبدالعزیز بن عبدالرحمن المنصور کو اپنا

امیر منتخب کرلیا۔عبدالعزیز تقریباً چالیس سال بلنسیہ کا حاکم رہا۔ 452ھ/ 1061ء میں اس کی وفات ہوگئی۔عبدالعزیز کی وفات کے بعد اعیان سلطنت کے اتفاق سے اس کا بیٹا عبدالملک بلنسیہ اور شاطبیہ کا امیر قرار پایا اور امیر شہر کی حیثیت سے بلنسیہ میں مقیم ہوا۔

457ھ/ 1065ء میں طلیطلہ کا حاکم المامون بن ذوالنون بلنسیہ پر قابض ہوگیا اور اس نے اپنی طرف سے شہر کا ناظم ابوبکر محمد بن عبد العزیز کو مقرر کیا۔اس کے بعد جب سرقسطہ کے حاکم "المقتدر بن ہود" نے دانیہ پر حملہ کیا، تو ابوبکر کو اس کی قوت وشوکت اور بلنسیہ کی طرف اس کی لالچ بھری نگاہوں سے خوف محسوس ہوا، اس وجہ سے وہ الفانسو ششم کی حمایت میں آ گیا اور بوقت ضرورت مدد فراہم کرنے کے عوض، جزیہ ادا کرنے کا پابند عہد ہوگیا۔مقتدر کا بیٹا "المؤتمن" بلنسیہ پر قبضہ کرنا چاہتا تھا، اس لیے اس نے قشتالہ کے بادشاہ سے مدد طلب کی، لیکن ابوبکر کی منت وسماجت نے شاہ قشتالہ کو واپس ہونے پر مجبور کردیا۔اس کے بعد ابوبکر نے خود پہل کر کے مؤتمن کو اپنا حامی بنالیا اور اس کے بیٹے احمد المستعین سے اپنی بیٹی کی شادی کردی۔دس سال حکومت کے بعد 478ھ/ 1085ء میں ابوبکر کا انتقال ہوگیا۔ابوبکر کے بعد اس کا بیٹا ابو عمر عثمان، ابوبکر کا جانشیں ہوا اور سقوط طلیطلہ کے چند روز بعد اس کی بیعت کی گئی۔طلیطلہ پر قبضے کے بعد الفانسو ششم نے حاکم طلیطلہ القادر بن ذوالنون سے وعدہ کیا کہ وہ قادر کی اطاعت سے نکل جانے والے بلنسیہ پر دوبارہ اس کی حکومت کے قیام میں مدد دے گا۔البرہانیس کی قیادت میں نصرانی فوجوں کے ساتھ، قادر بلنسیہ کی طرف بڑھا۔اس صورت حال نے اہل شہر اور اعیان سلطنت میں اختلاف پیدا کردیا۔آخر کار اتفاق رائے سے ابو عمر عثمان کو معزول کر کے شہر حملہ آور فوج کے حوالے کردیا گیا۔اس طرح 478ھ/ 1086ء میں بلنسیہ پر یحییٰ القادر کا قبضہ ہوگیا۔عثمان نے فقط نو مہینے حکومت کی۔قادر نے اپنے مسیحی مددگاروں کی حرص کی آگ بجھانے کے لیے شہر میں لوٹ کھسوٹ شروع کردی اور اس کے حمایتی نصرانی، اہل شہر کو ظلم وستم کی چکی میں پیسنے لگے۔شہر میں کہرام بپا ہوگیا۔اسی درمیان یوسف بن تاشفین کی قیادت میں مرابطین پہلی بار جنوبی اندلس میں داخل ہوئے۔نصرانیوں نے اپنی فوجیں جمع کرنی شروع کردیں، بلنسیہ کی نصرانی فوج بھی اس لشکر عظیم سے مقابلہ آرائی کے لیے روانہ ہوئی۔مسیحی فوج کے چلے جانے سے اہل بلنسیہ کو کچھ سکون نصیب ہوا۔امرائے اندلس کی پیروی میں، قادر نے بھی، یوسف بن تاشفین کو دوستی اور حمایت کا پیغام بھیجا، لیکن یوسف بن تاشفین کو بلنسیہ کی طرف توجہ کرنے کی مہلت نہیں ملی۔شہر کے حالات خراب تھے، موقع غنیمت جان کر "لاردہ" اور "طرطوشہ" کے حاکم منذر بن ہود نے اس پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا۔قادر نے پہلے تو یہ سوچا کہ شہر اس کے حوالے کردے، مگر مرسیہ کے سابق حکمراں، ابن طاہر کی فہمائش پر مقابلے کے لیے آمادہ ہوگیا۔قادر نے اپنی مدد کے لیے آس پاس کے دوسرے حکام سے فریاد کی۔اس سلسلے میں قادر نے شاہ قشتالہ کو بھی مدد کا پیغام بھیجا اور سرقسطہ کے حاکم المستعین بن ہود سے بھی امداد طلب کی۔بلنسیہ کی مدد کے لیے مستعین تنہا نہیں آیا، بلکہ اس کے ساتھ قشتالی شہسوار کمبیادور کا لشکر بھی آیا۔کمبیادور مستعین کا دوست اور حلیف تھا۔مستعین کے باپ مؤتمن اور دادا المقتدر سے بھی کمبیادور کے دوستانہ مراسم تھے۔

کمبیادور یا قمبیطور کا اصل نام رودریگو دیاس دے ویوار (Rodrigo Diaz de Vivar) ہے، اسے اِل سِید (El Cid)، یا اِل کامپیادور (El Campeador) کے نام سے شہرت ملی (عربی میں اسے اَلکَمبِیادور لکھا جاتا ہے۔)، عیسائی دنیا اسے اپنا عظیم قائد و بہت بڑا سپہ سالار مانتی ہے اور اس کی ذات سے بہت سارے بے بنیاد افسانے منسوب کردیے گئے ہیں۔

خیر---طویل جد و جہد، سیاسی جوڑ توڑ اور ظلم وستم کے بعد جمادی الاولی 487ھ/ جون 1094ء میں بلنسیہ پر کمبیا دور کا قبضہ ہو گیا۔ قابض ہونے کے بعد کمبیا دور نے تمام وعدے اور معاہدے فراموش کر دیے اور اہل شہر کو ظلم وستم کی بھٹی میں جھونک دیا، انھیں گونا گوں ایذا و تعذیب کے حوالے کر دیا۔ بے شمار افراد بلنسیہ سے ترک مکانی کر کے دوسرے خطوں میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ ابن خفاجہ نے بلنسیہ کے اس دور ابتلا و آزمائش کا ذکر یوں کیا ہے:

عَاثَتْ بِسَاحَتِکِ العِدَا یَا دَارُ وَمَحَا مَحَاسِنَکَ البِلَى وَالنَّارُ

فَإِذَا تَرَدَّدَ فِي جَنَابِکَ نَاظِرٌ طَالَ اعْتِبَارٌ فِيکَ وَاسْتِعْبَارُ

أَرْضٌ تَقَاذَفَتْ الخُطُوبُ بِأَهْلِهَا وَتَمَحَّصَتْ بِخَرَابِهَا الأَقْدَارُ

كَتَبَتْ يَدَ الحَدَثَانِ فِي عَرَصَاتِهَا لَا أَنْتِ أَنْتِ وَلَا الدِّيَارُ دِيَارُ

(اے گھر تیرے صحن میں دشمنوں نے فساد برپا کیا اور بوسیدگی اور آگ نے تیرا حسن مٹا ڈالا۔ جب کسی دیکھنے والے کی نگاہ تیری طرف اٹھتی ہے تو وہ تجھے دیکھ کر دیر تک حسرت و یاس میں ڈوبا رہتا ہے۔ تو ایک ایسی سرزمین ہے جس کے باشندوں پر مصیبتوں کی برسات ہوئی اور تقدیر نے جس کی ویرانی و بربادی کو آشکارا کر دیا۔ دست حوادث نے جس کے صحن میں یہ عبارت کندہ کر دی ہے "نہ تو وہ ہے جو پہلے تھا اور نہ یہ دیار وہ دیار ہے")۔

نصرانیوں کے ظلم و جور اور اہل بلنسیہ کے مصائب کی خبریں یوسف بن تاشفین تک پہنچ رہی تھیں، اس نے بلنسیہ کے باشندوں کو نجات دلانے اور عیسائیوں کے مظالم کا قلع قمع کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ یوسف بن تاشفین نے اندلس میں بکھرے ہوئے مرابطی امرا اور قائدین کی لشکر کو جمع ہونے کا حکم دیا اور اپنے بھائی محمد بن تاشفین کے بیٹے کو حملے کی قیادت سونپی۔ مرابطی فوج نے ستمبر 1094ء میں بلنسیہ کی طرف کوچ کیا۔ آئندہ ماہ اکتوبر (رمضان 488ھ) سے دوطرفہ جنگ کا آغاز ہو گیا۔ مرابطین نے پورے شہر کو حصار میں لے لیا۔ مسیحی فوجوں کا قائد کمبیا دور، جنگ کے دوران بیماری کی حالت میں چل بسا۔ اس کے بعد اس کی بیوی نے قیادت و رہنمائی کا بوجھ اٹھایا۔ لمبے عرصے کی جنگ کے بعد نصرانی افواج کا بھی کس بل نکل گیا۔ آخر کار عیسائی بہت سارے مال و متاع کے ساتھ شہر چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے، لیکن جاتے جاتے شہر کو آگ کی نذر کر گئے۔

12.5 بلنسیہ کا دور طوائف الملوکی

شعبان 495ھ/مئی 1102ء میں مرابطین بلنسیہ میں داخل ہوئے اور شہر میں امن وامان قائم کر کے اس کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لیا۔ اس پوری تفصیل کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

مظفر اور مبارک: 400ھ-408ھ/1009ء-1017ء

لبیب العامری: 408ھ-411ھ/1017ء-1021ء

عبد العزیز المنصور: 411ھ-452ھ/1021ء-1061ء

عبدالملک بن عبدالعزیز: 452ھ-457ھ/1061ء-1065ء

بلنسیہ پرالمامون بن ذوالنون کا قبضہ:

مامون کا نائب ابوبکر بن عبدالعزیز: 457ھ-478ھ/1065ء-1085ء

عثمان بن ابوبکر: 478ھ/1085ء-478ھ/1085ء

القادر بن ذوالنون: 478ھ-485ھ/1085ء-1092ء

قاضی ابن جحاف: 485ھ-487ھ/1092ء-1094ء

کمبیا دور/قمبیطور: 487ھ-495ھ/1094ء-1102ء

12.6 بلنسیہ پر مرابطین کا قبضہ

ابن خفاجہ کی تقریبا آدھی زندگی ملوک الطوائف کے عہد میں اور پھر مرابطین کے زمانہ حکومت میں بسر ہوئی۔ اس وقت مرابطین کا قائد اعلی یوسف بن تاشفین تھا۔ یوسف کی وفات 500ھ/1106ء میں ہوئی۔ اس کا فرزند علی بن یوسف اس کا جانشین ہوا۔ یہ ابن خفاجہ کا معاصر تھا۔ اسی کے عہد میں ابن خفاجہ کی دوسری آدھی زندگی بسر ہوئی۔

12.7 ابن خفاجہ: ایک تعارف

صوبہ بلنسیہ کے جزیرہ شقر میں 450ھ مطابق 1058ء کو شاعر فطرت ابن خفاجہ الاندلسی کی ولادت ہوئی۔ ابن خفاجہ کا پورا نام ہے: ابو اسحاق ابراہیم بن ابوالفتح بن عبداللہ بن خفاجہ الہواری۔

ابن خفاجہ کے والد شہر کے ممتاز اور صاحب ثروت افراد میں سے تھے، اس لیے ابن خفاجہ کی زندگی بڑے عیش وآرام میں گزری اور شاید اسی وجہ سے انہوں نے کسی قسم کی ملازمت اختیار نہیں کی، نہ ہی شعرگوئی کو کسب مال کا ذریعہ بنایا اور نہ ہی شادی کی۔ لباس وطعام میں ابن خفاجہ کی جمال پسندی مشہور ہے۔ تقوی اور دین داری کے لحاظ سے ابن خفاجہ کی زندگی دو ادوار میں منقسم ہے۔ جوانی سے عمر ڈھلنے تک کے ایام عیش وعشرت، شعروشاعری، حسن فطرت کے مشاہدے اور شراب وشباب کی سرمستیوں میں گزری۔ عمر ڈھلنے کے بعد زندگی کے آخری پڑاؤ میں جب انھیں اپنی غفلت میں ڈوبی زندگی کا احساس ہوا، تو انہوں نے سب کچھ ترک کر کے توبہ کر لی اور عمر عزیز کے آخری ایام صلاح وتقوی کے ساتھ بسر کیا۔

تاریخی اور سیاسی اعتبار سے ابن خفاجہ کا زمانہ سلطنت اموی کے خاتمے کے بعد پیدا شدہ طوائف الملوکی کا زمانہ ہے، یعنی اندلسی تاریخ میں طوائف الملوکی کا پہلا دور، جس میں ابن خفاجہ کا شہر پہلے بنو عامر اور پھر بنو ذوالنون جیسے ملوک الطوائف کے زیر حکم رہا، پھر اس پر اندلس کے عیسائیوں نے قبضہ کرلیا۔ یہ ساری تفصیل سطور گزشتہ میں بیان ہو چکی ہیں۔ اس وقت ابن خفاجہ نے بھاگ کر شمالی افریقہ میں پناہ لی۔ اس کے بعد جب یوسف بن تاشفین کی قیادت میں مرابطین نے اندلس کے دیگر شہروں کے ساتھ بلنسیہ پر قبضہ کیا، تب ابن خفاجہ نے دوبارہ اندلس کا رخ کیا۔ بلنسیہ ہی میں

533ھ/1138ء میں ابن خفاجہ کی وفات ہوئی۔

12.7.1 نثر نگاری

ابن خفاجہ کی اصل شہرت تو شاعر کی حیثیت سے ہے، لیکن شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک بہترین نثر نگار بھی تھے۔ اپنی نثر میں انہوں نے محسنات لفظیہ کا التزام کیا ہے اور بدیع الزماں ہمدانی اور ابن العمید کے اسلوب کی پیروی کی ہے۔ ابن خفاجہ کی نثری یادگار ایک تو وہ خطبہ ہے، جس سے انہوں نے اپنے شعری دیوان کا آغاز کیا ہے۔ اس کے علاوہ تہنیت، شکر گزاری، تقریظ، سفارش، تعزیت، معذرت، فخر وغیرہ متعدد موضوعات سے متعلق مختلف فصول اور رسائل ہیں، جو ابن بسام کی الذخیرہ اور دیوان ابن خفاجہ تحقیق ڈاکٹر سید مصطفے غازی میں جمع ہیں۔

12.7.2 شاعری

ابن خفاجہ کو ایام شباب میں الشریف الرضی (وفات 406ھ/ 1015ء)، مہیار الدیلمی (وفات 428ھ/ 1037ء) اور عبدالمحسن الصوری (وفات 419ھ) کا کلام بہت پسند تھا۔ اس لیے انہوں نے اپنی شاعری کے آغاز میں ان ہی شعرا کے اسلوب کی پیروی کی۔ بعد میں آہستہ آہستہ انہوں نے خود کو اس اثر سے آزاد کرلیا اور ایک منفرد اسلوب بیان اختیار کیا۔

ابن خفاجہ کی شاعری ان کے دل کی آواز اور جذبات کی ترجمان ہے، انہوں نے جو کچھ کہا اس میں بناوٹ اور تصنع کے آثار وعناصر مفقود ہیں۔ یہ ان کی شاعری کا اہم پہلو ہے۔ دوسری اہم بات یہ کہ عربی ادب کی تاریخ میں ابن خفاجہ شاید اکیلے ایسے شاعر ہیں، جو کل وقتی شاعر تھے اور جنہوں نے پوری زندگی میں شاعری کے سوا کچھ نہیں کیا۔ اس سے بھی زیادہ اہم اور قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ انہوں نے شاعری کو حصول زر کا وسیلہ یا پیشہ بھی نہیں بنایا۔ اس لیے وہ بجا طور سے یہ کہنے کا مستحق ہے:

دَرَسُوا العُلومَ لِيَملِكوا بِجِدَالِهِم   فِيهَا صُدُورَ مَرَاتِبٍ وَمَجَالِس
وَتَزَهَّدُوا حَتى أَصَابُوا فُرصَةً   فِي أَخذِ مَالِ مَسَاجِد وَكَنَائِس

(لوگوں نے علوم کا مطالعہ کیا تا کہ بحث ومباحثہ کے ذریعے صف علما میں میر مجلس اور صدر محفل کا منصب حاصل کرسکیں اور بعض لوگوں نے زاہدانہ زندگی اختیار کی تا کہ انھیں مسجد اور کلیسا کا مال ہڑپ کرنے کا موقع ملے)

اس کل وقتی شاعر کی زندگی میں ایک مرحلہ وہ بھی آیا جب انہوں نے شعر گوئی سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔ اس عرصے میں ان کی زبان سے کچھ اشعار ضرور وجود میں آئے لیکن عام کیفیت شعر سے بے التفاتی کی ہی رہی اور شاعری سے ان کا رشتہ خود انہی کے بقول ایسا ہو گیا:

كَأَنَّكَ لَم تَكُنْ إلفي وَ خَلي   وَلَم أَقطَع بِكَ اللَيلَ الطويل

(لگتا ہے کہ تو میرا انیس وحبیب تھا ہی نہیں اور میں نے تیری ہم نشینی میں وہ طویل راتیں نہیں گزاریں)

یہ اس وقت کی بات ہے جب نصرانیوں نے ان کے شہر پر قبضہ کرلیا تھا۔ اس حادثے نے ان کے وجود کو جھنجھوڑ ڈالا۔ درج ذیل اشعار غالباً اسی پس منظر میں کہے گئے ہیں:

فَيا لِشَجا قَلبٍ مِنَ الصَبرِ فارِغٍ	وَيا لِقَذى طَرفٍ مِنَ الدَمعِ مَلآنِ
وَنفسٍ إِلى جَوِّ الكَنيسَةِ صَبَّةٍ	وَقَلبٍ إِلى أُفقِ الجَزيرَةِ حَنّانِ
تَعَوَّضتُ مِن واهاً بِآهٍ وَمِن هَوىً	بِهَونٍ وَمِن إِخوانِ صِدقٍ بِخَوّانِ
وَما كُلُّ بَيضاءٍ بَروقٍ بِشَحمَةٍ	وَما كُلُّ مَرعىً تَرتَعيهِ بِسُعدانِ
فَيا لَيتَ شِعري هَل لِدَهرِيَ عَطفَةٌ	فَتُجمَعَ أَوطاري عَلَيَّ وَأَوطاني
مَيادينُ أَوطاري وَلَذَّةُ لَذَّتي	وَمَنشَأُ تَهيامي وَمَلعَبُ غُزلاني

پھر جب مرابطین کی عنایت سے ابن خفاجہ کو دوبارہ اپنے شہر آنے کا موقع ملا، تو ان کی طبیعت میں خود بخود روانی آ گئی۔ شاعری کے اس دوسرے دور کا آغاز انہوں نے مرابطی قائد ابراہیم بن یوسف کی مدح سے کیا اور اپنے قصیدہ مدحیہ کا آغاز اس مصیبت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کیا، جس سے ان کا شہر گزر را تھا۔ ابن خفاجہ کہتے ہیں:

سَجَعتُ وَقَد غَنّى الحَمامُ فَرَجَّعا	وَما كُنتُ لَولا أَن يُغَنّي لَأَسجَعا
وَأَندُبَ عَهداً بِالمُشَقَّرِ سالِفاً	وَظِلَّ غَمامٍ لِلصِبا قَد تَقَشَّعا
وَلَم أَدرِ مانَبكي أَرَسمَ شَبيبَةٍ	عَفا أَم مَصيفاً مِن سُلَيمى وَمَربَعا

یہ قصیدہ ابن خفاجہ کی زندگی کا نقطۂ تحویل ہے۔ اس سے پہلے وہ اپنی دنیا میں مگن رہنے والے ایک انفرادیت پسند شاعر تھے، شاید یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے عہد اور معاشرے سے بے پرواہ ہو کر صرف فطرت سے ہم کلام رہتے تھے، لیکن اس کے بعد ان کی عزلت پسندی اور معاشرتی بے رخی میں کمی آ گئی۔

ابن خفاجہ نے مختلف شعری اصناف میں طبع آزمائی کی ہے اور مدح، غزل، رثا، زہد، شکوہ، شوق، فخر، ہجو اور وصف وغیرہ اغراض میں اپنا کلام چھوڑا ہے۔ ابن خفاجہ نے جن امرا و وزرا اور دیگر اشخاص کی مدح کی ہے ان میں ملوک الطوائف میں سے "المریہ" کا حاکم المعتصم بن صمادح اور مرابطین کے قائد امیر یوسف بن تاشفین کے تین فرزند: ابواسحاق ابراہیم بن یوسف (مذکورہ بالا)، ابوالطاہر تمیم بن یوسف اور ابوالحسن علی بن یوسف کے نام قابل ذکر ہیں، ان کے علاوہ متعدد ارباب اقتدار ابن خفاجہ کے ممدوح ہوئے ہیں۔

12.7.3 شعر الطبیعۃ / وصف نگاری

ابن خفاجہ کی شاعری کا غالب حصہ وصفیہ اور بیانیہ ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے اپنے زبان و قلم کو حسن فطرت اور مناظر قدرت کے بیان کے لیے وقف کر دیا تھا۔ وہ سب سے پہلے شاعر ہیں جنہوں نے پوری توانائی اور صلاحیت کے ساتھ تا حیات یہ خدمت انجام دی۔ انہوں نے اپنے اشعار کے ذریعہ قدرت کے حسن و جمال کو لفظوں کا جامہ پہنایا۔

فطرت کی دو قسمیں ہیں: ایک خاموش/ بے جان فطرت اور دوسری با آواز/ یا جان دار فطرت۔ خاموش فطرت سے مراد ہے کائنات کے وہ قدرتی مظاہر جن میں آواز اور جان نہیں ہوتی، یعنی عالم جمادات۔ با آواز فطرت سے مراد ہے جاندار مخلوقات جن میں جان اور آواز ہوتی ہے، یعنی

عالم حیوانات۔ابن خفاجہ نے فطرت کے دونوں اقسام کے مظاہر کو اپنی وصفیہ شاعری کا موضوع بنایا ہے۔اس ضمن میں انہوں نے درج ذیل مظاہر کا وصف بیان کیا ہے:

☆ باغات (مختلف اور کثیر)۔

☆ درخت: سنگترہ (نارنج)، پیلو(اراک)، بیر(سدر)، تلسی (ریحان)، ببول/کیکر (طلح)، خیری، سرح، بان، سلم، بشام، ضال

☆ پھول: سنگترہ (نارنج)، تلسی (ریحان)، گلاب (ورد)، بنفشہ (بنفسج)، نرگس (النرجس)، سوسن (آسمانی رنگ کا ایک پھول: سوسن)، اقحوان (گل بابونہ) شقیق، العرار، الآس، الخزامی (lavender)۔

☆ پھل (سنگترہ، انجیر، انار، انگور)،

☆ شاخ، ٹیلے، سنگلاخ وادیاں، پہاڑ، نہر، سمندر، بادل، بارش، شبنم، سیلاب، سردی، برف، ہوا، بجلی، کڑک، سورج، چاند، ستارے، رات اور دن۔

جانداروں میں سے درج ذیل:

☆ گھوڑا، اونٹنی، کتا، خرگوش، بھیڑ، مینڈھا، مچھلی، بھیڑیا، شیر، کبوتر، گوریا، گدھ، شہد کی مکھی، سانپ، وغیرہ۔

ان کے علاوہ تلوار، نیزہ، کاغذ، قلم، مختلف قسم کی عمارتیں، احباب، مجالس اور شراب وغیرہ بہت ساری چیزوں کے اوصاف ابن خفاجہ نے اپنی سحر انگیز شاعرانہ زبان میں بیان کیے ہیں۔

اندلس اور خاص کر ابن خفاجہ کی جائے سکونت جزیرہ شُقر پھولوں، پھلوں، نہر اور باغات کا شہر تھا، جہاں قدرت کی دلفریبی بے پردہ نظر آتی تھی۔اسی قدرتی جمال و دل کشی کی بنا پر انہوں نے اندلس کو جنت سے تعبیر کیا ہے۔اس سلسلے میں ابن خفاجہ کا درج ذیل شعر بہت مشہور ہے:

يَأَهلَ أَندَلُسٍ لِلَّهِ دَرُّكُمُ ماءٌ وَظِلٌّ وَأَنهارٌ وَأَشجارُ

اے اندلس کے مکینو! تمہارے ملک اندلس کی خوبی و دل فریبی قدرت خداوندی کا اظہار ہے، یہاں پانی، سایے، نہروں اور درختوں کی بہتات ہے۔

ما جَنَّةُ الخُلدِ إِلّا في دِيارِكُمُ وَلَو تَخَيَّرتُ هَذا كُنتُ أَختارُ

ہمیشگی کی جنت تو تمہارے ہی شہر میں ہے، اگر روئے زمین پر مجھے کوئی قطعہ ارضی اختیار کرنا ہو تو اسی اندلس کی سرزمین کو اختیار کروں۔

لاتَختَشوا بَعدَ ذا أَن تَدخُلوا سَقَراً فَلَيسَ تُدخَلُ بَعدَ الجَنَّةِ النارُ

یہاں سکونت پذیری کے بعد، جہنم میں داخلے کا خوف نہ کرو؛ کیونکہ جنت میں آنے کے بعد جہنم میں نہیں جایا جاتا۔

منقول ہے کہ سلطان مراکش سلطان ابوعنان فارس المغربی کے پاس اندلس سے ایک قاصد آیا اور اس نے اپنے وطن پر فخر کرتے ہوئے

درج بالا اشعار سلطان کے سامنے پڑھے۔ سلطان نے جب یہ اشعار سنے تو اس نے کہا یہ شاعر جھوٹا ہے۔ سلطان کی مراد یہ تھی کہ شاعر نے اندلس کو جنت خلد قرار دیا ہے اور یہ کذب صریح ہے اور یہ کہ شاعر نے اخروی زندگی پر اندلس کو اختیار کرنے کی بات کہی ہے، یہ دین کا قلادہ گردن سے اتار پھینکنے کے مترادف ہے۔ قاصد نے کہا: سیدی! شاعر اپنے قول میں سچا ہے کیونکہ اندلس جہاد کا مقام اور دشمنان اسلام کے خلاف حرب وضرب کی جگہ ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ہے"۔ سلطان کو قاصد کی گفتگو بہت پسند آئی اور اس نے شاعر کو ملامت سے بری کر دیا۔

نفح الطیب کے مصنف احمد بن محمد المقری التلمسانی کے بقول: ''**وأبو إسحاق كان أوحد الناس في وصف الأنهار والأزهار والرياض والحياض والرياحين والبساتين**'' ابواسحاق یعنی ابن خفاجہ نہروں، پھولوں، کیاریوں، حوض اور باغات کا وصف بیان کرنے میں بے نظیر تھا۔

ابن خفاجہ کے مشہور قصیدوں میں سے وہ قصیدہ ہے جسے "**وصف الجبل**" کا سرنامہ دیا گیا ہے۔ اس قصیدے میں انہوں نے ایک پہاڑ کا ذکر کیا ہے اور موت وحیات کے تعلق سے اپنا نظریہ پیش کیا ہے۔ انہوں نے یہ بتایا ہے کہ پہاڑ اپنی درازیِ بقا سے اکتاہٹ کا شکار ہے اور فنا ہوجانے یا مرجانے کی تمنا کر رہا ہے، دوسری طرف انسان موت سے خوف کھاتا ہے اور حیات جاوید کی آرزو کرتا ہے، حالانکہ یہ دونوں آرزوئیں پوری نہیں ہوسکتیں، نہ پہاڑ مرسکتا ہے اور نہ انسان حیات دائمی کا پروانہ حاصل کرسکتا ہے۔

استعارہ، توریہ، کنایہ اور جناس لفظی ومعنوی وغیرہ کے استعمال کی وجہ سے ابن خفاجہ کے بعض اشعار میں تکلف اور غموض کی پرت گہری ہے۔

12.7.4 القاب

وصف نگاری کی وجہ سے ابن خفاجہ کو "**شاعر الطبيعة**" یا "**شاعر الطبيعة الأول**" کا خطاب دیا گیا ہے۔ اندلس کے مؤرخ المغربی نے اسے "**صنوبري الأندلس**" کہا ہے۔ اسی طرح مقری کے بقول اہل اندلس ابن خفاجہ کو جنان کہا کرتے تھے۔ (**جنان الأندلس**)۔

12.8 قصیدہ

12.8.1 قصیدے کا تعارف وترجمہ

زیر نظر قصیدہ ابن خفاجہ کی زندگی کے دور آخر کی یادگار ہے، جب انہوں نے لہو ولعب سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی اور اپنی سابقہ مدہوشی بھری زندگی پر کف افسوس مل رہے تھے۔ اس قصیدے میں انہوں نے اپنے اسی عہد شباب کا ذکر کرکے اس پر حسرت وتأسف کا اظہار کیا ہے۔

ابن خفاجہ کے پیش نظر اشعار سے ملتا جلتا مفہوم اردو کے مشہور شاعر ابراہیم ذوق دہلوی کے یہاں بھی ملتا ہے، چند اشعار ملاحظہ ہوں:

وقت پیری شباب کی باتیں — ایسی ہیں جیسے خواب کی باتیں
پھر مجھے لے چلا ادھر دیکھو — دل خانہ خراب کی باتیں
واعظا چھوڑ ذکر نعمت خلد — کہہ شراب و کباب کی باتیں

مہ جبیں یاد ہیں کہ بھول گئے — وہ شب ماہتاب کی باتیں

حرف آیا جو آبرو پہ مری — ہیں یہ چشم پر آب کی باتیں

جام مئے منہ سے تو لگا اپنے — چھوڑ شرم و حجاب کی باتیں

مجھ کو رسوا کریں گی خوب اے دل — یہ تری اضطراب کی باتیں

☆ قصیدہ:

أَلا ساجِلُ دُموعي يا غَمامُ — و طَارِحْنِيْ بِشَجوِکَ يا حَمامُ

معانی مفردات:

ساجل مساجلة: مقابلہ کرنا۔ دموع: دمع کی جمع: آنسو، اشک۔ طارح مطارحة: مناظرہ/ مسابقہ کرنا، آپس میں گفتگو کرنا، تبادلہ خیال کرنا۔ شجو: رنج وغم۔

ترجمہ شعر:

اے ابر باراں! بارش برسانے میں میرے آنسوؤں کا مقابلہ کر اور اے کبوتر! اپنے رنج وغم کے بارے میں مجھ سے گفتگو اور مسابقہ آرائی کر۔

فَقَد وَفَّيتها سِتِّينَ حَولاً — وَ نَادَتني وَرائي هَل أَمامُ

ترجمہ شعر:

کیونکہ میں نے آنسوؤں اور رنج وغم میں پورے ساٹھ برس بسر کیے ہیں اور اب میرا ماضی آواز دے کر مجھ سے سوال کر رہا ہے: کیا آگے کے لیے کچھ ہے؟

وَکنتُ ومِن لُباناتي لُبَيني — هناکَ ومِن مَراضِعِيَ المُدامُ

معانی مفردات:

لُبانات: لُبانة کی جمع: حاجت، ضرورت، مراد: محبوبہ، معشوقہ۔ مراضع: مرضع کی جمع: پینے کی جگہ/ پینے کی چیز۔ مدام: شراب۔

ترجمہ شعر:

اس عہد رفتہ میں، میں تھا اور لبینی میری محبوباؤں میں سے تھی اور پینے کے لیے جو چیز تھی، وہ شراب تھی۔

يُطالِعُنا الصَباحُ بِبَطنِ حَزوى — فَيُنكِرُنا وَيعرِفُنا الظَلامُ

معانی مفردات:

طالَعَ مُطالَعة: کسی کو لگاتار دیکھ کر اس سے واقف ہونا/ مطلع ہونا، کتاب پڑھنا۔ بطن حزوی: نجد میں بنو تمیم کے علاقے میں ایک جگہ کا نام، مراد: دوستوں کی مجلس، محفل احباب۔

ترجمہ شعر:

صبح کی پو پھٹتے ہی ہم احباب کی محفل میں پہنچ جاتے (اور وہیں جمے رہتے یہاں تک کہ) صبح ہمارے لیے اجنبی ہو جاتی اور رات کی تاریکی ہماری آشنا بن جاتی۔ یعنی ہم صبح سے شام تک کا پورا وقت احباب کی محفل میں گزار کر رات میں وہاں سے لوٹتے تھے۔

وَكانَ بِها البَشَامُ مَراحَ أُنسٍ　　　فَماذا بَعدَنا فَعَلَ البَشامُ

معانی مفردات:

بشام: ایک خوشبودار درخت۔ مراح: روح بمعنی جان سے اسم ظرف: وہ مقام جہاں سے لوگ کہیں کے لیے روانہ ہوں یا وہ مقام جہاں لوگ دوسری جگہوں سے آ کر جمع ہوں، مقام، جگہ، جائے انسیت۔

ترجمہ شعر:

وہاں بشام کے خوشبودار درخت انسیت کا باعث ہوا کرتے تھے، بشام کے ان درختوں نے ہمارے بعد کیا کیا؟

فَيا شَرخَ الشَبَابِ أَلا لِقاء　　　يُبَلُّ بِهِ عَلى يَأسٍ أُوامُ

معانی مفردات:

شرخ: اصل، آغاز شباب، عنفوان شباب، نوجوانی۔ بل بلا، بللا، بلولا: تر کرنا، بھگونا۔ أوام: شراب۔

ترجمہ شعر:

اے نوجوانی! کیا دوبارہ ملاقات نہیں ہو سکتی، جس کے ذریعے ناامیدی کے اس حال میں پیاس کی گرمی کو تر کیا جائے؟

وَيَا ظِلَّ الشَبابِ وكُنتَ تَندى　　　عَلى أَفياءِ سَرحَتِک السَلامُ

معانی مفردات:

ندی، نداوۃ: (س): بھیگنا، تر ہونا، سخاوت کرنا۔ افیاء: فيء کی جمع: سایہ، زوال کے بعد کا لمبا سایہ۔ سرحۃ: درخت۔

ترجمہ شعر:

اور اے سایۂ شباب! تو اپنے درخت کے سایوں پر سخی تھا، اس عہد رفتہ کو سلام!!!۔

12.9 اکتسابی نتائج

ابن خفاجہ کا عہد سیاسی اعتبار سے ڈانواں ڈول تھا۔ مرابطین کے داخلہ اندلس کے بعد اس میں کچھ مدت کے لیے ثبات وقرار اور امن و سکون پیدا ہوا۔ ابن خفاجہ پاکیزہ نفس اور نیک سیرت تھے اور عہد اور معاشرے سے بے نیاز۔ ان کی جوانی عیش وعشرت میں اور بڑھاپا زہد میں بسر ہوا۔ غالباً معاشرتی چکا چوند سے بے نیازی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے اپنی زندگی فطرت اور اس کے مناظر ومظاہر کے مطالعے ومشاہدے اور اس سے ہم کلامی میں گزاری اور اس طرح صف اول کا شاعر بن کر زمانے کے سامنے پیش ہوئے اور اپنی دلکش فطری/ وصفیہ شاعری کی بنا پر منفرد مقام کا حامل ہوئے۔ ابن خفاجہ کے کلام میں نغمگی اور ترنم کا عنصر نمایاں ہے۔ اس کے ساتھ اشعار میں رقت اور الفاظ میں حسن وجمال کا غازہ موجود ہے۔ ابن

خفاجہ محسنات لفظیہ و معنویہ کے دلدادہ تھے اس لیے کلام میں کہیں کہیں تکلف کی جھلک بھی در آئی ہے۔ شعری جمال اور شاعرانہ کمال کی وجہ سے ابن خفاجہ کو "صنوبري الأندلس"، "جنان الأندلس"، یا "شاعر الطبيعه" کے القاب دیے گئے ہیں۔

12.10 امتحانی سوالات کے نمونے

1- ابن خفاجہ کے عہد میں سیاسی حالات کیا تھے؟ روشنی ڈالیے۔

2- ابن خفاجہ کی زندگی کے مختلف ادوار پر تبصرہ کیجیے۔

3- ابن خفاجہ کی شعری خدمات کا تعارف کرائیے۔

4- ابن خفاجہ کے القاب اور ان کی وجوہات پر گفتگو کیجیے۔

5- وصف نگاری میں ابن خفاجہ کی انفرادیت اور خصوصیات واضح کیجیے۔

12.11 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

1- الذخيرة في محاسن أهل الجزيرة — ابن بسام، جلد سوم۔

2- نفح الطيب — أحمد بن محمد المقري، جلد اول اور جلد چہارم۔

3- ديوان ابن خفاجه — تحقيق: د. سيد مصطفى غازي۔

4- دولة الإسلام في الأندلس — عبد الله عنان، جلد دوم۔

5- تاريخ الأدب العربي الأندلس — شوقي ضيف۔

6- الفن و مذاهبه في الشعر العربي — شوقي ضيف۔

اکائی 13 تجدیدی وتوسیعی شعری فنون (موشحہ ،زجل،طبیعہ اور حنین)

اکائی کے اجزا

13.1 تمہید

13.2 مقصد

13.3 وادیٔ مغرب میں اذانِ اسلام

13.4 اندلس میں شعروشاعری

13.5 اندلس میں توسیعی وتجدیدی شعری فنون

13.6 فن موشحات

13.6.1 موشحات کے مختلف بند

13.6.2 اجزائے موشحات

13.7 فن ازجال

13.7.1 ازجال کی نشوونما کے مراحل

13.7.2 ازجال کے موضوعات

13.8 فن طبیعہ

13.8.1 طبیعہ کے چند گوشے

13.8.2 شعر طبیعہ کی خصوصیات

13.9 فن حنین (شوق وطن)

13.9.1 حنین وطن اور انسانی فطرت

13.9.2 عبدالرحمن اول اور دیگر شعرا کا شوقِ وطن

13.10 اکتسابی نتائج

13.11 کلیدی الفاظ

13.12 امتحانی سوالات کے نمونے

13.13 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

13.1 تمہید

عربی شاعری، عربی زبان وادب کی سب سے پہلی شکل ہے۔ اس کا سب سے پہلا نمونہ چھٹی صدی عیسوی میں ملتا ہے مگر زبانی شاعری اس سے بھی قدیم ہے۔ عربی شاعری، اس کی صحیح تعریف اور اس کے اجزا میں محققین کا خاصا اختلاف رہا ہے۔ مشہور لغوی ابن منظور کے مطابق شعر وہ منظوم کلام ہے جو وزن اور قافیہ میں مقید ہو، وہ آگے لکھتے ہیں کہ شعر منظوم اور موزوں کلام کا نام ہے جس کی ترکیب مضبوط ہو اور شعر کہنے کا قصد بھی پایا جاتا ہو۔ اگر ایک بھی شرط فوت ہوئی تو شعر نہیں کہلائے گا اور اس کے کہنے والے کو شاعر نہیں کہا جائے گا۔ اسی لیے قرآن وحدیث میں جو موزوں کلام ملتا ہے وہ قصد وارادہ کے فقدان کی وجہ سے شعر نہیں کہلاتا۔ ابن منظور اس کی وجہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شعر میں شعری احساس کا پایا جانا ضروری ہے اور یہ احساس بالارادہ اور دانستہ ہو تب ہی اس کلام کو شعر سمجھا جائے گا۔ اسی بنا پر شعر کے چار ارکان ہیں: معنی، وزن، قافیہ اور قصد۔

ظہور اسلام سے قبل جو بھی شاعری کی گئی اس کو جاہلیت سے تعبیر کیا گیا۔ دورِ جاہلیت کا مشہور مقولہ ہے: "**الشعر دیوان العرب**" (ترجمہ: شاعری عرب کی کھتونی ہے) اور یہ درحقیقت صحیح بھی ہے، چونکہ ان کا سارا علم شاعری پر محیط تھا، ان کے یہاں شاعری سے بڑھ کر علم، سرداری اور عزت وافتخار کا اور کوئی پیمانہ نہیں تھا۔ کسی کو باعزت کرنا ہو تو اس کی شان میں مدحیہ قصیدہ لکھتے اور ذلیل کرنا ہو تو اس کی ہجو کرتے۔ نیز یہ شعرا جس کو ذلیل کردیتے پھر اس کی عزت خاک میں مل جاتی اور جس کی تعریف کردیتے وہ عزت وناموری کی بلندیوں اوراوجِ ثریا پر پہنچ جاتا۔

13.2 مقصد

اس اکائی کے مطالعے سے ہم یہ جان جائیں گے کہ:

☆ جزیرہ نما ایبیریا، اسلامی اندلس پر مسلمانوں نے تقریباً ساڑھے آٹھ صدیوں (850 سال) تک حکومت کی اور بڑے کروفر اور شان وشوکت کے ساتھ فرمانروائی کی، ان حکمرانوں میں زیادہ تر عرب تھے، اس لیے وہ اپنی تمام عربی، تمدنی اور لسانی خصوصیات کے ساتھ اندلس کی سرسبز وشاداب وادیوں کے مکین بنے، یہاں انہوں نے جس طرح ملک کی ہمہ جہت تعمیری وانتظامی ترقیوں میں لازوال نقوش چھوڑے، اسی طرح اپنی عربی شعروشاعری کو بھی زندہ رکھا۔

☆ اس اکائی میں اسلامی اندلس میں شعروشاعری بالخصوص تجدیدی وتوسیعی شعری فنون (موشحہ، زجل، طبیعہ، حنین) کی خوبیوں اور اندلسی شعرا کی تخلیقی شعری اوصاف سے ہم واقف ہوں گے اور ہمیں معلوم ہوگا کہ اہل اندلس نے نہ صرف یہ کہ قدیم روایتی عربی شاعری کو باقی رکھا بلکہ اس کو مزید نت نئے جواہر سے آراستہ کیا اور اس باب میں ایسے نقوش چھوڑے کہ دنیا ہمیشہ ان کے گن گاتی رہے گی۔

13.3 وادئ مغرب میں اذانِ اسلام

دین اسلام کا آفتابِ اقبال عرب کی گھاٹی سے نکلا اور اس کی کرنوں سے عرب کے آس پاس کی ساسانی اور رومی حکومتوں کے جاہ وجلال کے ستاروں کی روشنی جھلملانے لگی، دو جہتوں کی دو گھنگھور گھٹاؤں نے نور کی ان کرنوں کو ماند کرنا چاہا، مگر وعدۂ ربانی کو پورا ہونا تھا، ان کرنوں کی روشنی پھیلی اور پھیلتی چلی گئی، ایران کا غبار آلود مطلع صاف ہوگیا اور وادئ نیل کی فضا بھی رومی گرد وغبار سے پاک ہوگئی، تختِ کسریٰ کے الٹتے ہی ایرانی قوت کا تو خاتمہ ہوگیا، مگر رومی سلطنت کی سطوت کچھ دنوں اپنے قدم جمائے رہی۔

عہد رسالت، عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں اسلامی افواج نے دنیا کے اہم خطوں پر اسلام کے پھریرے لہرائے اور ہر جگہ کلمہ گویانِ توحید زمزمہ سنج نظر آنے لگے۔ اندلس کی زرخیز وسرسبز سرزمین پر شتربان عربوں نے سمندر کی تلاطم خیز موجوں سے کھیلتے ہوئے پہلی مرتبہ عہد عثمانی میں قدم رکھا، پھر طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر جیسے جانباز مجاہدوں نے یہاں فتح وظفر کے اسلامی پرچم لہرائے، عربوں اور بربریوں کے مختلف قبیلوں نے یہاں کی شاداب وادیوں میں توطن پذیر ہوکر اس کے ایک وسیع خطہ کو اسلامی مملکت کا جز بنایا، پھر چشم عالم نے یہ نیرنگی بھی دیکھی کہ حکومت بنوامیہ کا آفتابِ اقبال مشرق میں غروب ہوکر مغرب سے طلوع ہوا اور موجودہ اسپین، پرتگال اور نصف فرانس کے علاقے اسلامی حدودِ حکومت کے مدتوں زیرنگیں رہے اور اندلس میں مسلمانوں کی علمی، تمدنی، ثقافتی اور روحانی ترقیوں کی جو شمعیں روشن ہوئیں، ان سے ایک عالم نے روشنی حاصل کی اور یورپ کے نئے علوم وفنون اور تمدن وثقافت کے مینارے ان ہی بنیادوں اور اصول پر قائم ہوئے۔

13.4 اندلس میں شعروشاعری

مسلمان افواج طارق بن زیاد سے بہت پہلے 27ھ میں اندلس کی سرزمین پر عہد عثمانی ہی میں قدم رکھ چکی تھیں تو پھر یہاں کی فضاؤں میں اولین عربی اشعار بھی اسی زمانے میں گنگنائے گئے ہوں گے۔ بعدازاں طارق بن زیادہ اور موسیٰ بن نصیر کے ساتھ اندلس میں عربوں کی آمد اور پھر ان کے نسلی وگروہی تعصّبات کے ہنگاموں میں، ممکن نہیں کہ یادِ ماضی اور فخر ومباہات کے جذبات واحساسات کو شعر کی زبان میں ادا نہ کیا گیا ہو۔ لیکن ان ابتدائی ادوار کی رجز خوانی ہو یا غزل سرائی، سب ہواؤں میں تحلیل ہوچکی ہے۔ شاید اس لیے کہ یہ ادوار ایسی عملی کشاکش سے عبارت تھے جس میں ادبی آثار کی حفاظت کا اہتمام ممکن نہ تھا۔

سرزمین اندلس میں تخلیق ہونے والی عربی شاعری کا اولین قابل ذکر نمونہ، جو محفوظ رہ سکا ہے، وہ غالباً صقر قریش عبدالرحمن الداخل (وفات 172ھ/788ء) کے بعض اشعار ہیں جو انہوں نے ایک کھجور کے درخت کو دیکھ کر شوقِ وطن میں کہے ہیں۔

اس طرح اندلس کے اموی حکمرانوں میں عبدالرحمن الداخل کا یہ ذوقِ شعری نسل درنسل ظہور کرتا رہا۔ ابن الابّار نے ان کے بیٹے ہشام اور پوتے الحکم کے اشعار نقل کیے ہیں۔ ان کا پڑپوتا عبدالرحمن الاوسط شعروادب اور فنون لطیفہ سے گہری دلچسپی رکھتا تھا اور گاہے گاہے خود بھی شعر کہتا تھا۔ مشہور مغنی زریاب اسی کے دربار سے وابستہ تھا۔ اسی کی زیرسرپرستی یحییٰ بن الحکم الغزال جیسا شاعر ابھرا جس کے بارے میں روایت ہے کہ اس نے ایک مرتبہ اہل بغداد کو اپنے چند شعر یہ کہہ کر سنا دیے کہ یہ ابونواس کے شعر ہیں تو کسی کو اس پر شک تک نہ گزرا۔ الغزال نے اندلس کی منظوم تاریخ بھی لکھی۔ شاعر ہونے کے علاوہ وہ بڑی سمجھ بوجھ کا آدمی بھی تھا اور عبدالرحمن الاوسط اس سے سفارتی کام بھی لیتا تھا۔ عبدالرحمن کے درباری شعرا میں عبداللہ بن الشمر کا نام بھی بہت نمایاں ہے۔

شاعری کا یہ ذوق رفتہ رفتہ اندلسی ثقافت کی رگ وپے میں سرایت کرگیا۔ صاحبان اقتدار خود شعر کہتے تھے اور شعرا کی سرپرستی کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ عربی شاعری اہل اندلس کی گھٹی میں پڑگئی اور امیر وفقیر، شاہ وگدا، خواص وعوام سبھی سخن گوئی وسخن فہمی میں شریک ہوگئے۔ اس صورتحال کا اظہار کرنے کے لیے نکلسن نے قزوینی کی ''آثار البلاد'' کا ایک دلچسپ حوالہ دیا ہے۔ قزوینی کے ہاں یہ اقتباس ''شلب'' کے تحت آیا ہے جس کے بارے میں اس نے وضاحت کی ہے کہ باجہ کے قریب اندلس کا ایک شہر ہے۔ اصل عبارت یوں ہے:

”من عجائبها ما ذكره خلق لايحصى عددهم أنه قل أن يرى من أهل شلب من لا يقول شعراً و لا يتعاني الأدب و لو مررت بالحراث خلف فدانه و سألته الشعر لقرض في ساعته أي معنى اقترحت عليه و أي معنى طلبت منه صحيحاً“۔

ترجمہ: یہاں کے عجائب میں سے ایک جس کا ذکر لاتعداد لوگوں نے کیا ہے، یہ ہے کہ اہل شلب میں خال خال ہی کوئی ہوگا جو شعر نہ کہتا ہو اور ادب سے شغف نہ رکھتا ہو۔تم اگر کسی ہل چلاتے ہوئے کسان کے پاس سے بھی گزرو اور اس سے شعر کی فرمائش کرو تو وہ فی الفور کسی بھی موضوع پر جو تم اسے تجویز کردو یا کسی بھی مضمون پر جو تم اس سے طلب کرو، ٹھیک ٹھیک شعر کہہ دے گا۔

ایسی صورتِ حال میں یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ سرزمین اندلس میں شعروشاعری اسی طرح پروان چڑھتی رہی جس طرح وہ جزیرۂ عرب میں برگ وبار لائی تھی اور اس نے لوگوں کے دلوں کو مسخر کرلیا تھا۔مجموعی طور پر سرزمین اندلس کی شاعری، بلادِ مشرق میں ہونے والی عربی شاعری ہی کا عکس جمیل تھی۔شعر کے جو سانچے دورِ جاہلیت میں متعین ہو چکے تھے،ان میں سے بیشتر قرطبہ واشبیلیہ میں بھی اسی طرح غالب ورائج رہے جس طرح بغداد و دمشق میں تھے۔روایت کی آہنی گرفت کو جو لفظ سے گزر کر مضامین ومعانی پر بھی اثر انداز ہوئی اور جس نے صدیوں تک عربی شاعری میں تازگیٔ احساس کو دَر آنے کا کم سے کم موقع دیا،تخلیقی ذہنوں نے پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا۔محبوب کے اجڑے ہوئے دیار پر کھڑے ہو کر اشک باری کا مضمون جو امراؤالقیس کے ”قفا نبک“ سے شروع ہوا تھا، وہ بعد کے شعرا کے لیے ایک فریضۂ مفروضہ بن کر رہ گیا اور اسی لہجہ واسلوب میں ہر جگہ شاعری ہوتی رہی۔

اندلسی ادب کے مؤرخین نے اندلس کے ادبی ادوار کی تقسیم کچھ اس طرح کی ہے:

1-	عصر فتح	:	92ھ-95ھ
2-	عصر ولاۃ	:	95ھ-138ھ
3-	عصر امارت	:	138ھ-300ھ
4-	عصر خلافت	:	300ھ-422ھ
5-	عصر طوائف	:	422ھ-484ھ
6-	عصر مرابطون	:	484ھ-520ھ
7-	عصر موحدون	:	520ھ-620ھ
8-	عصر بنو احمر	:	620ھ-897ھ

اس کے بعد عیسائیوں کے ہاتھوں اسلامی سلطنت کا چراغ بجھ گیا اور اب تک وہ انھیں کے زیرنگیں ہے۔

13.5 اندلس میں تجدیدی اور توسیعی شعری فنون

اندلس کی عربی شاعری میں بیشتر اصناف سخن وہی پائے جاتے ہیں جو اس سے قبل عربوں کی شاعری میں رائج تھے،مگر اسی کے ساتھ اہل اندلس میں خلاّق طبیعتوں نے روایت سے ہٹ کر بھی شاعری کی نئی قسمیں ایجاد کیں۔ان کی طبیعت کی اُپج تازہ کاری سے یکسر عاری نہ رہی اور

انھوں نے روایتی طور پر بنی بنائی شاہراہوں سے ہٹ کر اظہار کی نئی راہیں اور ہیئت واسلوب کی نئی پگڈنڈیاں بھی نکالیں اوراس میں وہ اس قدر آگے بڑھے کہ منافست اور مقابلہ آرائی کی صورت سامنے آگئی اور اندلس کے شعرا کو بلادِ عرب کے شعرا کے مقابلے میں کھڑا کیا گیا اور ان ہی کے القاب و کنیتوں سے یاد کیا گیا۔ چنانچہ ابن زیدون کو بُحتری اور ابن ہانی کو متنبی قرار دیا گیا اور ان لوگوں نے اپنے مسلک شعری میں شعرائے عباسی کی پیروی بھی کی۔ مدح، ہجو، مرثیہ، فخر وحماسہ، خمریات، تغزّل اور منظر نگاری وغیرہ اصنافِ مشرق یہاں بھی اختیار کی گئیں۔ تاہم اہل اندلس کی زبان اہل مشرق کی طرح محکم نہ تھی اور اکثر قدیم اصناف میں اندلسی شعرا کا کلام ان کے کلام کا ہم پلہ نہ تھا۔ ہاں بعض اصناف مثلاً مناظر فطرت اور طبیعہ وحنین کا بیان اور مملکتوں کے زوال کا مرثیہ ایسے ہیں جن میں اندلسیوں نے اپنا خاص رنگ وآہنگ پیدا کیا اور اہل مشرق پر وہ بازی لے گئے۔

13.6 فن موشحات

''موشّحہ'' لوک شاعری کی ان اصناف میں ہے جنہیں اہل اندلس نے ایجاد کیا۔ ہر چند کہ بعض اوقات موشحات کا رشتہ ''مسمط'' سے جوڑا جاتا ہے جس کی ایک مثال امرؤالقیس کے کلام میں بتائی جاتی ہے۔ نیز ایک ''موشّحہ'' کی نشاندہی ابن المعتز کے دیوان میں بھی کی جاتی ہے لیکن یہ مثالیں تحقیقی اعتبار سے محل نظر ہیں۔ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ صنف اندلس میں ہی پیدا ہوئی جہاں موشحات کا موجد مقدّم بن معافی القبری کو قرار دیا جاتا ہے جو امیر ابوعبداللہ بن محمد المروانی کے دربار کا نابینا شاعر تھا۔ پھر ''العقد الفرید'' کے مصنف احمد بن عبدربہ نے اس فن کو آگے بڑھایا، تاہم ان دونوں کی موشحات زیادہ اہمیت نہیں پاسکیں اور غالباً ضائع ہوگئیں۔ المریّہ کے حاکم المعتصم بن صمادح کا درباری شاعر عبادہ القزّاز پہلا آدمی تھا جو اس فن میں چمکا اور مقبول خاص وعام ہوا۔ ابن خلدون نے اس کا کچھ نمونہ کلام بھی محفوظ کیا ہے۔

موشحات (خصوصاً ازجال) اجتماعی لوک گیتوں کی حیثیت رکھتے تھے جنہیں لوگ گلی کوچوں میں ٹولیاں بنا کر باآواز بلند گاتے تھے۔ ایک شخص ''المنشد'' یعنی مرکزی گانے والا ہوتا تھا جو تنہا ایک بندلے سے پڑھتا۔ پھر اس کو سب لوگ مل کر دہراتے۔ عود، نے، طنبور، دف وغیرہ آلات موسیقی بھی اس موقع پر بجائے جاتے اور گاہے گاہے رقص بھی کیا جاتا۔ اس عوامی مزاج کے باعث ان اصناف کا فصیح عربی نیز عروض کے معروف اوزان میں ہونا مناسب نہ تھا۔ یہ عامی لہجے اور عوامی دھنوں میں ہوتے تھے۔

لفظ ''موشح'' وشاح سے ہے جس کا مطلب وہ جڑاؤ پٹی ہے جسے خواتین جنیو کے انداز میں ترچھا، ایک طرف کر کے کاندھے سے دوسری طرف کے پہلو تک پہنتی تھیں۔ غالباً ''وشاح'' کے رنگا رنگ موتیوں اور منکوں کی ترتیب اور موشح کے ابیات واقفال کی ترتیب میں ایک مشابہت قائم کی گئی۔ موشحات کے مضامین ہلکے پھلکے اور عوامی دلچسپی کے مطابق ہوتے تھے مثلاً حسن وعشق، بادہ وساغر اور منظر نگاری۔ ان میں بسا اوقات پھکڑ پن کی آمیزش بھی ہوتی تھی اور یہ بالعموم لونڈیوں، غلاموں یا بدمستوں کی زبان تصور کی جاتی تھی۔ تاہم بعد میں اسے مدح وہجو اور زہد وتصوف وغیرہ مختلف مضامین کے لیے بھی استعمال کیا جانے لگا۔

موشحہ کو سوقیانہ تصور کرتے ہوئے اول اول مستند شعرا نے انھیں درخورِ اعتنا نہ سمجھا، چنانچہ ابن زیدون کے کلام میں موشحات نہیں ملتیں حالانکہ اس کے دور میں اس صنف کا رواج ہو چکا تھا۔ تاہم رفتہ رفتہ موشحات پر توجہ بڑھی۔ انھیں فصیح لہجے کے قریب تر لایا گیا اور مروجہ اوزان کے سانچوں میں ڈھالنے کی بھی کوشش کی گئی، اگرچہ اس فن کے لوگ مستند روایتی کلام موزون کو اس صنف کے تقاضوں کے خلاف قرار دیتے ہیں چنانچہ

شعوری طور پر کوئی ایسا ٹکڑا لایا جاتا ہے جو اسے لگی بندھی بحر سے خارج کر دے، مثلاً:

صبرت والصبر شيمة العاني ولم أقل للمطيل هجراني

معذبي كفاني

ترجمہ: میں نے صبر کیا اور صبر ہی اسیر محبت کا شیوہ ہے اور میں نے ہجر کو طول دینے والے (محبوب) سے یہ نہیں کہا کہ اے میرے ستم گر! بس بہت ہو چکا۔

اب اس میں پہلے پورا شعر بحر منسرح میں آیا ہے لیکن ''**معذّبي كفاني**'' کا ٹکڑا اس سے خارج ہے۔ جو موشحات عروضی اوزان سے خارج ہیں ان میں کچھ تو ایسی ہیں جن کی بہرحال ایک دھن سی بن جاتی ہے جس کا ذوقی و سماعی ادراک ممکن ہے اور کچھ ایسی ہیں جن کی کوئی دھن یا آہنگ سمجھ میں نہیں آتا انھیں صرف عوامی گانے میں کھینچ تان کر ہموار کیا جا سکتا ہے۔

13.6.1 موشحات کے مختلف بند

یہ مسئلہ کہ موشحات کے مختلف بند اصطلاحی طور پر کیا کہلاتے ہیں، حتمی طور پر طے شدہ نہیں۔ چنانچہ ''بیت'' (یعنی وہ حصہ جو وزن اور عدد ارکان میں تو باقی موشح سے یکساں ہوتا ہے لیکن قافیہ مختلف رکھتا ہے) بعض کے خیال میں ''جزء'' بھی کہلاتا ہے۔ ''قفل'' وہ بند ہے جو وزن کے علاوہ ایک خاص قافیہ کا بھی پابند ہوتا ہے اور بار بار اسی قافیہ کی طرف لوٹتا ہے، اسے ''قفلہ'' بھی کہہ لیتے ہیں۔ آخری ٹیپ ''خرجہ'' کہلاتی ہے۔ ابتدائی بند کو ''مطلع'' یا ''مذہب'' یا ''غصن'' کہا جاتا ہے۔ ''قفل'' کے مقابلے میں وہ ''ابیات'' جو قافیہ میں ''قفل'' کی پابندی نہیں کرتے ''دور'' یا ''سمط'' بھی کہلاتے ہیں۔ اگر آغاز ان ''ابیات'' سے ہو تو موشح ''اقرع'' کہلاتی ہے اور اگر آغاز ''قفل'' سے ہو تو ''تام'' وغیرہ وغیرہ۔ ان اصطلاحات کے طے شدہ نہ ہونے کے سبب اختلاف رائے اور ایک طرح کے ابہام کا پایا جانا فطری امر ہے۔ ابیات و اقفال میں تعداد ارکان بھی مختلف ہو سکتی ہے۔

13.6.2 اجزائے موشحات

موشحات کی بنیاد عربی قصیدوں سے الگ تیار ہوتی ہے اور یہ مختلف اجزا سے مل کر تیار ہوتے ہیں اور وہ سب مل کر موشحات کی تخلیق کا فرض انجام دیتے ہیں، ناقدین کے نزدیک ان اجزا کو ذیل کے اصطلاحات کے ذریعہ جانا جاتا ہے:

1-مطلع 2-قفل 3-دور 4-سمط 5-غصن 6-بیت 7-خرجہ۔

جب فصیح و مستند شعرا کی توجہ موشحات کی طرف مبذول ہوئی تو اس صنف میں معروف شعرا کے کلام کو تضمین کرنے کا رجحان بھی پیدا ہوا۔ چنانچہ ابن الوکیل نے ابن زیدون کے مشہور قصیدہ:

أضحي التنائي بديلاً من تدانينا

کو موشح میں اس طرح کھپایا ہے:

مَن هَامَ بالغَيد، لاقى بهِم همَّا		بذلتُ مجهودي، لأحور ألمي
يهُمُّ بالجود، وردّ ما همّا		وعند ما قد جاد، بالوصل أو قد كاد

أضحى التنائي بديلاً من تدانينا

ترجمہ: جو کوئی نازک اندام حسینوں پر مرتا ہے، ان کی وجہ سے دکھ اٹھاتا ہے، میں نے عنابی ہونٹوں اور حسین آنکھوں والے (ایک محبوب) کی خاطر جو کچھ بھی بن پڑا، کیا۔

وہ کرم گستری کا ارادہ کر کے پھر توڑ دیتا ہے اور بالآخر جب وہ آمادۂ وصل ہو گیا، یا ہونے ہی والا تھا تو

''ہمارے قرب کی جگہ جدائی نے لے لی''۔

موشحات کے فن میں الأعمى التُطَيلي، ابن بقي، أبو بكر بن الأبيض، أبو بكر بن باجه، أبو بكر بن زهر، محمد بن أبو الفضل وغیرہ اور آخر میں وزیر لسان الدين بن الخطيب بہت نمایاں نظر آتے ہیں، ان کے موشحات فکر و خیال، تصویر کشی، احساس و شعور اور نوع بنوع کے کلام کو پیش کرنے میں نہایت اہم تصور کیے جاتے ہیں۔

مشرق میں بھی موشحات کی پیروی کی گئی اور اس سلسلے میں ابن سناء الملک مصری کا نام سب سے اہم ہے جس کی موشحات کو مشرق و مغرب میں یکساں شہرت ملی۔ موشحات کے فن پر اس کی کتاب ''دار الطراز في عمل الموشحات'' آج تک یادگار ہے۔

لسان الدین بن خطیب اپنے ایک موشحہ میں غزل، طبیعہ اور اپنے ممدوح کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:

في ليالٍ كتَمَتْ سرَّ الهَوى

بالدُّجى لولا شموسُ الغُرَرِ

مالَ نجمُ الكأسِ فيها وهَوَى

مستقيمَ السَّيرِ سعْدَ الأثَرِ

ترجمہ: ایسی راتوں میں، جن راتوں نے اپنی تاریکیوں سے محبت کے سرنہاں کو چھپالیا، اگر ان تاریکیوں میں روشن اور چمکتے ہوئے ماہتاب نے اس کو ظاہر نہ کیا ہوتا۔

جام کا ستارہ ان ہی کی طرف مائل ہوا اور نیچے آ گیا، سیدھا چلتے ہوئے اور اچھے نشانات لے کر۔

ابن زمرک کا ایک مقطع ہے جسے اس نے اپنے ممدوح ابن احمر کی تعریف میں کہا ہے:

مولاي يانكتة الزمان

دار بما ترتضي الفلك

جللت باليمن والأمان

كل مليك وما ملك

لم يدر وصفي ولا عياني

أملِك أنت أم ملَك

ترجمہ: اے میرے آقا، زمانہ کے محور! جو تم نے خدا سے چاہا اور مانگا، وہ ہو کر رہا۔

سعادت و برکت اور امن و امان میں آپ نہایت عظیم ہیں، ہر بادشاہ اور اس کی ملکیت سے۔

میری آنکھوں اور دلوں کو ادراک نہ ہو سکا، کہ آپ بادشاہ ہیں یا فرشتہ۔

13.7 فن ازجال

یہ ایک نئی شعری صنف ہے، اہل اندلس نے اس کو پہلے پہل گانے کے لیے ایجاد کیا اور شروع میں غزل کے اشعار کہے، پھر ازجال کے قصیدے دیگر مقاصد کے لیے بھی لکھے جانے لگے، اس میں دارجہ (یعنی عوامی زبان) کے الفاظ کا استعمال ہوتا ہے اور کبھی ندرت ولطافت کے لیے بعض غیر عربی الفاظ بھی داخل کر دیے جاتے ہیں، اس کی شکل بھی موشح سے ملتی جلتی ہے، اس کو لوک گیت کی شکل میں اہل اندلس نے جاری کیا۔ پھر رفتہ رفتہ پورے عرب میں مقبول و معروف ہو گیا۔

زجل کا لغوی معنی گرج اور کڑک ہے، آواز میں کرختگی اور سختی کے لیے اس کا استعمال ہوتا ہے، بادل میں جب خوب کڑک اور گرج ہو تو کہا جاتا ہے: "سحاب زجل" یہیں سے اس کے معنی میں تغیر واقع ہوا اور کھیل، شور و شغب اور چیخ و پکار کے معنی میں استعمال ہونے لگا، اسی سے ترنم ریز آواز کو بلند کرنے کا معنی پیدا ہوا اور مست و بے خود کر دینے والی انسانی آواز کے لیے بولا جانے لگا۔

اصطلاحی طور پر زجل ان شعری فنون کو کہتے ہیں جو غیر معیاری اسلوب اور عربی قواعد کا زیادہ لحاظ نہ کرتے ہوئے اختراع کر لیے گئے ہوں اور اس سے عربی نظم کی وہ شکلیں مراد لی جاتی ہیں جو درمیانی ادبی زمانہ میں ظہور پذیر ہوئیں۔

ازجال کی زبان اگر چہ خالص عربی نہیں ہوتی تھی، بلکہ اس میں کچھ اختلاط بھی ہوتا تھا، مگر بڑی حد تک فصاحت و بلاغت کے قریب ہوتی تھی اور یہ فرق بدستور عربی اشعار اور ازجال کے اندر باقی رہا۔

13.7.1 ازجال کی نشو ونما کے مراحل

ازجال کے پانچ مرحلے گزرے ہیں، ان کا ذکر ذیل میں باختصار کیا جاتا ہے:

1- ابن قزمان سے پہلے کا مرحلہ:

اس مرحلہ میں زجل عامی شعر ہوا کرتا تھا، بلکہ یوں کہا جائے کہ اس کی حیثیت لوک گیت کی ہوتی تھی جو لوگوں کی زبانوں پر جاری رہتا تھا اور اس میں ایک جماعت کی محنت کارفرما ہوتی تھی، یہ غالباً تیسری صدی ہجری کے اواخر کا زمانہ تھا، پڑھے لکھے افراد عربی قصائد اور موشحات پر زیادہ توجہ دیتے تھے جب کہ عوام کی دلچسپی ازجال اور لوک گیتوں میں زیادہ رہتی تھی۔

2- عرب شعرا کے ازجال

یہ زجل کی ترقی کا دوسرا دور ہے، اس میں وہ شعرا پیش پیش نظر آتے ہیں جو ابن قزمان کے دور سے قبل عربی قصائد اور موشحات پر توجہ مرکوز رکھتے تھے، مگر جب انہوں نے ازجال اور عوامی گیتوں کی گرم بازاری عوام میں دیکھی تو وہ بھی اس کی طرف مائل ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور انہوں نے بھی ازجال کو اپنی جولانیٔ طبع کا موضوع بنایا۔

3- ازجال کا عروج اور قبول عام

اس دور میں ازجال کی نمائندگی کرنے والے وہ شعرا ہیں جو چھٹی صدی ہجری میں رہے، جب طوائف الملوک کی حکومت زوال پذیر اور مرابطون کی سلطنت کا چراغ روشن ہونے جارہا تھا، اس مرحلہ میں زجل کی ترقی اور عروج کا راز یہ ہے کہ اس دور کے حکام وامرا بھی شعروشاعری میں دلچسپی لیتے تھے اور شعرا کی دل کھول کر ہمت افزائی کرتے تھے، حکام طوائف کے زمانہ میں زجل کو جو عروج ومقبولیت نصیب ہوئی، پھر کسی دور میں یہ مقام نہیں ملا اور ابن قزمان ان سب کا لیڈر اور قائد تھا، اس دور ہی میں نہیں بلکہ پورے اندلس میں وہ اس صنف شعری کا نامور ترین شاعر رہا، اس کا نام ابوبکر محمد بن عیسیٰ بن عبدالملک بن قزمان ہے، بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ ابن قزمان نے جب عربی شعرگوئی اور موشحات کے میدان میں اپنے اندر کمی محسوس کی تو اس نے ایک ایسی صنف شعری کی بنیاد ڈالی جس میں اس کا کوئی نظیر ومقابل نہ ہو، اس طرح وہ فن زجل کا امام وقائد بن گیا اور اس میں اس کی شہرت سرزمین اندلس سے پرواز کرکے مغرب ومشرق کے چپہ چپہ تک پہنچ گئی۔

-4 چوتھا مرحلہ

یہ دور چھٹی صدی ہجری کے نصف سے ساتویں صدی ہجری تک کا ہے، اسی مرحلہ میں ابن قزمان کی وفات کا واقعہ بھی پیش آیا، مرابطون کی سلطنت کا خاتمہ ہوا اور موحدون کی حکومت کی بنیاد پڑی، اس دور میں گرچہ بہت سارے شعرائے زجل سامنے آئے جیسے ابن زیات، ابن جحدر الاشبیلی، ابوعلی حسن الادباغ، مگران سب میں ابن قزمان کی جانشینی کا مقام احمد بن الحاج (مدغلیس) کو ملا اور اسی نے سب سے زیادہ اس میدان میں شہرت ومقبولیت حاصل کی۔

-5 پانچواں اور آخری مرحلہ

یہ آٹھویں صدی ہجری کا زمانہ ہے، اس دور کے مشہور ومقبول شعرائے زجل میں لسان الدین بن خطیب، ابوعبداللہ لوشی اور محمد بن عبد العظیم وادی آشی ہیں۔

13.7.2 ازجال کے موضوعات

ازجال میں بھی وہی سارے موضوعات غالب رہے جو اس سے قبل عام عربی قصائد اور موشحات میں رائج تھے، البتہ زجل میں بیک وقت یعنی ایک ہی قصیدہ میں ایک سے زائد اغراض ومقاصد بھی شامل کردیے جاتے تھے، چنانچہ غزل کے ساتھ شراب کی تعریف بھی ہوتی، مدح وتوصیف میں غزل یا مناظر فطرت کا ذکر بھی شامل کردیا جاتا اور مناظر فطرت کے ساتھ ساز وموسیقی اور رقص وسرور کی محفلوں کی داستانیں بھی سنائی جاتیں۔ وہ ازجال جو ایک ہی صنف شعری میں محدود رہے، بہت کم ہیں۔ زجل میں پہلی بار ششتری نے تصوف کے معانی شامل کیے جیسا کہ موشحہ کو سب سے پہلے ابن عربی نے تصوف کے لیے استعمال کیا۔

ازجال کے اندر بھی موشحات ہی کی طرح فنی تقسیمات پائی جاتی ہیں: مطلع، غصن، سمط، قفل، دور، خرجہ۔ اسی کے ساتھ ازجال میں زبان سہل وسادہ استعمال کی جاتی تھی، جس کے نتیجہ میں کبھی لحن بھی واقع ہوجایا کرتا تھا، اس کو عوامی مقبولیت ملنے کی وجہ یہ ہوئی کہ اس کے ذریعہ اہل اندلس کی زندگیوں کی سچی اور واقعی تصویرکشی کی جاتی تھی، قرطبہ کی گلیوں، اشبیلیہ کے محلوں اور لوگوں کی ہنسی مذاق، خوشی اور غم، ہر چیز کا تذکرہ اور بیان اس میں ہوا کرتا تھا، زجل کا مزاج موشح سے زیادہ عوامی تھا چنانچہ اس میں دارجہ (عوامی زبان colloquial) لہجہ زیادہ استعمال ہوا ہے جس میں مقامی لاطینی دارجہ کے الفاظ بھی شامل ہیں۔ لفظ ''زجل'' کا لغوی مفہوم عالم طرب میں گانا اور غل مچانا وغیرہ ہے۔

ابن قزمان کہتا ہے:

هجرني حبيبي هجر
وأنا ليس لي بعد صبر
ليس حبيبي إلا ودود
قطع لي قميصي من صدود
وخاط بنقض العهود
وحبب إلي السهر
كان الكستبان من شجون
والابر من سهام الجفون
وكان المقص المنون
والخيط القضا والقدر

ترجمہ: میرے محبوب نے مجھے الوداع کہہ دیا، اس کے جانے کے بعد اب میں صبر نہیں کر سکتا۔
میرا محبوب تو میری خالص محبت ہے، اس نے مجھ سے اعراض کر لیا ہے۔
اس نے عہد و پیمان کو توڑ دیا ہے اور مجھے شب بیدار بنا دیا ہے۔
میرے کپڑوں میں غم ہی غم ہے اور آنکھوں کی پلکوں میں سوئی ہے۔
اور قینچی تو موت ہے اور دھاگہ قضا و قدر ہے۔

زجل، جیسا کہ بیان ہوا، موشح سے زیادہ عوامی چیز ہے جس کی زبان غیر معیاری مقامی لہجوں پر مبنی ہوتی ہے۔ زجل کے ارتقا میں سعید بن عبد ربہ، ابو یوسف ہارون الرمادی، عبادہ بن ماء السماء، ابوعثمان بن سعید البلینہ، وغیرہ بہت سے شعرا نے حصہ لیا۔ لیکن ابن قزمان، ابوبکر محمد بن عبدالملک کو زجّالین میں نہایت نمایاں حیثیت حاصل ہے، اس کی ایک معروف زجل کی ابتدا یوں ہوتی ہے:

يا مليح الدنيا قول
علي اش أنت يا ابن ملول
أي أنا عندك وجيه
يتمجج من وفيه ثم فاحلي ماتتيه
ترجع انسنک وصول

فصیح عربی میں اس زجل کی جو شرح بتائی گئی ہے، اس کا مفہوم کچھ اس طرح ہے:
اے دنیا کے ملیح ترین شخص یہ بتا کہ آخر کیا سبب ہے کہ تو پیہم متغیر ہے، کسی ایک حال پر ٹھہرتا نہیں، مجھے تیرے ہاں بڑا مقام حاصل ہے۔

بھلا انسان اپنے وفادار سے کیونکر نفرت کرسکتا ہے جس قدر ناز کرنا ہے کرلے کہ بالآخر تجھے اسی سے جاملنا ہے جس سے تجھے محبت ہے۔

زجل کے عمومی موضوعات عوامی دلچسپیوں سے عبارت تھے جن پر پھکڑ پن اور فحش گوئی کا اثر بھی نمایاں تھا تاہم اسی صنف میں رفتہ رفتہ سیاسی، مدحیہ بلکہ حزنیہ مضامین بھی جگہ پانے لگے۔

زجل کا فن اندلس کے تمام گوشوں میں اس قدر مقبول ہوا کہ ان تمام شعرا کے نام گنوانا ممکن نہیں جنھوں نے اسے اپنایا۔ اندلس سے مشرق کی طرف ہجرت کرنے والے شعرا کے توسط سے زجل نہ صرف دیارِ مشرق میں پہنچی بلکہ فرانس، انگلستان، جرمنی، اٹلی، پرتگال وغیرہ جیسے مغربی ممالک پر بھی اس کا اثر دریافت کیا گیا ہے۔

13.8 فن طبیعہ

اجتماعی مرثیے کے علاوہ جس صنف سخن میں شعرائے اندلس نے اپنا خاص رنگ جمایا، وہ طبیعہ ہے۔ عام قصائد کے ذریعہ معرکوں کی منظر کشی، سیر وشکار کی تصویر کشی، مجالس لہو ولعب اور بزم ہائے جام وطرب کی منظر کشی وغیرہ وغیرہ مضامین میں انھوں نے اپنے دقیق مشاہدات کو پیکر شعر میں ڈھالا، لیکن اس میدان میں جہاں سب سے بڑھ کر ان کے جوہر کھلے وہ مناظر فطرت یعنی ''طبیعہ'' کا بیان تھا جس میں وہ اہل مشرق پر بازی لے گئے۔ سبزہ وآبِ رواں، اشجار وطیور، چاند ستارے، محلّات اور ان کی آرائش وزیبائش جیسے موضوعات پر ان کے قلم نے موئے قلم کی سی باریکی دکھائی اور یہ اندلس کی حسین وجمیل فضاؤں کا طبعی وقدرتی تقاضا تھا۔

اس بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ شعری فنون میں یہ صنف اہل اندلس کی خاص ایجاد ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اس کے اسباب بھی مہیا کردیے تھے، اس لیے شعرا اندلس نے مختلف پہلوؤں سے مناظر فطرت کی عکاسی کی ہے، شعرائے مشرق کے یہاں یہ اسباب ہی نہیں پائے گئے کہ وہ ان موضوعات کو اپنی شاعری کے ذریعہ حیاتِ دوام بخشتے، یہ فطری اور طبعی تخلیقات اور خیرہ کن مناظر اہل اندلس کو ان کی سرزمین میں اس قدر وافر مقدار میں ملے کہ وہ مبہوت رہ گئے اور ان کے دل قدرتی طور پر ان مناظر کے زلف گرہ گیر کے اسیر ہوگئے، طبیعہ کے چند گوشوں کا یہاں مختصراً تذکرہ کیا جارہا ہے، جن سے شعرائے طبیعہ کا ربط وتعلق رہا۔

13.8.1 طبیعہ کے چند گوشے

1- طبیعہ اور عورت

عرب کے شعرا کا معمول رہا کہ وہ اپنے قصائد کا آغاز تشبیب یعنی عورت کی جسمانی ظاہری محاسن وجمال کے تذکرہ سے کرتے تھے، چنانچہ اس کے حسن وجمال کو طبیعہ کی جاذب نظر اور دل کش چیزوں سے تشبیہ دیتے تھے، جیسے عورت کے قدوقامت کو درخت کی ٹہنی اور اس کے بال کو رات کی سیاہی کے مشابہ قرار دیتے تھے، لیکن اندلس کے شعرا اپنی سرزمین پر مناظر فطرت کی کثرت کی وجہ سے اس کے لیے زیادہ آمادہ وموزوں تھے، اس لیے فطری طور پر غزل کے موضوعات میں طبیعہ کے معانی بکثرت پائے گئے۔

ابن سہیل الاشبیلی طبیعہ کے بارے میں کہتا ہے اور معکوس تشبیہ دیتے ہوئے زمین اور اس کی سرسبزی وشادابی کو خوبرو عورت کے مشابہ قرار دیتے ہوئے کہتا ہے:

والطل ينثر في رباها جوهرا
وكأنّ سوسنها يصافح وردها
ثغر يقبل منه خداً أحمرا

ترجمہ: زمین نے سبز چادر زیب تن کرلیا ہے اور شبنم نے اس کے ٹیلوں کو جواہر سے ڈھانپ لیا ہے۔
اس زمین کا سفید پھول اس کے سرخ گلاب سے ہاتھ ملا رہا ہے، گویا وہ اپنے ہونٹ سے سرخ رخسار کو بوسہ لے رہا ہے۔

2- طبیعہ اور شراب

اندلسی شاعری میں بارہا عورت اور شراب کا تذکرہ ایک ساتھ طبیعہ کے ضمن میں آتا ہے، اندلسی شاعری میں ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ فطرت کی منظرکشی میں عورت اور کنایۃً شراب کا تذکرہ نہ ہو۔ معتمد بن عباد کہتا ہے:

شربنا وجفن الليل يغسل كحله
بماء صباح والنسيم رقيق
معتقة كالتبر أما نجارها
فضخم وأما جسمها فدقيق

ترجمہ: ہم نے اس حال میں جام پیا کہ رات کی پلکیں اس کے سرمہ کو دھورہی تھیں صبح کے پانی سے اور بادنسیم بہت نرم خرام تھی۔
وہ سونے کے ڈھیلہ کی طرح خالص اور سنہری ہے، رہی اس کی اصل ونسب تو وہ بہت عظیم ہے اور جسم بہت چھریرا ہے۔

3- طبیعہ اور مدح سرائی

مدح وتوصیف میں طبیعہ کا پہلو اہل اندلس کی شاعری میں سب سے نمایاں طور پر پایا جاتا ہے، یہاں تک کہ یہ ان کے اسلوب شاعری کا لازمی جز بن گیا، چنانچہ بعض شعرانے طبیعہ ومناظر فطرت کے محاسن کو ممدوح کے کارناموں سے تشبیہ دی، جیسا کہ ابن ہانی معز فاطمی کے بارے میں کہتا ہے:

وما تطلع الدنيا شموسا تريكها
ولا للرياض الزهر أيد حوانک
ولكنما ضاحكتنا عن محاسن
جلتهن أيام المعز الضواحک

ترجمہ: دنیا تمھیں سورج کے ذریعہ روشنی نہیں دکھاتی ہے اور نہ ہی باغات کے پاس شادابی وسرسبزی کے ذرائع ہیں۔
لیکن یہ سورج اور خوشنما باغ جن محاسن کا اظہار کرتے ہیں، ان کو معز فاطمی کے شب وروز نے منور کررکھا ہے۔

4- طبیعہ اور حماسی اشعار

شعرائے اندلس کے اندر طبیعہ اور قدرت کے مناظر کو جملہ شعری اغراض وموضوعات میں عام کرنے کا معمول رہا،لیکن طبیعہ اور جوش وجذبہ کے عناصر ان کے اشعار میں باہم دگر پیوست نظر آتے ہیں، ابوبکر بن عمار معتمد کے بارے میں کہتا ہے:

أثمرتَ رُمحَک من رؤوس کُماتِھم

لما رأیتُ الغصن یُعشَقُ مثمِراً

ترجمہ: آپ کے نیزہ نے ان کے جانبازوں کے سروں کو قلم کردیا، جب آپ نے ٹہنی کو پھل سے عشق کرتے ہوئے دیکھا۔

طبیعہ شاعری کے عظیم الشان اندلسی ذخیرہ سے انتخاب اور پھر اس کی چند نمائندہ مثالیں گذریں۔مزید یہاں دو مثالیں دے دینا مناسب ہے، جن سے اس صنف کی ضرورت واہمیت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ابن خفاجہ ابراہیم بن ابوالفتح (وفات 533ھ/1138ء) کو چونکہ ''طبیعہ'' یعنی مناظر فطرت کی عکاسی میں نمایاں حیثیت حاصل ہے، اس کے چند اشعار پر نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ آبِ رواں کی تصویر اس نے کس چابکدستی سے بنائی ہے اور اس میں کیا کیا رنگ بھرے ہیں:

متعطفٌ مثل السوار کأنه

والزهر یکنفه مجرّ سماءِ

قد رق حتی ظُنَّ قرساً مفرغاً

من فضة في بردة خضراءِ

وغدت تَحف به الغصون کأنها

هدب یحف بمقلة زرقاءِ

والریح تعبث بالغصون وقد جَری

ذهبُ الأصیل علی لُجین الماءِ

ترجمہ: کنگن کی طرح بل کھایا ہوا، پھولوں میں گھرا ہوا (یہ پانی) یوں لگتا ہے جیسے آسماں کی کہکشاں۔

اس درجہ لطیف کہ سانچے میں ڈھلا ہوا چاندی کا ایک تھال معلوم ہوتا ہے جو ایک سبز چادر پر دھرا ہو۔

ڈالیاں اس کے گرداگرد یوں ہجوم کیے ہوئے ہوں جیسے نیلگوں حلقہ چشم کے گرد پلکیں ہوں۔

اور ہوا ٹہنیوں سے اٹکھیلیاں کررہی ہے جب کہ شام کا سونا پانی کی چاندی پر رواں ہے۔

ابن خفاجہ اندلسی ہی نے ایک دوسرے موقع پر اندلس کی فضاؤں کو یوں خراج پیش کیا تھا:

یاأَهلَ أَندَلُس لِلهِ دَرُّکُمْ

ماءٌ وَظِلٌّ وَأَنهارٌ وَأَشجارُ

ما جَنَّةُ الخُلدِ إِلّا في دِیارِکُمْ

وَلَو تَخَیرتُ هٰذا کُنتُ اَختارُ

ترجمہ: اے اہل اندلس! تمہارے کیا کہنے ہیں۔ پانی، سایہ، دریا اور درخت۔
باغ خلد اگر کہیں ہے تو تمہارے دیار میں ہے، مجھ سے اگر کہا جائے کہ دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کروں تو میں اسی کو اختیار کروں۔
گویا کہ:

اگر فردوس بر روئے زمیں است ہمیں است وہمیں است وہمیں است

طبیعہ ہی کی قسم میں علی بن حصن کے وہ اشعار بھی بہت دلکش اور انوکھے ہیں جن میں انہوں نے شاخ پر بیٹھے ہوئے فاختہ کے بچے کے بال وپر کے ایک ایک ریشے کی زندگی سے بھر پور تصویر بنائی ہے۔ ابن شہید کے وہ اشعار بھی نہایت دلفریب ہیں جن میں انہوں نے ابر وباراں کی منظر کشی کی ہے۔ اسی طرح ابن زیدون کا وہ قصیدۂ قاضیّہ جو انہوں نے مدینۃ الزہراء میں ولّادہ کی یاد میں لکھا۔

ابن زمرک، ابوعبداللہ محمد بن یوسف (وفات 793ھ/ 1390ء) کو اندلس میں عربی شاعری کا آخری ستون کہا جاسکتا ہے۔ وہ ایک اچھا نثر نگار بھی تھا۔ بطور شاعر ابن خفاجہ کے رنگ کا یہ کامیاب شاعر طبیعہ سمجھا جاتا ہے، چنانچہ مناظر فطرت کی عکاسی میں اسے زبردست ملکہ حاصل تھا۔ الحمراء کے درودیوار، باغات اور وہاں کی محفلوں کا نقشہ اس نے بڑی خوب صورتی سے کھینچا ہے۔ اس کے بعض اشعار آج تک الحمراء کی دیواروں پر نقش ہیں اور ان کی بے مثال مینا کاری کا حصہ ہیں۔ ایک قصیدے میں اس نے جلتے ہوئے چراغ کی منظر کشی کی ہے جو اس کی دقّت مشاہدہ اور قدرتِ اظہار کے ساتھ ساتھ اس کی داخلی شخصیت پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔ انہی چند شعروں کو ہم اس کے نمونۂ کلام کے طور پر درج کرتے ہیں، دیکھیے اس نے کس خوبی سے چراغ کی لَو اور سوز محبت کو باہم دگر پیوست کر دیا ہے:

لقد زادني وجداً وأغرى بيَ الجوى
ذُبالٌ بأذيال الظلام قد الْتَفَا
تشير وراء الليل منه بنانَةٌ
مخضّبةٌ والليل قد حجب الكفَّا
تلوح سناناً حين لا تنفح الصَّبا
وتبدي سواراً حين تُثْني له العطفا
قطعت به ليلاً يطارحني الجوى
فآونَةً يبدو وآونةً يخفَى
إذا قلتُ لا يبدو أشالَ لسانَه
وإن قُلتُ لا يخفى الضياءُ به كَفَّا
إلى أن أفاقَ الصبحُ من غمرة الدُّجى
وأهدى نسيمُ الرّوض من طيبه عَرْفَا
لك اللهُ يا مصباحُ أَشْبَهْتَ مهجتي

وقد شَفَّها من لوعةِ الحبِّ ما شفَّا

ترجمہ: بلاشبہ میری کسک میں اضافہ کر دیا ہے اور دردِ محبت کو بھڑکا دیا ہے ایک فتیلے نے جو ظلمت کے دامن سے الجھ رہا ہے۔
اس کی ایک حنائی انگشت رات کے ماورا اشارہ کرتی ہے جب کہ باقی ہاتھ پر رات نے پردہ ڈال رکھا ہے۔
جب بادِ صبا نہیں چلتی تو یہ (انگشت) نیزے کی طرح دمکتی ہے اور جب صبا اس (فتیلے) کا پہلو دباتی ہے تو یہ ایک کنگن کی صورت دکھائی دیتی ہے۔
اس کے سہارے میں نے رات گزار دی، دردِ محبت مجھ سے مصروفِ کشاکش رہا۔
وہ (اس لَو کی طرح) کبھی کھل کر سامنے آتا تھا اور کبھی روپوش ہو جاتا تھا۔
جب میں یہ سمجھنے لگتا تھا کہ اب وہ ظاہر نہیں ہوگا تو وہ اپنی زبان بلند کر دیتا تھا۔
اور جب میں یہ تصور کرنے لگتا تھا کہ اس کی روشنی اب نہ بجھے گی تو وہ مدھم پڑ جاتا تھا۔
(یہ سلسلہ جاری رہا) تا آنکہ صبح، تاریکیوں کی کٹھنائی سے آزاد ہوئی اور باغوں کی ہواؤں نے اپنے مہکار کی لپٹ کا ہدیہ بھیجا، اللہ تیرا بھلا کرے، اے چراغ تو میری روح سے مشابہ ہے جسے سوزِ عشق نے بے حد زار و نزار کر رکھا ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ اندلسی شعرا کی نظر میں طبیعہ اور اس کے معانی نمایاں طور پر پائے جاتے ہیں اور ایسا نہیں ہے کہ اس سے پہلے شعرا نے اس طرف یکسر توجہ نہیں دی، بلکہ بہت سارے شعرائے مشرق نے مرثیہ اور طبیعہ کے اشعار کہے ہیں، لیکن اندلسی شعرا کے نزدیک ان کے خاص ملکی حالات اور سرسبزی و شادابی کے پیش نظر یہ معانی واضح اور نمایاں طور پر پائے جاتے ہیں اور پھر یہ کہ اندلسی شعرا نے اپنے وطن سے دور زندگی گذاری، جیسے ابن زیدون، ابن خفاجہ، ابن حمدیس اور ابن عباد، ان سب کے اشعار میں طبیعہ کا پہلو بہت غالب اور واضح تھا۔

13.8.2 شعر طبیعہ کی خصوصیات

شاید طبیعہ کا سب سے بڑا محرک جو اندلسی شاعری کے اندر پایا جاتا ہے، وہ یہ کہ شعرا بدوی زندگی سے گریز چاہتے تھے اور اپنے اشعار میں ان مناظر فطرت کا تذکرہ نہیں کرنا چاہتے تھے جن کا اثر شعرائے مشرق پر غالب تھا، لیکن شروع شروع میں شعرا نے قدیم اسلوب ہی کو اختیار کیا، اس لیے کہ وہ اپنے قدیم شعرا کے اسلوب سے تعلق وطن و زبان کی بنیاد پر اعراض کرنا نہیں چاہتے تھے، لیکن بتدریج طبیعہ کا اثر ان کے ذہنوں پر چھاتا گیا اور اپنے جملہ اصنافِ شاعری میں اس کو شامل کرتے رہے، اس پس منظر میں اندلس کی طبیعہ شاعری کی خصوصیات کو اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے:

1- اس منظر کشی کے اندر ممتاز اندلسی معاشرہ کے خط و خال بیان کیے جاتے تھے اور بکثرت تالاب، ندی، پھول، درخت اور سمندر وغیرہ دیگر مناظر فطرت کا تذکرہ ہوتا تھا، اس لیے کہ یہ ساری چیزیں ان کی نظروں کے سامنے تھیں۔

2- پھول کا اندلسی شاعری میں بڑا کردار ہے اور اہل اندلس کی زندگیوں میں جس کثرت سے اس کا رواج تھا، اسی کثرت سے شعرا نے بھی گلاب، یاسمین، نرگس، سوسن اور دیگر پھولوں کا خوب جی بھر کر تذکرہ کیا ہے۔

13.9 فنِ حنین (اظہارِ شوقِ وطن)

سچ کہا ہے کسی نے:

بلادي وإن جارت عليّ عزيزة۔

یعنی میرا ملک خواہ مجھ پر ظلم ہی کیوں نہ کرے جب بھی وہ مجھے دل وجان سے عزیز ہے، یہ اس وقت ہے جب ملک ووطن ظالم ہو اور اگر وہ اپنے جگر کے ٹکڑوں پر ظلم وزیادتی نہ کرے، تو انسان کبھی بھی اپنے وطن سے منہ نہیں موڑ سکتا اور نہ ہی اس کی محبت اور یادوشوق کو اپنے دل ودماغ سے کھرچ کر کبھی نکال سکتا ہے۔

انسان بارہا اپنے وطن پر غصہ ہوتا اور اس سے ناراضگی کا اظہار کر رہا ہوتا ہے، مگر پھر فوراً اس کا مشتاق نظر آتا ہے اور ماضی کی یادوں کو تازہ کر کے تکلیف وکراہ محسوس کرتا ہے، پھر یہ شوقِ وطن اور دیارِ عزیز کی یاد طرح طرح سے سامنے آتی ہے اور اس پر اثر انداز ہوتی ہے، جس کے نتیجہ میں اس کی آنکھوں سے اشکوں کا سیل رواں جاری ہوجاتا ہے اور زبان سے شیرینی اور تموج کے ساتھ سوزِش قلب وجگر کے اشعار جاری ہوجاتے ہیں۔

13.9.1 حنینِ وطن اور انسانی فطرت

اپنے دیار اور وطن کے شوق ووارفتگی کی سب سے واضح اور نمایاں مثال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ یادگار لمحہ ہے جب آپؐ اپنی جائے پیدائش اور محبوب دیار مکہ سے ہجرت کر کے ایک اجنبی جگہ مدینہ کے لیے عازم سفر ہو رہے تھے، ابھی مکہ کے نشانات نظروں سے اوجھل بھی نہ ہوئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا رخِ انور اس کی طرف کرتے ہوئے فرمایا: "**يامكة لأنت أحب بلاد الله إلى الله، ولأنت أحب بلاد الله إلي، ولولا أن قومك أخرجوني منك ماخرجت**"، **فنزل جبريل-عليه السلام-بقوله تعالىٰ:**"**وكأين من قرية أشد قوة من قريتك التي أخرجتك أهلكناهم فلاناصر لهم**"۔[سورہ محمد: ۱۳] (اے مکہ! تو اللہ تعالیٰ کی نظر میں تمام جگہوں میں سب سے محبوب مقام ہے اور میرے نزدیک بھی تو جملہ سرزمینوں میں سب سے محبوب ہے اور اگر تیری قوم آج مجھے نہیں نکالتی تو میں ہرگز تجھے چھوڑ کر نہ جاتا، چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ آیت ربانی لے کر نازل ہوئے: اور ہم نے کتنے ایسے علاقے تہس نہس کر دیے جو آپ کے اس علاقہ سے طاقت وقوت میں بڑھے ہوئے تھے، جس نے آپ کو نکالا، ہم نے ان علاقے والوں کو ہلاک کر دیا تو کوئی ان کا مددگار نہیں ہوا)۔

تو اپنے علاقہ، دیار، سرزمین اور اہل وعیال، دوست واحباب کی طرف حنین واشتیاق، انسان کے صاحب رشد وعقل ہونے کی علامت ہے، اس سے اس کے ذہن کی پختگی اور خاندانی نجابت وشرافت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اسلاف کی زبانی شوق ووارفتگی سے متعلق کچھ معنی خیز جملے منقول ہیں، جن سے اس جذبہ کی شرافت وصداقت اور انسانی نفوس میں اس کی گہرائی وگیرائی کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ ایک اعرابی نے کہا: "کسی ایسے شہر کی شکایت نہ کرو جس میں تمہارے قبیلہ والے ہوں اور اس سرزمین پر ظلم نہ کرو جس میں تمہارے اہل تعلق ہوں۔ ایک دوسرے شخص نے کہا: کوئی انسان اپنے وطن سے زیادہ کہیں دوسری جگہ مطمئن نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ وہ طبعاً ہر گھٹیا چیز میں عیب نکالتا ہے اور ہر ناپسندیدہ شئے کی مذمت کرتا ہے، مگر اپنے وطن کو برا بھلا نہیں کہہ سکتا اگر چہ وہ خراب مٹی والا ہو اور ناپسندیدہ غذا

والا ہوا اور اگر اپنے وطن کا شوق وحنین لوگوں کے دلوں میں نہ ہوتا تو ساری زمین اور گھر بار ویران ہو چکے ہوتے۔

اظہار شوق وطن پر مشتمل اشعار میں بالخصوص اہل اندلس کا بڑا کردار اور حصہ ہے، انہوں نے وطن کے اشتیاق، وہاں گزرے ہوئے اپنی جوانی کے زریں لمحات اور حسین یادوں کے بارے میں بڑے دل سوز اور معنی خیز اشعار کہے ہیں۔

13.9.2 عبدالرحمن اول اور دیگر شعرا کا شوقِ وطن

اندلس کی سرزمین پر پہلا اندلسی خلیفہ عبدالرحمن الداخل، جن کے اشعار پر یادِ وطن یا فخر کا مضمون غالب ہے۔ان میں زیادہ شہرت چار شعر کے اس قطعے کو ملی جو انہوں نے رُصافہ قرطبہ میں کھجور کے ایک تنہا درخت کو دیکھ کر کہا۔ کھجور کا درخت اندلس کی چیز نہ تھی، یہ اسے اس کے وطن، سرزمین شام اور وہاں امویوں کی عظمت رفتہ کی یاد دلاتا تھا۔شاید اسی لیے اس نے مسجد قرطبہ کے ستون اور ان کی درمیانی قوسیں اس وضع پر رکھوائیں کہ وہ ایک نخلستان کا نمونہ پیش کریں۔ڈاکٹر محمد اقبال علیہ الرحمہ نے اسی کیفیت کو محسوس کر کے کہا تھا:

تیری بنا پائدار، تیرے ستوں بے شمار　　　شام کے صحرا میں ہو جیسے ہجوم نخیل

بہر کیف رصافہ میں کھجور کا درخت دیکھ کر عبدالرحمن الداخل کے دل کے تار چھڑ گئے اور اس نے اپنے اور اس کے درمیان غریب الوطنی کا اشتراک محسوس کرتے ہوئے کہا:

تَبدَّتْ لَنَا وَسْطَ الرُّصافَةِ نَخْلةٌ
تَنَاءت بأرضِ الغَرْبِ عن بَلَدِ النَّخْلِ
فقُلتُ شَبِيهي في التَغرُّبِ والنَّوى
وطُولِ التَّنائي عن بَنِيّ وعَن أَهْلِي
نشَأتِ بأرضٍ أنتِ فيها غَريبةٌ
فمِثْلُكِ في الإقصاءِ والمُنْتأى مثلي
سَقَاكِ غَوَادِي المُزْنِ مِن صوبها الذي
يَسُحُ ويستمرِي السِّماكَين بالوبْلِ

ترجمہ: رُصافہ کے وسط میں ایک کھجور کا درخت ہمیں دکھائی دیا جو کھجوروں کی سرزمین سے بہت دور ارض مغرب میں کھڑا تھا۔

میں نے اس سے کہا: اے کہ تو میری شبیہ ہے غریب الوطنی میں، بعد مکانی میں اور اہل وعیال سے مدتوں کے فراق میں۔

تو نے ایک ایسی سرزمین میں نشوونما پائی ہے جہاں تو غریب الدیار ہے، چنانچہ فاصلوں، دوریوں اور مہجوریوں کے حوالے سے تو میری زندہ مثال ہے۔

خدا کرے صبح کے بادل تجھے اپنے دھارے سے سیراب کریں جو کھل کر برستا ہے اور (آسمان کے ستاروں) سماکین سے موسلا دھار بارش کھینچ کر لے آتا ہے۔

ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم نے بالِ جبریل میں ان اشعار کا آزاد ترجمہ ''عبدالرحمن اول کا بویا ہوا کھجور کا پہلا درخت سرزمین اندلس میں'' کے

عنوان سے کیا ہے:

مغرب کی ہوا نے تجھ کو پالا　　صحرائے عرب کی حور ہے تو
پردیس میں ناصبور ہوں میں　　پردیس میں ناصبور ہے تو
غربت کی ہوا میں بارور ہو　　ساقی تیرا نم سحر ہو

قاضی ابوعبداللہ محمد بن عیسیٰ اپنے احساسات وجذبات کا اظہار کررہے ہیں اوران کو دوسروں کے سامنے بیان کررہے ہیں، جب وہ اندلس سے نکلے تو ان کو اپنی جوانی کے وہ دن یاد آ گئے جو بہت روشن وممتاز تھے اوروہ ایام شباب جو عظیم کارناموں اور قابل فخر حصولیابیوں سے بھرے ہوئے تھے تو بے ساختہ ان کی آنکھیں اس وقت اشک بار ہوگئیں، جب وہ قرطبہ میں اپنے اہل تعلق کے درمیان عزت ومحبت اور امن وامان کی پرسکون فضا میں رہ رہے تھے، تو اچانک ان کی نظریں چند فاختاؤں پر پڑیں اوران کو ماضی کی حسین یادوں نے آ گھیرا، اب وہ اپنی نعمتوں بھری جوانی اوراس خوفناک اوروحشت بھرے بوڑھاپا کو یاد کرنے لگے، چنانچہ وہ کہتے ہیں:

ماذا أكابد من وُرق مغرّدة
على قضيب بذات الجزع ميَّاسِ
رددن شجواً شجَا قلبَ الخليِّ فهلْ
في عبرةٍ ذرفَتُ في الحبِ مِن بأسِ
ذكَّرنَه الزمنَ الماضي بقرطبةٍ
بين الأحبةِ في أمنٍ وإينَاسِ
هم الصبابة لولا همةٌ شرُفت
فصيَّرَتْ قلبَه كالجَندَل القَاسِي

ترجمہ: ذات جزع میں ایک نرم وجھکی ہوئی شاخ پر بیٹھی چند فاختاؤں سے میں کس طرح کا درد وکسک محسوس کررہا ہوں۔

وہ بار بار اپنے درد وغم کا اظہار کررہی ہیں، جس نے محروم محبت کو بھی درد وغم میں مبتلا کردیا، تو کیا محبت میں بہنے والے آنسو میں کوئی غم کا ذرہ بھی ہے؟

ان فاختاؤں نے قرطبہ میں احباب اوراعزا کے درمیان گذرے ہوئے ماضی کے حسین ایام کو یاد دلا دیا۔

وہ عاشق زار ہیں، اگر ان کے اندر بلند ہمتی نہ ہوتی تو ان کا دل سخت پتھر کی طرح ہوجاتا۔

اسی شوق ووارفتگی کے طرز پر ابوبکر محمد بن ازرق اپنی جوانی کے دنوں، ان کی شادابیوں اوراحباب کی دل داریوں پر آنسو بہاتا اور تعجب کا اظہار کرتا ہے کہ آلام ومصائب کی یورش اور درد وغم کے ہجوم ہیں، اس کے اوراس غمگین پرندہ کے مابین بڑی یکسانیت ہے، دونوں عشق کے مارے ہوئے ہیں اور زمانۂ عشق ومحبت کی یادیں دونوں کو ستا اور تڑپا رہی ہیں، چنانچہ وہ کہتا ہے:

هل علم الطائر في أيكه

بأن قلبي للحمى طائر
ذكّرني عهد الصبا شجوه
وكل صب للصبا ذاكر
سقى عهوداً لهم بالحمى
دمع له ذكرهم ناثر

ترجمہ: کیا ایکہ کے پرندہ کو معلوم ہے کہ میرا دل منزل کی طرف کوچ کرنے والا ہے۔
اس کے غم نے مجھے میرا عہد عشق ووفا یاد دلا دیا اور ہر عاشق اپنے زمانۂ محبت کو یاد ضرور کرتا ہے۔
اسی یاد نے وطن میں عاشقوں کے زمانوں کو آباد کر رکھا ہے، ان کی یادوں کے آنسو یہاں جگہ جگہ نقش ہیں۔

اپنے وطن اور اہل وعیال کا شوق وحنین اندلسی شعرا کا محبوب موضوع رہا ہے، وہ اپنے مالوف وطن میں جوانی کے ایام بہاراں گزار رہے تھے، پھر جب وہ وہاں سے جدا ہوگئے اور جوانی کی خوب صورتی کو بڑھاپے کی سفید چادر نے اپنے اندر سمولیا، جس جوانی میں وہ اس کائنات کی خوب صورتی سے لطف اندوز ہوتے تھے، تو ان کو خوشی کے لمحات بہت زیادہ یاد آنے لگے اور اپنے وطن کا شوق وحنین ان کے رُواں رُواں میں انگڑائیاں لیتا اور وہاں کے کھنڈرات کی وحشت، محبوباؤں کے ہجر وفراق کی تلخی اور انس ومحبت کی سرزمین کی یادیں ان کے دل کی دنیا کو زیروزبر کر دیتیں، کتنے ایسے شعرا ہیں جو اپنے دل، دماغ اور جذبات واحساسات سے عشق ومحبت کی سرزمین میں اٹکھیلیوں کی تصویر کشی کرتے ہیں، ان کی روحیں اس کی طرف مائل ہو جاتی ہیں اور ان کے دلوں میں شوقِ فراواں کے شعلے بھڑک اٹھتے ہیں، احباب ورفقا شدت سے یاد آنے لگتے ہیں، اس لیے وہ اپنے اشعار میں بارہا موسم بہار کے بادلوں سے التجا کرتے ہیں کہ وہ ان کھنڈرات، عشق ومحبت کے مقامات، دوشیزاؤں اور محبوباؤں کے سیر وتفریح کی جگہیں، حزن والم اور مسرت وشادمانی کے دیار کو سیراب کر دے تا کہ وہ برگ وبار لائیں، درخشانی وتابانی اور کیف وطرب کے خوب جلوے بکھیریں۔

یہ مشہور اندلسی شاعر ابن زیدون ہیں جو احباب ورفقا کی جائے اجتماع، اپنے عشق ومحبت اور جوانی کی مانوس جگہ کے تئیں اپنے اشتیاق وحنین کی تصویر کشی کرتے ہیں، جب وہاں کی یادیں ان کے دل ودماغ پر سایہ فگن ہوتی تھیں اور اپنے گھنیرے آنچل کو اس پر ڈال دیتی تھیں، وہ ان مقامات کو اپنا ہدیۂ سلام ومحبت بھیجتا ہے، جس میں حسرت وافسوس اور کسک وچبھن کی آمیزش ہے، ذیل کے اشعار میں وہ اپنے اشکوں کو آبدار موتی کی طرح سامنے لاتا ہے اور یوں گویا ہوتا ہے:

عَلى الثَغَبِ الشَهدِيِّ مِنّي تَحِيَّةٌ
زَكَت وَعَلى وادي العَقيقِ سَلامُ
وَلازالَ نورٌ في الرَصافَةِ ضاحِكٌ
بِأَرجائِها يَبكي عَلَيهِ غَمامُ
مَعاهِدُ لَهوٍ لَم تَزَل في ظِلالِها

تُدارُ عَلَينا لِلمُجونِ مُدامُ

فَإِن بانَ مِنّي عَهدُها فَبِلَوعَةٍ

يَشُبُّ لَها بَينَ الضُلوعِ ضِرامُ

تَذَكَّرتُ أَيّامي بِها فَتَبادَرَت

دُموعٌ كَما خانَ الفَريدَ نِظامُ

ترجمہ۔ شہدی چشمۂ صافی کو میرا پرخلوص سلام اور وادیٔ عقیق کو بھی میرا محبت بھرا سلام۔

رُصافہ میں کلیاں برابر مسکراتی رہیں، اس کے چپہ چپہ میں بادل رم جھم برستا رہے۔

لہو ولعب کے مقامات، ان کے سایے میں مسلسل شرابِ مستی وطرب کے جام پیش کیے جاتے رہیں۔

اگر چہ مجھ سے اس کا زمانہ رخصت ہوگیا، مگر اس کی چبھن کی وجہ سے ہمارے پہلوؤں میں درد کی آگ بھڑکتی رہتی ہے۔

وہاں گزرے ہوئے لمحات نظروں میں سماگئے اور اشک ہائے رنج والم رخسار پر اس موتی کی طرح ڈھلکنے لگے جیسے کہ اس موتی کو ہار سے الگ کردیا گیا ہو۔

شوق وسرمستی سے آباد یادوں کا ایسا طوفان آیا جس نے شاعر کے دلوں میں اشتیاق ورغبت کے شعلے بھڑکا دیے اور آنکھوں سے اشکوں کا سیلاب بلاخیز جاری ہوگیا، ابن زیدون کے اشعار اس طرح کے حزن وکرب اور اپنے وطن اور ماضی کے حالات کے حنین (یعنی شوق وطن) واشتیاق کے بارے میں بکثرت پائے جاتے ہیں، وہ اپنے خاص حالات کی وجہ سے حنین (یعنی شوق وطن) کی جدت طراز شاعری کو بڑے اونچے مقام تک لے گیا بلکہ اس کو اوجِ کمال پر پہنچا دیا۔

13.10 اکتسابی نتائج

اس اکائی کے مطالعے کے بعد ہم نے درج ذیل امور کو جانا:

☆ اندلس کے تجدیدی وتوسیعی شعری فنون کا یہ مختصر سا جائزہ ہے، حالانکہ یہ موضوع اپنی اہمیت ومقبولیت کے اعتبار سے تشنہ ہے، مگر جس قدر اوپر تحریر کیا گیا، اس سے اندازہ ہوگیا ہوگا کہ اندلس کو مسلمانوں نے فتح کیا، وہاں اسلامی پرچم لہرایا اور ظالم حکمراں کے استبدادی پنجہ سے وہاں کے باشندوں کو نجات دلائی اور اپنی اسلامی خصوصیات کے ساتھ وہاں صدیوں حکومت کی اور ہر طرح کی فارغ البالی اور آسمانی اور زمینی نعمتوں سے دست قدرت نے اس سرزمین کو مالا مال کردیا۔ آج بھی قرطبہ، غرناطہ، مرسیہ، اشبیلیہ، طلیطلہ اور بلنسیہ میں اس کے آثار ونقوش کھلی آنکھوں مشاہدہ کیے جاسکتے ہیں۔

☆ اندلسی شعروشاعری اپنے اندر بڑی خصوصیات رکھتی ہے، مسلمانوں نے جس طرح ظاہری طور پر اس جزیرہ کو ترقی دی، اسی طرح علمی، ادبی، تمدنی اور ثقافتی اعتبار سے بھی اس کو اپنی عربی سخاوت اور تخلیقی ذہنوں سے نیک نام کیا، آج اہل یورپ کی علمی وسائنسی ترقیاں اندلسی مسلمانوں کی ہی مرہون منت ہیں، چونکہ جب ساری دنیا میں اندلس کے چراغ روشن تھے، یورپ قرون مظلمہ (dark ages) میں سانسیں لے

رہا تھا، عربوں نے ان کی دستگیری کی اور وہ آگے بڑھتے چلے گئے۔

☆ اندلسی شعرا کے ذریعہ جو تجدیدی شعری فنون سامنے آئے، وہ ان کی طبیعت، ماحول، ملک کے قدرتی وفطری حالات کے نتائج تھے، اس طرح انہوں نے عربی شاعری میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا جس سے لوگ اب تک تقریباً نا آشنا تھے اور پھر پورے عالم اسلام حتی کہ پورے یورپ میں ان نئے شعری فنون کی تقلید کی گئی اور اسی وزن، قافیہ اور ردیف میں اشعار کہے گئے خواہ وہ اپنی زبان سے مسلمانوں کے علمی وثقافتی احسانات کا ذکر نہ کریں۔

☆ ایک اور پہلو کی طرف اس سے اشارہ ملتا ہے کہ اندلس میں شعروشاعری کو اس قدر اس لیے فروغ ملا کیوں کہ وہاں کے امرا و خلفا خود اس میں دلچسپی لیتے تھے اور اہل علم وادب کی بڑی ہمت افزائی کرتے تھے، صرف شعروشاعری نہیں بلکہ علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ، علم تاریخ اور سائنس وغیرہ کو بھی اس دور میں بڑی ترقی ملی، یہاں چونکہ ہمارا موضوع شعروشاعری اور وہ بھی تجدیدی شعری فنون ہے، اس لیے ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں، امید ہے کہ اس سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا جاسکے گا۔

☆ 2/جنوری 1492ء کو جب غرناطہ پر ہلال کی جگہ صلیب سایہ فگن ہوگئی اور اندلس کا آخری مسلمان حکمراں ابوعبداللہ بوجھل ورنجور دل اور نڈھال ونزار قدموں کے ساتھ، اپنے اہل خانہ اور جاں نثار ہمراہیوں کے جلو میں ہمیشہ کے لیے غرناطہ کو چھوڑ کر چلا تو پتھریلے پہاڑی راستے پر گھوڑا بڑھاتے ہوئے مغلوب سلطان نے مڑ کر الحمراء پر ایک نگاہِ واپسیں ڈالی جس کے در و دیوار پر جا بجا "ولا غالب إلا الله" کا نقش جگمگا رہا تھا۔ یہی اندلس میں عربی شاعری کا مقطع ہے۔

13.11 کلیدی الفاظ

الفاظ	:	معانی
الغيد	:	نازک حسینائیں
التنائي	:	باہمی قربت
التداني	:	باہمی فرقت
الطل	:	شبنم
السوار	:	کنگن
اللجين	:	چاندی
الورق	:	فاختائیں
الفريد	:	آبدار موتی

13.12 امتحانی سوالات کے نمونے

1- اندلس میں فن شاعری کی ترقی اور اس کی قدر و قیمت پر مختصر روشنی ڈالیے؟

2- موشحہ کے مشہور شعرا اور اس کی خاصیت قلمبند کیجیے؟

3- ابن زهر اور ابن قزمان کون ہیں؟

4- ابن زیدون اور ابن خفاجہ کی شعری خصوصیات کیا ہیں؟

5- طبیعہ کے اشعار اندلس میں زیادہ کیوں وجود میں آئے؟

6- فن حنین وشوقِ وطن کے کیا محرکات وعوامل تھے؟

7- عبدالرحمن داخل کے چند اشعار مع ترجمہ تحریر کیجیے؟

8- اہل عرب کی زندگی میں عربی شاعری کی کیا اہمیت تھی؟

9- فن ازجال کے موضوعات اور ادوار کیا کیا ہیں؟

10- فن طبیعہ کی عموماً کیا شکلیں پائی جاتی تھیں؟

11- مؤرخین نے اندلس کے ادبی ادوار کی تقسیم کس طرح کی ہے؟

13.13 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

1-	تاریخ الأدب العربي، عصر الدول والإمارات، الأندلس	شوقي ضيف
2-	الأدب الأندلسي من الفتح إلى سقوط الخلافة	أحمد هيكل
3-	الموشحات والأزجال الأندلسية	محمد عباسة
4-	الأدب العربي في الأندلس	عبد العزيز عتيق
5-	دار الطراز في عمل الموشحات	ابن سناء الملک
6-	جيش التوشيح	لسان الدين بن الخطيب
7-	معالم تاريخ الأدب والأندلس	حسين مؤنس
8-	المقدمة	ابن خلدون
9-	تاريخ الأدب الأندلسي، عصر الطوائف والمرابطين	إحسان عبّاس

اکائی 14 موشحہ ابوبکر بن زہر

اکائی کے اجزا

14.1 تمہید

14.2 مقصد

14.3 موشحہ (عربی اشعار)

14.4 اشعار کا ترجمہ

14.5 اشعار کی تشریح

14.6 شاعر ابوبکر محمد بن زہر: حیات و شاعری

14.6.1 عبداللہ بن زہر

14.6.2 زہر بن زہر

14.6.3 عبدالملک بن ابوالعلاء بن زہر

14.6.4 محمد بن زہر

14.7 نوع النص (متن کی قسم)

14.8 موشحات اور اس کے موضوعات

14.9 عبارت اور متن کی مناسبت و ابعاد

14.10 مضمون شعر

14.11 مضمون اور اس کی خصوصیات

14.12 تعبیر و معانی کا تعلق

14.13 موشح کو نظم کرنے کا طریقہ

14.14 اکتسابی نتائج

14.15 کلیدی الفاظ

14.16 امتحانی سوالات کے نمونے

14.17 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

14.1 تمہید

یہ اکائی اندلس کی علمی وادبی اور معروف ومشہور شخصیت ابوبکر محمد بن زہر کی شعری وادبی خصوصیات پر روشنی ڈالتی ہے، شاعر ابوبکر محمد بن زہر اپنے زمانہ میں فن طب کے نابغۂ روزگار شخصیت کے حامل تھے، ادب سے انھیں ذاتی لگاؤ اور دلچسپی تھی، شعر کا جدید صنف سخن ''موشح'' میں کمال پیدا کیا۔ موشح عربی شاعری کا ایک جدید فن ہے جس کا وجود اسپین میں عصر عباسی میں ہوا، عربی میں موجود شعر غنائی سے یہ چند چیزوں میں قدرے مختلف ہے، مثلاً: تکنیکی طور پر اس میں کچھ مخصوص قوانین وقواعد کی پیروی کی جاتی ہے، غیر عربی الفاظ کا استعمال، عامی زبان کا اعتبار واعتنا، پھر نغمگی کے ساتھ گہری مناسبت وتعلق۔

ابوبکر شاعر نے اپنے اسلاف اور خاندانی بزرگوں کی طرح فن طب میں کمال حاصل کیا تھا مگر ذاتی دلچسپی ادب بالخصوص موشحات سے تھی، اسی بنا پر سلاست وروانی، وضاحت معانی اور موسیقیت ونغمگی، جدت طرازی، وجدانی کیفیات واحساسات اور اندلس کی ہوش ربا مناظر فطرت کے عنصر کی شمولیت اور فنی اعتبار سے خیالات کی آفرینی نے ان کے موشحات میں زندگی اور حرکت ونمو پیدا کردیا، بعض اشعار میں دعوت فکر وعمل بھی ہے، ان کے موشحات کے موضوعات غزل گوئی، جام وصبو کا ذکر اور مناظر فطرت وطبیعت اور حکمت ودانش سے پُر ہے، شعری اوزان سے بحر مُجتَثّ کے اوپر درج ذیل اشعار نظم کیے گئے ہیں۔

ان کے موشحات عوام کے پسندیدہ اشعار میں آتے ہیں، رقص وسرور کی محفلوں میں آپ ہی کے موشحات گائے جاتے ہیں، بحر مُجتثُ میں ہر سطر شعر کا ''مُسْتَفْعِلُنْ، فَاعِلَاتُنْ'' کے وزن پر آتا ہے۔

14.2 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد آپ:

☆ چھٹی صدی ہجری یعنی عصر ایوبی میں اسپین کے علم وادب کے شہر ''اشبیلیہ'' کے ایک بڑے شاعر ابوبکر محمد بن زہر جو مملکت مرابطین کے شاہ ابو یوسف کے دربار سے وابستہ رہے، ان کے کلام اور امتیازی خصوصیات سے واقف ہوں گے۔

☆ ابوبکر محمد بن زہر کی ایک عمدہ نظم کے منتخب اشعار سے محظوظ ہوں گے۔

☆ اس دور کی شاعری اور طرز اسلوب سے آپ واقف ہوں گے۔

14.3 موشحۃ (عربی اشعار)

ما لِلمَولَّهِ مِنْ سُكرِه لايُفيق	يالَه سَكران
مِن غير خَمرٍ يا للكئيبِ المَشوق	يَنْدُب الأوطان
هَلْ تُستَعادُ أيّامُنا بِالخَليج	وَلَياليِنا
إذ يستفادُ مِن النَّسيم الأريج	مسک دارينا
وإذ يَكادُ حُسنُ المكانِ البهيج	أن يُحيينا

نهرٌ أظلَّهُ دوحٌ عليهِ أنيق مورِق الأَفنان
وَالماءُ يَجرى وَعَائِمٌ وغريق مِن جَنى الرَيحان
أَو هَل أديب يَحيي لَنا بِالعروس ما كانَ أَحلى
مَعي الحبيبُ وصافِيات الكؤوس فاسْقني وإملا
عيشٌ يَطيب وَمنزهٌ كالعَروس عنِدمَا تجلى
عيشٌ لَعلَّه يَعُودُ مِنهُ فريق كالذي قَد كان
أَضْغاثُ فِكرٍ تَحدو بِه وَتَسوق هذه الأَلحَان
يا صَاحِبَيا إلى متى تَعْذِلانِي أَقصرا شيّا
قَد مِتُّ حيًّا وَالمُبتَلى بِالغَوانى مَيِّتٌ حيَا
جَنى عَليَا عذبَ اللَمى والمعاني عاَطِرٌ ريًا
هِلالٌ كُلُّه غَزال إِنسٍ يفوق سائرَ الغِزلانِ
يَا لَيتَ شِعرِي هلْ لي إليه طَريق أَو إِلى السلوان

(دیوان "العصر الأیوبی" لابن زهر، الحفید، ماللموله من شکره لا یفیق)

14.4 اشعار کا ترجمہ

۱۔ مریض عشق کا کیا کہنا! دیوانگی سے اس کی رہائی ممکن نظر نہیں آتی ، مے نوشی و بادہ خواری کے بغیر ہائے یہ کیسی مدہوشی ہے! ہائے سراپا مشتاق، غمِ عشق کا مارا، وطن سے جدائی کا رونا رو رہا ہے۔

۲۔ کیا ہمارے خلیج میں گذرے (شاندار) شب وروز واپس ہوں گے؟ جہاں ہمارے گھر نسیم صبح کی خوشبوؤں سے معطر ہے اور جہاں مکان کی رعنائی ودلکشی سے ہماری روح کو حیات نو ملتی ہے۔

۳۔ ایک ایسی نہر جس کے کنارے بڑا گھنا خوب صورت سایہ دار درخت ہے، (جس کی ٹہنیاں اس پر جھوم رہی ہیں) پانی اٹکھیلیاں کھاتے بہہ رہا ہے اور ریحان (تلسی) خوشبودار پھل پھول اور پتیاں اس بہتے پانی میں ہچکولے کھاتے بہہ رہے ہیں۔

۴۔ کیا کوئی ایسا ادیب اور قادر الکلام ہے جو اپنے ذہن رسا سے ہمیں ان شاندار گھڑیوں کی یاد دلاتا جو محبوب اور جام وصبو کے ساتھ گذری ہیں، پلاؤ اور پیٹ بھر کر پلاؤ، وہ تو ایک سج دھج کر نکلنے والی پاکیزہ دلہن کی طرح شاندار زندگی تھی (جو گذر گئی)۔

۵۔ اس شاندار زندگی کے کچھ لمحات کاش دوبارہ واپس آجاتے! کہ یہ پراگندہ خیالات اور نغمے اس زندگی کی یادوں کو تازہ کرتے ہیں۔

۶۔ دوستو! کب تلک ملامت کروگے اب تو باز آجاؤ! میں تو جیتے جی مرگیا اور جو حسیناؤں کا گرفتار و دیوانہ بنا وہ تو زندگی میں مردہ لاش کی طرح

ہے،خوشبو سے معطر ہونٹوں کی نازکی وشیرینی اور عمدہ خیالات کی رعنائی نے ہمیں مار ڈالا۔

۷۔ چاند محبت کی اس ہرن سے بہتر ہے جو تمام ہرنوں پر فائق ہے، کاش اس کا کوئی راستہ بنا تا یا تسلی کا سامان میسر ہوتا۔

14.5 تشریح اشعار

۱۔ شاعر کہتا ہے کہ ایک بیمار دل کا مریض عشق و محبت میں ایسا مبتلا ہوا جیسے ایک بادہ خوار کہ دیوانگی میں اسے کچھ نظر نہیں آ رہا ہے، معشوق کی یاد میں سراپا مشتاق بنا ہے اور وطن سے دور ہونے کی وجہ سے غم سے نڈھال ہے۔

۲۔ اس بند میں شاعر کہتا ہے کہ عاشق نامدار کا محبوبہ کے ساتھ مقام خلیج میں گذرے ہوئے شاندار شب و روز کی یادیں ذہن و دماغ میں ایسی چھائی ہوئی ہیں کہ ان کی تمنا کرتا ہے کہ کاش وہ لمحات لوٹ آتے جہاں ہمارے زخم دل کی مرہم پٹی اور تریاق کا کام ہوتا کہ وہاں کی نسیمِ صبح کے جھونکوں اور جگہ کی دلکشی سے ہی ہماری روح کو حیات تازہ اور زندگی ملے گی۔

۳۔ مقام ''خلیج'' کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ ایسی جگہ ہے جہاں ہماری سرگوشیاں ہوتی تھیں، محبوب سے وصال کا موقع فراہم ہوتا، وہاں بڑی نہر ہے جس کا پانی صاف وشفاف، اس کے کنارے گھنا سایہ دار درخت جس کی ٹہنیاں اس پر جھوم رہی ہیں اور پانی کے اوپر اس کی پتیاں اور پھول ہچکولے کھاتے گذرتے چلے جاتے اور ریحان خوشبودار پھل اور پھول کی خوشبوؤں سے وہ مشام جاں کو معطر کرتا رہتا تھا۔

چوتھی اور پانچویں بند میں شاعر نے یوں بیان کیا کہ:

اس مقام کی عظمت رفتہ، وہاں کی سرمستی، جام وصبو کا دور، مناظر قدرت کی دلکشی ورعنائی، اس پورے منظر کی ادبی عکاسی کے لیے کاش کوئی ادیب وقادرالکلام ہوتا، جو اس کی تصویر کشی ایسی کرتا جس میں وہ سارے مناظر آنکھوں میں پھر جاتے جس سے کچھ راحتِ جان نصیب ہوتی!

چھٹی اور ساتویں بند میں شاعر نے عاشق کی اندرونی کیفیات کو اس طرح بیان کیا کہ وہ معشوق کا دیوانہ بن کر بدنام زمانہ ہو چکا، لیلیٰ مجنون کی صف میں کھڑا ہے، شراب عشق میں اس قدر مخمور کہ مدح وثنا اور ملامت گری سب برابر ہو گیا ہے، دوستو! ملامت کرنے نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کہ میں تو جیتے جی مرا ہوا پاتا ہوں کہ جوان حسیناؤں کا پرستار بنا اور ان کا دیوانہ بنا ان کا حشر اس کے سوا اور کچھ نہیں، وہ میری محبوب چاند کی چاندنی کی طرح ہے، اس کی ضوفشانی سے، اس عکس جمال سے قلب وجاں، دیدہ ودل اپنے مشام جاں کو معطر کر رہے ہیں، لیکن میرے دل میں اس کے پانے کی تمنا اور اس سے وصال کی خواہش صدا بصحر اثابت ہو رہی ہے جیسے چاند کو پانا محال ہے۔

14.6 شاعر ابوبکر محمد بن زہر: حیات وشاعری

ادیب وشاعر محمد بن زہر اسپین کے شہر علم وادب ''اشبیلیہ'' میں (۵۰۷ھ بمطابق ۱۱۱۳ء) پیدا ہوئے، آپ کا خاندان طب وادب، شعر و سیاست میں اندلس کے نابغۂ روزگار خاندانوں میں سے ایک ہے، یہ خاندان ابتدا میں جفن شاطبہ کے جنوب مشرقی علاقے میں رہا اور وہاں سے مختلف علاقوں میں پھیل گیا، اس خاندان کے لوگ مختلف ادوار میں طب، فقہ، شعر، ادب، ادارت اور وزارت کے اعلیٰ مراتب پر فائز رہے، ذیل میں ہم اس خاندان کے ان لوگوں کو زیر قلم لائیں گے جنہوں نے طب کے شعبہ میں کارہائے نمایاں سرانجام دیا۔

فہرست

۱۔ عبداللہ بن زہر

۲۔ زہر بن زہر

۳۔ عبدالملک بن ابوالعلاء بن زہر

۴۔ محمد بن زہر

14.6.1 عبداللہ بن زہر

ان کا پورا نام ''مروان عبدالملک بن ابوبکر محمد بن زہر الایادی'' ہے، اپنے والد کی طرح فقیہ تھے، مگر طب میں شہرت پائی، پانچویں صدی ہجری میں بغداد، مصر اور قیروان (شام) میں اطبا کی سربراہی کی، پھر اپنے ملک واپس لوٹ گئے اور امیر مجاہد کے دور میں دانیہ (اندلس) منتقل ہو گئے جہاں امیر مجاہد نے ان کا خوب اکرام کیا اور یہیں سے ان کی شہرت اندلس اور مغرب میں پھیلی، ابن داحیہ ''المطرب'' میں اور ابن خلکان ''وفیات الأعیان'' میں لکھتے ہیں کہ دانیہ میں انہوں نے خوب جاہ وجلال، شہرت وعزت اور بھرپور دولت کمائی اور وہیں پر ان کا انتقال ہوا، جب کہ ابن ابو اصیبعہ لکھتے ہیں کہ وہ دانیہ چھوڑ کر اشبیلیہ آ گئے تھے جہاں ان کا انتقال ہوا۔

14.6.2 زہر بن زہر

ان کا نام ''ابوالعلاء زہر بن ابومروان عبدالملک'' ہے، یہ مندرجہ بالا فقیہ وطبیب عبداللہ بن زہر کے بیٹے ہیں، ابوالعلاء زہر کے نام سے معروف ہیں، یورپ سے دریافت ہونے والے بہت سے مختلف الاشکال آثار قدیمہ میں لاطینی زبان میں ان کا نام کندہ پایا گیا ہے، جس سے اس زمانے میں یورپ کے طبی حلقوں میں ان کی شہرت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، یہ فن انہوں نے اپنے والد سے سیکھا، ان کی دسترس فلسفہ اور منطق پر بھی تھی، جب کہ ادب اور فن حدیث قرطبہ کے شیوخ سے حاصل کیا، طب کی نظری اور عملی تعلیم دی اور بہت سارے تلامذہ ان سے فارغ التحصیل ہوئے، امراض کی درست تشخیص کے حوالے سے مشہور تھے، ان کی اس شہرت کی خبر اشبیلیہ کے امیر المعتمد بن عباد کو ہوئی تو انہوں نے انھیں بلا کر اپنے دربار سے منسلک کر لیا، 484 ہجری کو جب مرابطین نے اشبیلیہ پر حملہ کر کے اس کے امیر کو قید کر لیا تب تک وہ وہیں تھے، پھر سلطان یوسف بن تاشفین المرابطی نے انھیں اپنے دربار سے منسلک کر لیا اور وزارت کے منصب پر فائز کیا، ابن الابار اور ابن دحیہ کے مطابق ان کی وفات 525 ہجری کو کندے کے درمیان ایک پھوڑے کی وجہ سے ہوئی اور ان کی لاش اشبیلیہ لے جائی گئی، مگر ابن ابو اصیبعہ کہتے ہیں کہ ان کی وفات اشبیلیہ میں ہی ہوئی تھی۔

14.6.3 عبدالملک بن ابوالعلاء بن زہر

ان کا نام ''ابومروان عبدالملک بن ابوالعلاء زہر'' ہے، مندرجہ بالا طبیب زہر بن زہر کے بیٹے ہیں اور اس خاندان کے مشہور ترین فرد ہیں، اشبیلیہ میں پیدا ہوئے مگر مترجمین نے ان کے سال پیدائش کا ذکر نہیں کیا، ان کا سال پیدائش 484 اور 487 ہجری کے درمیان کا کوئی سال ہو سکتا ہے، اندلس میں اپنے زمانہ کے مشہور ترین طبیب تھے، طب کی تاریخ ان کے خطرناک تجربات اور طب میں جملہ اضافوں اور دریافتوں کا تذکرہ سنہرے حروف میں کرتی ہے، وہ پہلے (عربی) طبیب تھے جنہوں نے حلق یا شرج سے مصنوعی غذائیت کا طریقہ دریافت کیا، یہ اور اس قسم کے دوسرے تجربات

اور در یافتوں پر بحث انہوں نے اپنی طبی تصانیف میں بھی کی ہے جن میں قابل ذکر "كتاب التيسير في المداواة والتدبير" جو کئی زبانوں میں ترجمہ ہوکر شائع ہوچکی ہے، كتاب الاقتصاد في إصلاح النفس والأجساد، كتاب الأغذية، كتاب الجامع جیسی کتابیں ہیں۔

ان کے بیٹے ابوبکر بھی طبیب تھے اور ساتھ میں شاعر بھی تھے اور ایک بیٹی بھی طبیبہ تھیں، 557 ہجری میں وفات پائی، حیرت کی بات یہ ہے کہ ان کی وفات بھی اپنے والد کی طرح ایک پھوڑے کی وجہ سے ہوئی تھی۔

14.6.4 محمد بن زہر

ان کا نام "ابوبکر محمد بن ابومروان" ہے، مندرجہ بالا طبیب عبدالملک بن ابوالعلاء بن زہر کے بیٹے ہیں، الحفید بن زہر کے نام سے مشہور ہیں، اشبیلیہ میں 507 ہجری کو پیدا ہوئے، عملی طبیب تھے، حسنِ معالجہ اور حسنِ تدبیر میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا، ان کی تصانیف میں صرف طب عیون (آنکھوں کا طب) پر ایک مقالہ مذکور ہے، ابن زہر کے ساتھ ان کی بھانجی بھی ان سے طب کی تعلیم حاصل کرتی تھیں اور فن تولید (پیدائش) اور عورتوں کے امراض کی ماہر تھیں۔

ابوبکر بن زہر کی شہرت کی وجہ صرف طب کے شعبہ میں ان کے کارہائے نمایاں کی وجہ سے نہ تھی، بلکہ وہ ایک باکمال شاعر بھی تھے، ان کے فقہی، لغوی اور ادبی ثقافت بہت گہری تھی جس پر کسی کو کلام نہیں تھا، ان کی ایک نظم "أيها الساقي" (اے ساقی) مشرق ومغرب میں بہت مشہور ہے فن لغت، فقہ اور طب میں دسترس اور کمال پیدا کیا، مزید علوم ومعارف حاصل کرنے اور علمی تشنگی بجھانے کی خاطر کئی دور دراز ملکوں کا سفر کیا۔

لیکن شعر وادب سے ذاتی دلچسپی کی وجہ سے آسمانِ علم وادب کے نورِ تاباں بن کر چھا گئے، مختلف موضوعات پر طبع آزمائی کی، جس کے نتیجہ میں ایک شعری دیوان وجود میں آگیا، شعر کی ایک نئی قسم "موشح" کی نسبت بھی آپ کی طرف کی جاتی ہے، گویا آپ فن موشح کے موجدین میں سے ایک ہیں۔

شاہان مرابطین کے دربار سے ایک مدت تک وابستہ رہے، مراکش میں مملکت مرابطین کے شاہ ابویوسف یعقوب نے دربار میں طلبی کی، وہاں حاضری پر شاندار استقبال کیا گیا اور آپ کی بڑی پذیرائی ہوئی، بادشاہ نے اپنا شاعر اور طبیب خاص کے مقام سے سرفراز کیا، اپنا وزیر بنا کر مال ودولت سے مالا مال کر دیا، ایک علاقہ کا جاگیر دار بنادیا اور امور سلطنت میں شاہ آپ کی رائے طلب کرتا اور آپ کی طرف رجوع کرتا، مشورہ لیتا، اس قدر نوازشات، انعامات واکرامات نے شاہ کے دوسرے وزیر خاص ابوزید کے اندر حسد کی آگ لگادی اور غصہ سے آپے سے باہر ہوگیا، سازش کر کے اس نے زہر آمیز مشروب پلادیا اور ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سلا دیا، مراکش میں مقبرۂ امراء میں (۵۹۵ھ مطابق ۱۱۹۸ء) کو سپرد خاک کیا گیا۔

14.7 نوع النص (متن کی قسم)

نوع النص (متن کی قسم) مندرجہ بالا موشح غزل کے زمرہ میں آتا ہے، اس کو شعر غنائی بھی کہا جا سکتا ہے، اس زمانہ کے معروف ومشہور اصول شعر سے ہٹ کر ایک نئے انداز سے یہ موشح نظم کیا گیا جس کا مقصد یہ تھا کہ موشح کے لحن میں گایا جائے، اپنی نغموں میں اس زمانہ کے ایکٹرس ہیرواور گانے بجانے والیاں اپنی سُر کے ساتھ شعر کہتیں اور رقص وسرور سے مجلس کو جلوہ آرا کرتیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ موشحہ غیر موزون الفاظ کا مجموعہ ہے، جو رفتہ رفتہ ایک فن کی شکل اختیار کر لیا، بعد میں اس فن میں تبدیلی اور ترقی ہوئی، اس کے مناسب لحن اور سُر ایجاد کیا گیا جس کی لے پر شعر گوئی سے مجلس نوا سنج ہوتی۔

14.8 موشحات اور اس کے موضوعات

فن موشح کے موضوعات میں سے جام وصبو کا ذکر عشق ومعاشقہ مناظر قدرت کی تصویر کشی، رقص وسرور ہے، مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اس فن میں مزید دوسرے موضوعات کا بھی اضافہ ہوا، جیسے مدح سرائی اور ہجو گوئی وغیرہ، اس کے بعد عامیانہ اور شعری الفاظ درآئے اس کی وجہ سے ادبا اور شعرا کی توجہ کم سے کم ہوتی چلی گئی، یہاں تک کہا جاتا ہے کہ فن زجل اسی فن سے مشتق ہوا اور صفحۂ وجود میں آتا۔

14.9 عبارت اور متن کی مناسبت وابعاد

فن موشح کی کئی مناسبتیں اور ابعاد پائی جاتی ہیں، اکثر کا تعلق فن طرب وموسیقی سے ہے اور اس کے ابعاد میں سے شوق ملاقات، عشق و محبت، مہر ووفا، ماضی کی یادیں، جام وصبو اور شراب وکباب اور گذشتہ کی شاندار محبت وتعلق اور ایک ایسے محبوبہ کی تعریف وتوصیف جس کے بغیر شاعر کو نہ قرار وتسلی اور نہ ہی صبر وسکون میسر ہو۔

14.10 مضمون شعر

ابوبکر فرط محبت، وطن عزیز کا اشتیاق، دیار میں گذرے لحات محبوب سے وابستہ یادیں اور خوشی ومسرت اور شادمانی کے خوابوں میں نشہ میں بدمست وبدحواس ہیں۔ اس بات کے متمنی وخواہاں ہیں کہ خلیج میں گذرے ایام پھر سے لوٹ آئیں جہاں کے پھولوں کی خوشبوئیں، مقام دارین کے مشک وعنبر سے زیادہ پاکیزہ اور عطر بیز ہیں جہاں کے مناظر قدرت کی رعنائی ودلکشی اور جمال مردہ جسم میں روح اور حیاتِ نو کی صور پھونک دیتے ہیں، دل زندہ ہوجاتے ہیں، وہاں نہر بہہ رہی ہے جس کے اوپر گھنا سایہ دار درخت کی ٹہنیاں جھوم رہی ہیں، اس کے پتے پانی کے اوپر اس طرح تیر رہے ہیں جیسے ریحان درخت کی خوشبودار ٹہنیاں۔

14.11 مضمون اور اس کی خصوصیات

نص (اشعار) کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایسا منظوم کلام ہے جس کا حقیقی تجربہ سے کوئی تعلق نہیں اور شاعر کا مقصد محض موسیقی تقطیع کی ایک قسم پیدا کرنا ہے اور یہ بات ہم اس لیے کہہ رہے ہیں کہ اس موشح کے معانی میں کوئی جدت نہیں ہے، شروع سے لے کر آخر تک تمام معانی و مفاہیم متداول ہیں۔ دیکھیے:

السكر من غير خمر (بغیر شراب کے مدہوشی)۔ **تمني عودة الأيام الخالية** (گذشتہ ایام کے لوٹ آنے کی تمنا) **و وصف النهر** (نہر کی وصف بیانی) **والتساقي** (مے کشی) **والعذل** (لعن طعن) **والابتلاء بالغواني** (زیب وزینت سے بے نیاز پیکر حسن وجمال کا اسیر ہوجانا) **وجناية الحبيبة** (محبوبہ کا مرتکب گناہ وجرم ہونا) درازی زمانہ سے شعرا ان معانی ومفاہیم کو اپنی شاعری میں استعمال کرتے چلے آرہے ہیں۔

محبوبہ کو مہتاب وہرن سے تشبیہ دینا تو اس قدر کثیر الاستعمال ہے کہ زمانہ جاہلیت کے شاعر سے لے کر شوقی اور بشامہ الخوری تک کہ شعرا کے یہاں اس کا بھرپور استعمال ملتا ہے۔

موشح ہی سے محبت، مستی و بے خودی، مے نوشی، شراب، نہر، موسیقی اور باغات کے اس ماحول کا علم ہوجاتا ہے، جس میں یہ صنف شاعری پروان چڑھی ہے، لیکن ان سب کے باوجود اس میں پر تکلف تجربہ اور فنی ضعف ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس موشح کو نظم ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ اس کو گا کر پڑھا جائے اور اس کو پڑھنا اور سننا اسی وقت بہتر ہے جب اس کو گا کر پڑھا جائے، جب لہجہ طرب آمیز اور آواز ترنم خیز ہو تو اس وقت اس کے مطلوبہ موسیقی تقطیع پر ہم بے خود ہوجاتے ہیں۔

بلاشبہ یہ موشح طرب آمیز موسیقیت سے بھرپور اور مشترک قافیوں کے مابین تعلق کی پروردہ ہے، جس کو بار بار الگ الگ مقطع میں دہرایا گیا ہے اور یہی اس کی تنہا خصوصیت ہے۔

جب معانی ومفاہیم کے بے فیضی کی جانب نظر کرتے ہیں تو ہمیں بے خیالی نظر آتی ہے، جہاں رنگ و بناوٹ کی نہ تو کوئی جدید شکل وصورت ہے اور نہ ہی کوئی لطیف جھلک، بلکہ شاعر ہمارے سامنے وہی دیرینہ صورتیں پیش کرتا ہے جن سے ہم قدیم شاعری میں بار بار پڑھ کر اکتا گئے ہیں۔ اس نص میں ایک طبعی اثر ہے لیکن وہ خشک ہے اس کے ہوتے ہوئے ہم شاعر اور مظاہر قدرت کے درمیان خالق کی ہم آہنگی کا احساس نہیں کر سکتے، ابوبکر (شاعر) نے محض ان مظاہر کو پیش کیا ہے جن میں کوئی زندگی نہیں، مثلاً ''النهر تظلله الأشجار المورقة'' پتہ دار درخت نہر کے لیے سایہ کیے ہوئے ہیں، **الماء يجري حاملا أغصان الريحان وأوراقها**: پھول کی شاخوں اور ان کے پتوں کو جاری پانی اٹھائے ہوئے ہے۔ **المكان حسن بهيج**: یہ جگہ خوش منظر ہے۔ **المنزه كالعروس**: باغ دلہن کے مانند ہے۔

اس موشح میں شاعر کا حزن وملال مصنوعی ہونے کی بنا پر بے معنی ہے، کیونکہ شاعر موشح پر احساسات وجذبات کا پرتو ڈالنے کے لیے ان ہی معانی کو دہراتا ہے جو عموماً اصحاب موشح کے یہاں بکثرت متعارف ہیں۔

14.12 تعبیر ومعانی کا تعلق

نص کے اسلوب پر نظر کرنے سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں: (۱) تعبیر کا معانی ومفاہیم سے تعلق۔ (۲) موشح کو نظم کرنے کا طریقۂ کار

جب کلام میں محض موسیقیت پیدا کرنے کے لیے کسی بناوٹی تجربہ کا سہارا لیا جائے گا تو اس کی تعبیر میں بھی بناوٹ کی جھلکیاں نظر آئیں گی، یہاں کچھ الفاظ و جملے ایسے ہیں جو بے معنیٰ و بے محل ہیں، اگر موسیقی طرز کی ضرورت کا خیال نہ ہوتا تو ان کے لانے سے کوئی قابل قدر فائدہ نہ تھا، مثلاً ''**ماللكئيب المشوق**'' کے جملہ کو ''**من سكره لا يفيق**'' کے ساتھ لانے کی ضرورت محض موسیقیت پیدا کرنا ہے، اگر یہ ضرورت نہ ہوتی تو بھی یہ ایک ایسا موسیقی جملہ بن جاتا جو موجودہ جملہ سے زیادہ اپنے اندر جذبات کو تعبیر کرنے کی طاقت رکھتا ہے، اسی طرح ''**دوح عليه أنيق**'' میں لفظ ''**عليه**'' ہے، جس کو صرف موسیقی ضرورت کی بنا پر لایا گیا ہے، اگر اس کے بعد کے جملہ ''**مؤرق الأفنان**'' کو حذف کر دیا جائے تو بھی معنی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی اور ''**تحدو**'' کے بعد ''**تسوق**'' لانا یا ''**هلال**'' کے بعد ''**وكله**'' اور اسی طرح لفظ ''**غزلان**'' کے ساتھ لفظ ''**سائر**'' لانا کتنا بھدا اور بے ڈھنگا معلوم ہوتا ہے۔

نص میں تعبیری غلطیاں بھی ہیں، مثلاً: ''**إذ يستفاد**'' یہاں فائدہ کا ذکر شعری اعتبار سے غیر مناسب ہے، اسی طرح ''**يكاد**'' کے ساتھ ''**إذ**'' کا استعمال سننے والوں کے لیے ناگوار لگتا ہے، اسی طرح ''**يحي لنا بالعروس**'' اور ''**منزه كالعروس**'' بھی ہے کہ پہلے جملہ میں

لفظ "عروس" کا استعمال ایک سقم ہے اور دوسرے جملہ میں لفظ "منزہ" کا استعمال بدنما معلوم ہوتا ہے۔

شاعر نے تجنیس کا بڑا سہارا لیا تا کہ نغمہ کا تسلسل باقی رہے، مثلاً "الغروس والعروس" و "حیا و حیا" اور کبھی باہم قریب لفظوں کا سہارا لیا ہے اور معنی پر کوئی توجہ نہیں کی اور یہ بات اکثر ایک دوسرے سے مشابہ قافیوں میں نظر آتی ہے۔ جیسے: "تستعاد، یستفاد۔ الخليج، البهيج، الأريج۔ الغواني، المعاني" وغیرہ الفاظ میں موجود ہے۔

اس نص میں بیان و بدیع سے متعلق: استعارہ، تشبیہ، جناس اور طباق کی ترتیب وترکیب میں تکلف پایا جاتا ہے، استعارہ کی مثال "یحیینا" جو کہ مشہور ہے اور تشبیہ میں "منزہ کالعروس" اب سے پہلے بھی بہت سے لوگوں نے اس تشبیہ کا استعمال کیا ہے۔ استعارہ کی ایک اور مثال: "أضغاث فكر" جو کہ معروف ومشہور ہے اور سب سے مشہور اور بدنما تشبیہ چاند اور غزال (ہرن کا بچہ) سے تشبیہ دینا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ شاعر کی خیال آرائی میں کوئی نیا پن نہیں ہے کہ کلام کی جدید شکلیں اور صورتیں سامنے آئیں اور معانی ومفاہیم کو زندہ وتابندہ الفاظ میں ڈھالنے کی کوشش ہو، بلکہ محض ایسے الفاظ استعمال کیے گیے ہیں جو موسیقیت سے بھرپور ہیں اور ان الفاظ کو اختیار کرنے میں اصلاً ان حروف کو سامنے رکھا گیا ہے جو ایک دوسرے سے مشابہ ہیں۔ بہر حال اس نص میں اس تقطیع پر بھی اضافہ ہے جس کا پڑھنا موشح کی ہر قسم کو جاننے کے لیے ضروری ہوتا ہے۔

14.13 موشح کو نظم کرنے کا طریقہ

اس موشح کو عام طور سے ایک وزن اور ایک قافیہ سے نظم کیا گیا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس میں ایک معین طریقہ کا بھی التزام کیا گیا ہے کہ اس موشح کو نظم کرنے میں مقطعات کی دو قسمیں کی گئیں ہیں۔

پہلی قسم کے ہر مقطع میں قافیوں کا تکرار ہے، جیسا کہ ان کے مطلع میں موجود ہے، یعنی ۱/ ۳/ ۵/ ۷ کے جملے مقطعات میں ایک دوسرے سے مشابہ قافیے ہیں، دیکھیے: "ماللمولہ" اس کے مشابہ قافیوں میں "نهر أظله" "عيش لعله" "هلال كله" ہیں اور "من غير خمر" کے مشابہ قافیوں میں: والماءيجري، أضغاث فكر، ياليت شعري ہیں۔

اسی طرح "من سكره لايفيق" کے مشابہ قافیوں میں "دوح عليه أنيق" "يعود منه فريق۔ غزال إنس يفوق" وغیرہ ہیں۔

دوسری قسم میں ہر مقطع میں قافیوں کی تبدیلی ہے، جو قافیہ دوسرے مقطع میں ہے، وہ نہ چوتھے مقطع میں ہے اور نہ چھٹے مقطع میں، یعنی ہر مقطع کے قافیے الگ الگ ہیں، شاعر نے مقطعات کے پہلے مصرعوں اور ان کے مقابل کے مصرعوں کے لیے ایک عدد کے تفعلے لانے کا التزام کیا ہے، لہٰذا مقطع اول کی دونوں قسموں کا وزن مستفعلان مستفعلن فاعلان فاعلاتن ہے، اسی طرح مقطع ثالث مقطع خامس اور مقطع سابع کا بھی یہی وزن ہے اور ۲/ ۴/ ۶/ کے مقطعات میں بھی شاعر نے سوائے آخری مصرعوں میں معمولی تبدیلی کے اس عدد کے تفعلے لانے کا التزام کیا ہے، مقطع ثانی کے دوسرے مصرع میں اسی طریقہ پر دو تفعلے فاعلاتن فع آئی ہیں۔ جو کہ علم عروض میں جائز ہے اور پانچویں مقطع کے پہلے مصرعہ میں معمولی تبدیلی ہوئی تو "كالذي كان" فاعلاتن فعل کے بجائے فاعلاتان کے وزن پر آیا، یہ طریقہ بھی علم عروض میں جائز ہے۔

اس موشح میں وزن کا بھی خیال رکھا گیا ہے، لیکن شاعر نے بیک وقت دو وزن کا بھی استعمال کیا ہے جو کہ صنف موشحات میں ایک نئی چیز

ہے، اس طرح کہ بحر ''بسیط'' جس کے اوزان ہیں: مستفعلن، فاعلن، مستفعلن فعلن، مستفعلن، فاعلن مستفعلن فعلن کے ایک مشتق کو لیا جس کا نام ''منہوک'' ہے اور بحر ''مدید'' جس کے اوزان ہیں: فاعلاتن فاعلن فاعلاتن۔ فاعلاتن فاعلن فاعلاتن کے بھی ایک ہی مشتق کو لیا، جس کا بھی نام ''منہوک'' ہی ہے، اسی طرح بحر رمل میں بھی جائز ہے۔ اس کے علاوہ موشحات کے مقطعات کو مختلف زمانوں میں مختلف نام دیے جاتے رہے، بہر حال ان میں جو مشہور ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

موشح کی تقسیم یوں کی گئی ہے: ۶/ قفل اور ۵/ بیت۔

لیکن اصحاب موشحات نے اس تقسیم کو دائمی قرار نہیں دیا۔ جن مقطعات میں ہم قافیوں کا تکرار پاتے ہیں ان مقطعات کو ''اقفال'' کہتے ہیں، جیسا کہ اس موشح کے ۱/ ۳/ ۵/ ۷/ رکے مقطع میں ہے اور جن مقطعات میں قافیوں کا تکرار نہیں ہوتا، بلکہ ان میں کچھ تبدیلی ہوتی ہے، تو ان مقطعات کو ''ابیات'' کہتے ہیں، جیسا کہ اس موشح کے ۲/ ۴/ ۶ کے مقطعات میں ہے۔

یہ ضروری ہے کہ موشح کی ابتدا قفل سے کی جائے اور اس کو ''مطلع'' کہا جائے اور اختتام بھی کسی قفل پر ہو اور اس کو ''خرجة'' کہا جائے اور یہ بھی ضروری ہے کہ ہر قفل کے بعد ایک بیت لایا جائے، لیکن دو قفل یا دو بیت پے در پے لانا جائز نہیں ہے۔ کسی نے بیت اور قفل کو ''سمط'' کا نام دیا ہے، تو کسی نے مطلع کو ''لازمة'' اور بیت کو ''دور'' کا نام دیا ہے۔ کسی نے قفل کے ہر جز کو ''غصن'' اور بیت کے ہر جز کو ''سمط'' کا نام دیا ہے، تو کسی نے قفل اور بیت کو ''دور'' کہا ہے۔

14.14 اکتسابی نتائج

خلاصۂ کلام یہ کہ شاعر ابوبکر محمد بن زہر اسپین کے مشہور شہر ''اشبیلیہ'' میں پیدا ہوئے، عصر ایوبی کے بڑے طبیب اور ادیب و شاعر میں آپ کا شمار ہوتا ہے، معاصر ادبا و شعرا نے آپ کے شاعرانہ کمال کا اعتراف کیا ہے۔ فصیح و بلیغ کلام اور حسن ادا، سلاست و روانی معنیٰ کی وضاحت، مناظر فطرت کی تصویر کشی اور حکمت و دانائی آپ کے اشعار کی خصوصیات میں سے ہیں، مذکورہ اشعار فن موشح کا عمدہ نمونہ ہیں اور یہ ''بحر مُجْتَث'' میں نظم کہی گئی ہے، علم بدیع اور محسنات لفظیہ اور معنویہ کا اپنی شاعری میں دل کھول کر استعمال کیا ہے اور نئے معانی پیدا کیے، مذکورہ موشح غزل کی عمدہ نظم ہے اس میں شاعر نے ایک عاشق زار کا حالِ دل نفسیاتی کیفیات و احساسات، معشوقہ کی چاند سے تشبیہات، جام و صبو، شراب و کباب، عشق و مستی، گذرے ہوئے دنوں کی تمنا، ان مقامات کی تعریف و توصیف جہاں وصل یار ہوتا تھا اور جہاں سرگوشی اور راز و نیاز کی باتیں ہوتی تھیں۔ وہ نہریں، وہ پتیاں، وہ ٹہنیاں، وہ گھنا چھاؤں، وہ سبزہ زار باغ، وہ نسیم صبح کے جھونکے، وہ اٹھکھیلیاں کھاتے پانی کا شور و ترنم جس نے شاعر کے تخیل کو ایک بلند پروازی عطا کی اور یہ احساسات نظم کی صورت میں پیش کیا جس میں ادب کی نیرنگی، خیال کی ندرت اور عکسِ جمالِ کون و مکان کا حسین امتزاج ہے۔

14.15 کلیدی الفاظ

وله	تولیها	شدت غم میں ڈالنا
السکر	مصدر	نشہ، مستی
سکر	سکرا	بیہوش ہونا، نشہ میں ہونا

أفاق يُفِيْق		إفاقة	صحت یاب ہونا
من إغماء			ہوش میں آنا
الخمر	(ج)	خمور	انگوری شراب
خمر	(ن/ض)	خمراً	چھپانا
كئب		كآبة	غمگین ہونا، شکستہ دل ہونا
ندب		ندباً	میت پر رونا، میت کی خوبیاں شمار کرنا
وطن	(ج)	أوطان	جائے سکونت، اقامت گاہ
استعاد			لوٹنے کو کہنا
استفاد			حاصل کرنا
النسيم			نرم ہوا
أرج		أرجاً و أريجاً	خوشبو دینا، مہکنا
البهيج۔بهج		بهجاً و بهيجاً	دلکش ہونا
الدوحة	(ج)	دوح	بڑا پھیلا ہوا درخت
أنق		أنقاً	خوش ہونا، پسند کرنا
أنيق			خوش، سلیقہ مند، مہذب، جاذب
ورق			پتہ دار ہونا
الفنن	(ج)	أفنان	سیدھی شاخ
غرق		غرقاً	ڈوبنا
جنى		جنياً و جنىً	درخت سے پھل توڑنا
ريحان	(ج)	رياحين	ہر ایک خوشبودار پودہ/تُلسی کا درخت
حلا		حلاوة و حلواناً	میٹھا ہونا
حبيب	(ج)	أحبة	عاشق/معشوق
سقىٰ		سقياً	پلانا
مَلأَ		يملأ	بھرنا
منزه			پاک صاف ستھرا
ضغث	(ج)	أضغاث	من گھڑت باتیں

حدا	(ن)	حدواًوحداءاً	حدی پڑھنے میں آواز بلند کرنا
ساق		سوقاًوسیاقاً	جانور کو پیچھے سے ہانکنا
عذل	(ن/ض)	عذلاً	ملامت کرنا
ابتلیٰ یبتلي		ابتلاء	آزمائش کرنا
غانية	(ج)	غوان	وہ عورت جو حسن و جمال کی وجہ سے آرائش سے بے نیاز ہو
عاطر			(عطر زیادہ لگانے والا) عطر بیز
ريّ			خوش منظر
غزال	(ج)	غزلةوغزلان	ہرن کا بچہ
سلا		سَلواًسُلواًسُلواناً	تسلی پانا
لمیٰ		لمياًلمی سُمْرةٌفي الشَّفَتَيْنِ تُسْتَحْسَنُ	سرخی مائل ہونٹ

14.16 امتحانی سوالات کے نمونے

ا۔ درج ذیل اشعار پر درست اعراب لگائیے۔

مااللموله من سكره لايفيق

یاله سكران

من غير خمر ياللكئيب المشوق

يندب الأوطان

هل تستعاد أيامنا بالخليج

وليالينا

إذيستفاد من النسيم الأريج

مسک دارينا

وإذيكاد حسن المكان البهيج

أن يحيينا

۲۔ مندرجہ ذیل اشعار کا سلیس اردو ترجمہ کیجیے۔

نهر أظله دوح عليه أنيق

مورق الأفنان

والماء يجري وعائم وغريق

من جنى الريحان

أو هل أديب يحيي لنا بالعروس

ما كان أحلى

عيش لعله يعود منه فريق

كالذي قد كان

۳۔ مندرجہ ذیل الفاظ کے معنی بیان کیجیے۔

السكران ــ الخمر ــ الكئيب ــ الأفنان ــ الأوطان ــ العروس ــ الألحان ــ الريحان ــ الأنيق

العائم ــ الغريق ــ أضغاث فكر ــ العذل ــ الغواني ــ المبتلى ــ العاطر ــ الهلال ــ الغزال ــ السلوان

۴۔ نیچے بیان کردہ سوالوں کے جوابات لکھیے۔

۵۔ کسی پانچ شعر کی جامع تشریح کیجیے۔

۶۔ فن موشح پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔

۷۔ ابوبکر بن محمد زہر کی زندگی اور حیات وشاعری پر ایک تفصیلی نوٹ قلم بند کیجیے۔

14.17 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

۱۔ الأدب الأندلسي: موضوعاته وفنونه — د۔ مصطفى الشكعة

۲۔ ابن زهر الحفيد: وشاح الأندلس — د۔ فوزي سعيد عيسىٰ

۳۔ الذخيرة في محاسن أهل الجزيرة — ابن بسام: تحقيق: د۔ إحسان عباس

۴۔ في الأدب الأندلسي — د۔ جودت الركابي

اکائی 15 قصیدہ: ''أدِرِ الزُّجاجۃَ فالنسیم قد انبرَی''

از: ابن عمار الاندلسی

اکائی کے اجزا

15.1 تمہید

15.2 مقصد

15.3 ابن عمار الاندلسی: مختصر حالات زندگی

15.4 شاعری اور کلام کی خصوصیات

15.5 قصیدۃ ابن عمار فی وصف الطبیعۃ

15.6 ترجمہ قصیدہ ابن عمار

15.7 مشکل الفاظ کے معنی اور لغوی تحقیق

15.8 ادبی صنف کا تعارف

15.8.1 اقتباس کا موضوع، اس کی تشریح اور اسلوبی خصوصیات

15.9 اکتسابی نتائج

15.10 امتحانی سوالات کے نمونے

15.11 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

15.1 تمہید

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ عرب قوم جہاں بھی گئی وہاں عربی شاعری کا ایک قیمتی ذخیرہ وجود میں آ گیا۔شاعری کا ملکہ عرب قوم کو قدرت کی طرف سے بطورِ خاص ودیعت ہوا ہے۔سرزمین اندلس میں بھی عربی شاعری خوب پھلی پھولی اور پروان چڑھی۔عرب حکمراں شعرا اور ادبا کی بڑی قدر کرتے تھے۔ان کی ہمت افزائی کرتے اور انھیں انعام واکرام سے نوازتے تھے۔یہاں کے بیشتر حکمراں خود اچھے شاعر تھے۔تمام بڑے شعرا وفنکاران کے درباروں سے وابستہ رہتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ دیگر علوم وفنون کی طرح یہاں شاعری کو بھی خوب فروغ حاصل ہوا۔شعرا نے اپنی فنکارانہ صلاحیتوں سے شاعری کو نئے اسلوب اور نئی شکلوں میں پیش کیا۔موشحات اور زجل جیسی شعری اصناف کا ارتقا سرزمین اندلس ہی میں ہوا۔

اندلس میں جن شعرا نے کارہائے نمایاں انجام دیے ان میں ابن عمار الاندلسی کا نام بھی شامل ہے،ابن عمار دراصل عربی النسل تھے،ان کا تعلق یمن کے ایک مشہور قبیلہ قضاعہ سے تھا،ابن عمار کی ابتدائی زندگی کس مپرسی اور مفلسی میں گزری،طلب علم کی غرض سے قرطبہ کا سفر کیا اور علم وفضل میں کمال حاصل کیا،امرا وسلاطین کے دربار میں رسائی ملی،حاکم وقت معتمد بن المعتضد عباد نے ابن عمار کو درباری شعرا میں شامل کیا،لیکن کسی وجہ سے ان کے تعلقات تادیر باقی نہ رہ سکے اور بادشاہ نے ابن عمار کو اشبیلیہ سے جلاوطن کر دیا۔

ابن عمار الاندلسی نہایت ذہین وفطین تھا،وہ کہنہ مشق شاعر اور تجربہ کا سیاستداں بھی تھا۔اس کا مقام معتمد بن عباد کے دربار میں ایسا ہی تھا جیسے ہارون رشید کے زمانے میں جعفر برمکی کا تھا۔اس کی شاعری عربی ادب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔

15.2 مقصد

اس اکائی میں ہم:

- ☆ اندلسی شاعر ابن عمار الاندلسی (422ھ مطابق 1031ء-477ھ مطابق 1083ء) کے حالات زندگی سے واقف ہوں گے اور عربی زبان کے تئیں ان کی عظیم الشان خدمات کو پڑھیں گے۔
- ☆ ان کے مشہور قصیدہ ''أدِرِ الزُّجاجةَ فالنسيم قد انبرى'' کو معانی اور تشریح کے ساتھ بالتفصیل پڑھیں گے۔

15.3 ابن عمار الاندلسی: مختصر حالات زندگی

اندلس کی عربی شاعری میں ابن عمار کو مدح گوئی اور منظر نگاری کے میدان میں امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ان کا پورا نام ابوبکر محمد بن عمار المہری الشلبی الاندلسی ہے۔ان کا تعلق عرب کے یمنی قبیلہ قضاعہ کی ایک شاخ مہرۃ سے ہے جس کی طرف نسبت کے باعث "المہری'' کہلاتے ہیں۔ابن عمار کی پیدائش ایک مفلس اور گمنام گھرانے میں 422ھ/ 1031ء میں شِلب کے قریب شنبوس نامی قریہ میں ہوئی جو اندلس کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔وہاں سے ابن عمار شلب منتقل ہو گئے اور پھر طلب علم کے لیے قرطبہ آ گئے۔ابن عمار ذوالوزارتین کے لقب سے بھی مشہور ہیں۔ان کے خاندانی پس منظر کا اثر ان کی شخصیت پر بڑا ہی گہرا تھا۔

ابن عمار نے اپنی زندگی کا آغاز امراوسلاطین کے درباروں کا چکر کاٹنے اوران کی مدح سرائی سے کیا۔ابتدا میں اسے خاطرخواہ پذیرائی نہ ملی۔پھراسے اشبیلیہ کے بادشاہ معتضد بن عباد(مدت سلطنت 433ھ-461ھ)کے دربار میں رسائی ملی۔اسی موقع پرابن عمار نے بادشاہ کی شان میں اپنا معروف رائیہ قصیدہ کہا جو ہمارے نصاب میں شامل ہے۔وہیں اس کی ملاقات شہزادہ معتمد بن المعتضد (مدت حکومت: 461ھ-484ھ) عباد سے ہوئی۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دونوں کے درمیان کافی گہرے دوستانہ مراسم قائم ہوگئے۔یہاں تک کہ بادشاہ معتضد کوان دونوں کے درمیان اس قدر گہرے تعلقات سے اپنی سلطنت وحکومت کے لیے خطرہ محسوس ہونے لگا۔اس لیے بادشاہ نے ابن عمار کو اشبیلیہ سے جلاوطن کردیا۔اس دوران ابن عمار در بدر ٹھوکریں کھاتا رہا۔

دریں اثنا معتضد کی وفات ہوگئی اوراس کا بیٹا معتمد اس کا جانشین بنا۔معتمد نے اپنے پرانے دوست ابن عمار کو بلوایا اورابن عمار کی خواہش پراسے شلب کا گورنر مقرر کیا۔پھر شلب سے بلاکراپنا وزیر بنایا۔اس طرح ابن عمار وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ طاقتور ہوتا چلا گیا۔یہاں تک کہ اس کے ذہن میں خودمختار ہوجانے کا خیال آنے لگا بالآخر وہ بغاوت کرکے مُرسیہ نامی ریاست کا خودمختار حکمراں بن گیا اوراسپین میں اس وقت کی اتھل پتھل سے فائدہ اٹھا کراپنی سلطنت کی توسیع میں لگ گیا۔

معتمد بن عباد کے زمانۂ حکومت میں ابن عمار کی وہی حیثیت تھی جو ہارون رشید کے دوراقتدار میں ان کے وزیر جعفر برمکی کی تھی۔لیکن ابن عمار نے معتمد سے بغاوت کرکے اپنی خودمختاری کا اعلان کردیا اورسرعام معتمد اوراس کی بیوی کی ہجو کرنے لگا،جس سے جعفر برمکی کا دامن پوری طرح پاک ہے۔اسی وجہ سے ابن عمار کا انجام بھی زیادہ دردناک ہوا۔

کچھ دنوں کے بعد وقت نے کروٹ لی۔معتمد نے انتہائی ہوشیاری سے بنوسہیل کی مدد سے اسے گرفتار کرواکر قید خانے میں ڈال دیا اور ابن عمار کے عفوودرگزر کی ہزارکوشش کے باوجود تھوڑے ہی دنوں کے بعد 477ھ/ 1084ء میں خود ہی اسے قتل کردیا۔ابن عمار کی غداری اور بے وفائی کے باعث لوگوں نے اس کی موت پرافسوس کا اظہار بھی نہیں کیا۔

ابن عمار انتہائی ذہین وفطین،عالی ہمت،تجربہ کار اور ذی علم شخص تھا۔وہ اندلس کے ادبی اورسیاسی منظرنامے سے بخوبی واقف تھا۔ہدف اورمقصد کے حصول میں کوئی چیز کبھی اس کے لیے مانع نہیں بنی۔ابن عمار کی شخصیت کے مطالعہ کے بعد ہمارے سامنے اس کی شخصیت کے دونمایاں پہلوابھر کر سامنے آتے ہیں:ابن عمار بحیثیت شاعراورابن عمار بحیثیت سیاست داں۔

15.4 شاعری اورکلام کی خصوصیات

ابن عمارایک فطری شاعر تھا۔اس نے کثرت سے شعر کہے ہیں۔افسوس کہ اس کی شاعری کا بڑا حصہ ضائع ہوگیا۔کہا جاتا ہے کہ موت سے پہلے اس نے اپنی ہجویہ شاعری کو جلادیا تھا۔اس کی شاعری فصیح الفاظ،عمدہ تراکیب اور بہترین تعبیرات سے عبارت ہے۔اس کے کلام کو پڑھتے ہوئے کہیں بھی تصنع کا احساس نہیں ہوتا۔اس کے یہاں آمد ہے،اس کا کلام آورد کے شائبہ سے بالکل پاک ہے۔ابن عمار نے جن اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے اس میں مدح،عتاب،اخوانیات،ہجاء،وصف،نسیب اورغزل کے علاوہ مجون (بے راہ روی اور بے حیائی) بھی شامل ہے۔اس

کے ہم عصر شعرا میں ابن زیدون، معتمد بن عباد، ابن خفاجہ، ابن وھبون اور ابن اللبابہ کے نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔اس کی شاعری کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ زبان وبیان کی باریکیوں سے اچھی طرح آشنا تھا۔تشبیہات واستعارات کے استعمال پر اسے پوری قدرت حاصل تھی۔اپنے احساسات وجذبات کو شاعری کے پیکر میں ڈھالنے پر اسے فنکارانہ مہارت حاصل تھی۔ابن عمار کی ابتدائی عہد کی شاعری اپنے عہد کی نمایاں شخصیات اور امرا و وزرا کی مدح پر مشتمل ہے۔لیکن وزیر بن جانے اور امارت آجانے کے بعد اس نے جو شاعری کی ہے وہ سچی شاعری ہے اور اس میں افکار وخیالات کی سچی ترجمانی پائی جاتی ہے۔

ان کا دیوان مفقود ہے۔ان کی شاعری کو ڈاکٹر صلاح خالص نے اپنی کتاب "محمد بن عمار دراسة أدبية تاريخية" میں جمع کر دیا ہے۔

15.5 قصيدة ابن عمار في وصف الطبيعة

أدرِ الزُّجاجةَ فالنسيم قد انبرى ... والنجمُ قد صَرف العنَان عن السرَى
والصبحُ قد أهدى لنا كافوره ... لما استردَّ الليلُ منّا العَنبرَا
والرَوْضُ كَالحَسْنَا كَساهُ زَهْرُهُ ... وشياً وقلّده نَداه جوهَرا
أو كالغلام زَها بِوَردِ رياضِه ... خَجَلا وتاهَ بآسِهِنَّ مُعذَّرا
روضٌ كأنَّ النهرَ فيه مِعصَمٌ ... صَافٍ أطلَّ على رِدَاء أخضَرا
وَتهزُّه ريح الصَّبا فتخالُه ... سيفَ ابن عبادٍ يُبدِّد عَسْكرا
عَبَّادُ المُخضَرُّ نائلُ كفِّه ... والجوُّ قد لَبِسَ الرداءَ الأخضرَا
أندى على الأكباد مِن قَطرِ النَّدَى ... وألَذُّ في الأجفانِ مِن سِنَةِ الكرَى
قَدّاح زَند المَجدِ لايَنفَكُّ عنْ ... نارِ الوَغىٰ إلاّ إلىٰ نارِ القِرَى
أيقنتُ أنّي من ذراهُ بجنّةٍ ... لمّا سقَاني مِن نَداهُ الكوثرا

(الأدب الأندلسی---مصطفى الشكعة، ص 346۔347)

15.6 ترجمہ قصیدہ ابن عمار

1۔ چراغ کو گھمادو کیونکہ بادِنسیم چل پڑی ہے اور ستارے نے رات کے سفر سے لگام ہٹادی ہے، یعنی ستارے رک گئے ہیں اور رات ٹھہر گئی ہے۔

2۔ صبح نے اپنی سفید رنگ کی خوشبو (کافور) ہمیں ہدیہ میں پیش کردی۔جب رات نے سیاہ رنگ کی خوشبو (عنبر) ہم سے واپس لینی چاہی۔

3۔ باغ نے ایک حسینہ کے مانند اپنے آپ کو رنگ برنگے پھولوں سے ڈھک لیا ہے اور شبنم نے اس کے گلے میں موتیوں کا ہار ڈال دیا ہے۔

4۔ یا وہ اس خوب صورت لڑکے کی طرح سے جو اپنی کیاریوں کے گلاب کی طرح سرخ اور خوش رنگ ہوجاتا ہے جب وہ شرماتا ہے اور ان کیاریوں کی حنا کے پھولوں سے وہ اپنے رخسار پر اگنے والے بالوں پر اتراتا ہے۔

5۔ وہ ایک ایسا چمن ہے گویا کہ نہر اس میں ایک صاف وشفاف کلائی کے مانند ہے جس نے کسی چادر پر ہریالی بکھیر دی ہے۔

6۔ جب بادِ صبا اسے حرکت دیتی ہے تو تمہیں ایسا لگے گا کہ وہ سیف ابن عباد کی تلوار ہے جو لشکر کو تتر بتر کر رہی ہے۔

7۔ عباد، اس کی بخشش وفیاضی سے مستفید ہونے والے ہمیشہ شاداب اور خوش حال رہتے ہیں اور ساری فضا نے سبز رنگ کی چادر اوڑھ رکھی ہے۔

8۔ وہ شبنم کے قطروں سے زیادہ جگر کو ٹھنڈک پہنچانے والا ہے اور پلکوں میں نیند کی اونگھ (پہلی نیند) سے زیادہ لذیذ اور پر لطف ہے۔

9۔ وہ مجد وشرافت کے شعلوں کو ہوا دینے والا ہے یعنی وہ ہمیشہ بہادری اور عظمت کے کاموں میں مصروف رہتا ہے، وہ میدانِ جنگ کی آگ سے تبھی دور ہوتا ہے جب اسے ضیافت ومہمان نوازی کی آگ کو روشن کرنا ہوتا ہے۔ یعنی یا تو وہ میدان جنگ میں ہوتا ہے یا مہمانوں کی ضیافت میں مصروف رہتا ہے۔

10۔ مجھے یقین ہو چلا ہے کہ میں ان کے زیر سایہ ایک جنت میں آ گیا ہوں۔ جب انہوں نے مجھے اپنی فیاضی کا جام کوثر پلایا۔

15.7 مشکل الفاظ کے معنی اور لغوی تحقیق

أدار يدير إدارة	گھمانا
الزُجاجةُ	شیشہ، چراغ
العَنانُ	لگام
السّریٰ	رات میں چلنا
كافور	کپور، سفید رنگ کا خوشبودار مادہ
عنبر	عنبر، سیاہ رنگ کا خوشبودار مادہ
استرداد (استفعال)	واپس چاہنا
الروض	باغ، چمن
الحسنا	حسینہ
وشياً، الوشي: نقش الثوب، ويكون من كل لونٍ	رنگ برنگ
كسا يكسُو	لباس پہنانا
ندیٰ: المطر	شبنم
جوهر	موتی
الزَّهْوُ: مصدر "زها، يزهُو"، التكبر والفخر.	اترانا، خوش رنگ ہونا
تاه يتيه: تكبَّر	اترانا
الآس: شجر دائم الخضرة، بيضي الورق، أبيض الزهر أو وَرديّه، عِطْريّ	حنا کے ہلکے سفید رنگ کے پھول

معذّر :الشَّعْرُ المُحَاذِي لِلأُذُنِ مِنْ جَانِبِ اللِّحْيَةِ	نوجوانی میں رخسار پر اگنے والے بال
مِعصَم: مَوْضِعُ السِّوَارِ من اليد	کلائی
أطلّ يُطِلُّ	ٹپکانا۔ چھڑکنا
بدّد يبدّد	تتر بتر کرنا، چھانٹنا
عسکر	لشکر
قدّاح زند المجد	مجد وشرافت کی آگ کو ہوا دینے والا
نارُ الوَغیٰ	میدان جنگ (جنگ کی آگ)
القِریٰ	ضیافت، مہمان نوازی
ذُروۃ ج ذُرًی: أعلَی الشّيء وقمّته	اعلی مقام، اونچی جگہ، قصیدہ میں مرادی معنی: زیر سایہ

15.8 ادبی صنف کا تعارف

نصاب میں شامل ابن عمار کے قصیدے کا تعلق صنف مدح سے ہے۔ ابن عمار نے اپنا یہ رائیہ قصیدہ بادشاہ معتضد ابن عباد کی مدح میں کہا جب اسے پہلی بار بادشاہ سے ملاقات اور دربار میں باریابی کا شرف حاصل ہوا۔ مدح گوئی ایک معروف صنف شاعری ہے۔ عام طور سے شعراء، امرا وسلاطین یا ان کے وزرا کی شان میں مدحیہ قصائد کہتے ہیں۔ اس کے ذریعہ سے وہ ان کے درباروں تک رسائی حاصل کرتے ہیں اور اپنے آپ کو ان کے انعام واکرام اور الطاف وعنایات کا مستحق باور کراتے ہیں۔ اس طرح مدح گوئی کو وہ اپنے کسب معاش کا ذریعہ بناتے ہیں۔

اندلسی شاعری میں اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ شعرا "شعر المديح" (مدحیہ شاعری) کو "شعر الطبيعة" (مناظر فطرت پر مبنی شاعری) میں ضم کر دیتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے قصیدے کا آغاز فطری مناظر کی تصویر کشی سے کرتے ہیں، پھر گریز کا انداز اختیار کر کے اپنے ممدوح کی مدح پر آجاتے ہیں۔ اس کی عمدہ مثال ابن عمار کا یہ رائیہ قصیدہ ہے جس میں اس نے معتضد کی مدح سے پہلے "شعر الطبيعة" سے متعلق عمدہ اشعار کہے ہیں جو ہمارے کورس میں شامل ہیں۔ معتضد کی مدح میں ابن عمار کے اس قصیدے کو صرف اس لیے شہرت نہیں ملی ہے کہ وہ بادشاہ کی مدح میں ہے بلکہ اس لیے کہ اس میں مدح نگاری کا ایک نیا طرز اور انداز پایا جاتا ہے۔

15.8.1 اقتباس کا موضوع، اس کی تشریح اور اسلوبی خصوصیات

نصاب میں شامل قصیدے کا موضوع مدح نگاری ہے۔ شاعر نے اس میں اپنے ممدوح معتضد ابن عباد کی تعریف وتوصیف کی ہے۔ قصیدے کا آغاز مناظر فطرت کی منظر کشی سے کیا ہے۔ ابن عمار نے دیگر اندلسی شعرا کی طرح اپنا یہ قصیدہ پارک اور باغ میں عیش وطرب کی مجلس کی وصف نگاری سے کیا ہے۔ اس میں تشبیہات واستعارات کی کثرت ہے۔ اس قصیدے میں شاعر نے اپنے ممدوح کی شجاعت وبہادری، ان کے جود وکرم اور ان کی عنایت وفیاضی سے اپنی سیرابی کا ذکر کیا ہے۔

اس قصیدے میں شاعر نے آسان الفاظ اور واضح ترکیب استعمال کی ہے۔ اس میں عمدہ خیالات کے ساتھ ساتھ بہترین تشبیہات کا

استعمال کیا گیا ہے۔ کہیں پر تصنع اور تکلف کا احساس نہیں ہوتا۔ یہ قصیدہ اپنے محاسن اور اسلوبی خصوصیات کے لحاظ سے شاعر کے بہترین کلام میں شمار کیا جاتا ہے۔

15.9 اکتسابی نتائج

اس اکائی کے مطالعے کے بعد ہم کو درج ذیل امور کا علم حاصل ہوا:

☆ ابن عمار اندلس میں طوائف الملوکی کے عہد کا ایک ممتاز شاعر ہے۔ وہ ذہین اور بلند ہمت ہونے کے ساتھ ساتھ شعر وادب کا شیدائی تھا۔ ابن عمار کی زندگی کے دو ادوار ہیں جس کی جھلک ان کی شاعری میں بھی ملتی ہے۔

☆ پہلے دور میں وہ کسب معاش کے لیے امرا وسلاطین کی مدح کرتے ہیں اور ان کے درباروں سے وابستہ نظر آتے ہیں۔ دوسرا دور ان کی جلاوطنی سے شروع ہوتا ہے، پھر ان کی سیاسی معرکہ آرائی سے ہوتا ہوا ان کے قید وبند اور بالآخر ان کے قتل پر تمام ہوتا ہے۔

☆ وصف نگاری اور فطری مناظر کی عکاسی ابن عمار کی شاعری کا امتیازی وصف ہے۔ اس کے علاوہ مدح غزل اور شراب نوشی پر بھی انھوں نے عمدہ اشعار کہے ہیں۔ وصف نگاری میں وہ اشیا کے ظاہری وصف کو بیان کرنے پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس میں اپنے احساسات وجذبات اور افکار وتخیلات کو بھی سمو دیتے ہیں۔

15.10 امتحانی سوالات کے نمونے

1۔ درج ذیل اشعار کا سلیس اردو زبان میں ترجمہ کیجیے۔

1 عَبَادُ الْمُخضَرُّ نائلُ كفّه — والجوُّ قد لَبِسَ الرداءَ الأخضرَا

2 أندى على الأكباد مِن قَطرِ النَّدَى — وألَذَّ في الأجفانِ مِن سِنَةِ الكَرَى

3 قَدّاح زَنِدَ المَجد لايَنْفَكُّ من — نارِ الوَغىٰ إلاّ إلىٰ نارِ القِرَى

2۔ مندرجہ ذیل اشعار کی سیاق وسباق کے ساتھ تشریح کیجیے۔

1 أو كالغلام زَها بَوردِ رياضِه — خَجَلا وتاهَ بآسِهِنّ مُعذِّرا

2 روضٌ كأنَّ النهر فيه مِعصَمُ — صَافٍ أطَلَّ على رِداءٍ أخضَرا

3 وَتهزُّه ريح الصَّبا فتخالُه — سيفَ إبن عبادٍ يُبِدّد عَسكرا

3۔ مندرجہ ذیل اشعار میں خط کشیدہ الفاظ کی لغوی تحقیق کیجیے۔

1 والرَوْضُ كَالحَسْنا كساهُ زَهْرُهُ — وشياً وقلّده نَداه جوهَرا

2 أو كالغلام زَها بورد رياضِه — خَجَلا وتاهَ بآسِهِن مُعذِّرا

4۔ ابن عمار کے قصیدے کا خلاصہ تحریر کیجیے۔

5۔ ابن عمار کی شخصیت کا بحیثیت شاعر جائزہ لیجیے۔

6۔ ابن عمار کی شخصیت اور ان کے شاعرانہ کمالات وامتیازات پر ایک مضمون قلمبند کیجیے۔

7۔ اندلسی شاعری کے فروغ میں ابن عمار کی کوششوں اور خدمات پر روشنی ڈالیے۔

15.11 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

١۔الأدب الأندلسي موضوعاته وفنونه	مصطفیٰ الشكعة
٢۔تاريخ الأدب الأندلسي۔عصر سيادة قرطبة	الدكتور إحسان عباس
٣۔تاريخ الأدب العربي: عصر الدول والإمارات۔الأندلس	الدكتور شوقي ضيف
۴۔الأدب العربي في المغرب والأندلس منذ الفتح الإسلامي إلى آخر عصر ملوك الطوائف	عمر فروخ
۵۔محمد إبن عمار دراسة أدبية تأريخية	الدكتور صلاح خالص
٦۔تاریخ ادب عربی	احمد حسن زیات۔ترجمہ ڈاکٹر سید طفیل احمد مدنی

اکائی 16 قصیدہ: ''بِحُکْمِ زمانٍ یا لہُ کیفَ یَحْکُمُ''

از: ابن حمدیس الصقلی

اکائی کے اجزا

16.1 تمہید
16.2 مقصد
16.3 ابن حمدیس الصقلی
16.3.1 مختصر حالات زندگی
16.3.2 اخلاق وعادات
16.3.3 شاعری اور کلام کی خصوصیات
16.4 قصیدہ: ''بِحُکْمِ زمانٍ یا لہُ کیفَ یَحْکُمُ''
16.5 مشکل الفاظ کے معانی اور ان کی لغوی تحقیق
16.6 قصیدے کا ترجمہ
16.7 ادبی صنف کا تعارف، قصیدے کا موضوع اور اس کی خصوصیات
16.8 اکتسابی نتائج
16.9 امتحانی سوالات کے نمونے
16.10 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

16.1 تمہید

عربی زبان وادب کواندلس میں ایک اہم مقام حاصل تھا۔عربی زبان ادب عالیہ اورتہذیب وثقافت کی زبان بن گئی تھی۔وہاں کے مدارس میں اس کی تعلیم لازمی تھی، نیز ملک بھر کے مدارس میں ذریعہ تعلیم بھی عربی تھی۔یہودی اورعیسائی سبھی بڑے شوق سے عربی زبان پڑھتے تھے۔عربی زبان کے ساتھ ساتھ یہاں عربی نثرکوبھی کافی فروغ حاصل ہوا۔ایک طرف جہاں عربی شاعری میں کچھ نئے اصناف سخن کی داغ بیل پڑی وہیں عربی نثر میں قصہ گوئی اورافسانہ نویسی کے میدان میں نئے تجربے ہوئے۔اس کے علاوہ علوم وفنون کے مختلف میدانوں میں یہاں کے علماواساتذہ نے کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔

اسپین میں اموی دورحکومت عربی زبان وادب کا عہد زریں کہلاتا ہے۔یہاں کے لوگوں نے علمی ضرورتوں کے علاوہ اپنی روزمرہ کی تمام ضروریات میں صرف عربی زبان کا استعمال کیا۔عرصہ دراز تک عرب ریگزاروں سے دور رہنے کے باوجودعربی زبان کے محاسن میں کوئی کمی نہیں آئی۔اسپین میں عربی زبان کا استعمال تقریباًنوسوبرس تک رہا۔اس طویل عرصہ میں یہاں کے ادیبوں اورشاعروں نے اس زبان میں اپنےفن کا بھرپورمظاہرہ کیے ہیں،جس کے ذکر سے عربی ادب کی تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔عربی زبان وادب کےطلبہ اوراس کے شائقین کے اس لازوال علمی وادبی خزانہ سے واقف ہونا ازبس ضروری ہے۔

16.2 مقصد

اس اکائی کے مطالعے کے بعدہم اس قابل ہوجائیں گے کہ:

☆ اندلس میں پائے جانے والے بیش قیمت علمی وادبی ذخیرے سے آشنا ہوسکیں گے۔
☆ وہاں کے ادبا،شعرااور بالخصوص اندلسی شاعری کے امتیازی خصوصیات سے انھیں کماحقہ واقفیت ہوسکے گی۔
☆ اندلس کے ایک مشہورشاعرابن حمدیس الصقلی کے ایک قصیدےکوتحلیل وتجزیہ کے ساتھ پڑھیں گے۔

16.3 ابن حمدیس الصقلی (447ھ/1055ء-537ھ/1133ء)

16.3.1 مختصرحالات زندگی

مؤرخینِ ادب نے عبدالجبارابن حمدیس الصقلی کوجزیرۂ صقلیہ کا سب سے بڑا شاعر مانا ہے۔اس کا کلام صقلیہ،اندلس اورمغرب تینوں کے ماحول سے متاثر ہے۔اندلسی شعرامیں اس کا درجہ کافی بلند ہے۔ابن حمدیس کا پورا نام عبدالجباراوراس کے باپ کا نام ابوبکر بن محمد تھا۔اس کی پیدائش 447ھ میں صقلیہ کے شہرسرقوسہ میں ہوئی۔اس کانسبی تعلق یمن کے قبیلہ ازد سے تھا۔لیکن اس کی شاعری کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے اپنے قبیلہ سے زیادہ اپنے وطن صقلیہ پرفخر تھا۔

ابن حمدیس نے عنفوان شباب ہی میں شاعری شروع کردی تھی،لیکن ادبی حلقوں میں اس کی شاعری کا چرچا زیادہ نہ ہوسکا۔سرقوسہ کی علمی وادبی حالت کی تفصیل نہیں ملتی لیکن خیال یہی ہے کہ ابن حمدیس کوضرورکوئی مناسب ادبی ماحول ملاجس کی بناپروہ بچپن ہی سے شعرکہنے لگا۔اس نے ایک کتاب بھی "تاريخ الجزيرة الخضراء" کے نام سے تالیف کی تھی۔دریں اثنا رومیوں نے اس کے وطن عزیز پر

دھیرے دھیرے قبضہ کرلیا۔شاعر نے اپنی آنکھوں سے غاصب قوم کے جبر وتشدد کا مشاہدہ کیا۔ چنانچہ تقریباً چوبیس سال کی عمر میں وہ صقلیہ سے ہجرت کر کے افریقہ کے راستے اسپین پہنچ گیا اور معتمد بن عباد حاکم اشبیلیہ کے دربار میں رسائی حاصل کرنے کی غرض سے وہ اشبیلیہ جا پہنچا۔ابن عباد نے شاعری میں اس کا امتحان لیا، وہ امتحان میں پورا اترا اور انعام واکرام کا مستحق ٹھہرا۔اس کے بعد وہ بادشاہ کے مقربین میں شامل ہو گیا۔

بعدازاں شاعر ایک لمبی مدت تک بادشاہ کی عنایتوں اور نوازشوں سے آسودہ زندگی گزارتا رہا۔وہ رقص وسرور کی محفلوں میں جاتا اور وہاں کی رنگینیوں کو اپنے اشعار میں بیان کرتا،کبھی دیگر شعرا کے ساتھ سیر گاہوں کی طرف جاتا اور وہاں شعری مقابلوں میں حصہ لیتا۔علاوہ ازیں وہ معتمد کی مدح میں طویل قصیدے لکھتا جس میں وہ معتمد کی شجاعت وفیاضی اور رومیوں کے خلاف اس کے جہاد وغزوات کا ذکر کرتا۔اس عہد میں اس کو مال ودولت اور عزت وشہرت دونوں حاصل رہے۔لیکن گردشِ زمانہ نے آسودگی اور فارغ البالی کے یہ ایام بہت جلد اس سے چھین لیے۔معتمد کا ستارہ غروب ہو گیا۔مراکش کے سلطان یوسف بن تاشقین نے 484ھ میں اندلس پر حملہ کیا اور معتمد کو قید کر کے افریقہ لے گیا۔ابن حمدیس بھی بادشاہ کی جلاوطنی میں اس کا شریک رہا۔اس طرح ابن حمدیس کی زندگی کا ایک بڑا حصہ افریقہ میں گزرا۔وہ جہاں کہیں بھی رہا اپنی معاش کے لیے وہاں کے امرا اور وزرا کی مدح خوانی کرتا رہا۔آخر عمر میں ابن حمدیس کی بصارت کھو گئی اور وہ آنکھوں سے معذور ہو گیا۔آخر کار رمضان 527ھ میں ان کا انتقال ہو گیا اور وہیں افریقہ کے شہر بجایہ اور ایک روایت کے مطابق میورقہ میں مدفون ہوا۔

16.3.2 اخلاق وعادات

ابن حمدیس ایک صحیح العقیدہ، باوقار، حساس اور جفاکش انسان تھا۔اسی طرح وہ خوش اخلاق اور بہترین مصاحب تھا۔وہ مجالس طرب میں شریک ہوتا اور رندوں کی محفلوں میں بھی حصہ لیتا تھا لیکن خود کو وہاں کی رذالتوں اور آلائشوں سے حتی الامکان محفوظ رکھتا۔اپنے وقار، عزت نفس اور سلامتی اخلاق کا خیال رکھتا تھا۔ابن حمدیس نے ان محفلوں اور مجلسوں کا تذکرہ اپنی شاعری میں نہایت عمدگی سے کیا ہے۔اس کی شاعری اس کے اخلاق وعادات اور افکار وتجربات کا بہترین مرقع ہے۔وہ کہتا ہے:

أَصِفُ الرَّاحَ وَلا أَشْرَبُهَا　　　وَهِيَ بِالشَّدْوِ عَلَى الشُّرْبِ تَدُوْرُ
كَالَّذِيْ يَأْمُرُ بِالْكَرِّ وَلَا　　　يَصْطَلِيْ نَارَ الْوَغَى حَيْثُ تَفُوْرُ

ترجمہ: میں شراب کی تعریف تو کرتا ہوں لیکن اس کو پیتا نہیں ہوں، جب کہ رقص وسرود کے وقت اس کا دور چلتا ہے۔اس شخص کی طرح جو جنگ کا حکم تو دیتا ہے لیکن جنگ کی آگ کے قریب نہیں ہوتا۔(یعنی جنگ میں شامل نہیں ہوتا)

16.3.3 شاعری اور کلام کی خصوصیات

ابن حمدیس ایک فطری شاعر تھا۔اس کا احساس بہت شدید تھا۔وہ عام طور پر کسی اندرونی محرک اور شدت جذبات کے اثر سے شعر کہتا تھا۔اسی وجہ سے اس کا کلام سوز وگداز اور درد واثر سے پر ہوتا ہے اس نے اپنا دیوان خود مرتب کیا تھا۔دیوان خاصا ضخیم ہے، جس میں طویل قصائد کے ساتھ ساتھ مختصر قطعات بھی ہیں۔یہ دیوان طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے۔دیوان پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ موشحہ اور ہجو کے علاوہ تمام اصناف

سخن: رثا، غزل، وصف اورخمریات جیسے تقریباً سبھی موضوعات پر اس نے اشعار کہے ہیں۔ موشحہ کو غالباً اس وجہ سے ہاتھ نہیں لگایا کہ اس وقت تک اس صنف کو خواص کے درمیان مقبولیت حاصل نہیں ہوئی تھی اور اس کو محض ایک عوامی اور تفریحی فن سمجھا جاتا تھا۔ جہاں تک ہجو کا تعلق ہے تو شاعر کی دین داری نیز کذب بیانی اور فحش گوئی سے اجتناب اس میں مانع تھا۔ بعض لوگوں نے اس پر یہ الزام بھی لگایا کہ وہ ہجو نہیں لکھ سکتا تو اس نے صرف یہ جواب دیا کہ وہ مدح تو اچھی لکھ سکتا ہے۔

اس کے علاوہ ابن حمدیس نے اپنی شاعری میں وطن کے گیت بھی گائے ہیں اور زہد وتصوف اور حکمت ودانائی سے لبریز نغمے بھی گنگنائے ہیں۔ زہد وتصوف اور پند ونصیحت پر مشتمل اس کے اشعار میں ابوالعتاہیہ کی شاعری کا رنگ جھلکتا ہے۔ صقلیہ کی یاد اور وہاں گزارے ماہ وسال نے شاعر کے دل ودماغ کو آخر وقت بے قرار رکھا جس کی بھرپور ترجمانی اس کی شاعری میں ملتی ہے۔

ابن حمدیس کی شاعری میں عام طور پر سلاست وروانی، حلاوت وشیرینی، موسیقیت ونغمگی اور برجستگی پائی جاتی ہے، وہ عموماً آسان اور واضح الفاظ استعمال کرتا ہے۔ لیکن اس کے اشعار میں فنی محاسن، نادر تشبیہات واستعارات اور عمدہ خیالات کی کمی نہیں ہے۔ اس کے اشعار میں گہری معنویت اور شعریت پائی جاتی ہے۔ چونکہ وہ دین دار اور مذہبی شعائر کا پابند تھا، اس لیے اس کی شاعری فحاشیت وعریانیت سے بالکل پاک وصاف ہے۔ حتی کہ جن اشعار میں اس نے عہد شباب کے لہو ولعب اور عیش وعشرت کا ذکر کیا ہے ان میں بھی کوئی فحش لفظ نہیں ملتا۔

وصف نگاری اندلسی شاعری کی ایک عام خصوصیت ہے۔ اندلس کے فطری مناظر، پرکیف فضا، سرسبز وشاداب باغات اور رنگین وخوشنما پھولوں اور پھلوں، نیز وہاں کی نہروں اور محلات نے شعرا کو اپنی جانب متوجہ کیا اور وہ مقامی آثار ومناظر کا وصف بیان کرنے لگے۔ ابن حمدیس کو اس صنف میں مہارت تامہ حاصل تھی۔

ابن حمدیس کی شاعری پر یہ تبصرہ نامکمل رہے گا جب تک ہم اس کے زاہدانہ کلام کا ذکر نہ کریں کیونکہ اس کے دیوان میں متعدد قصیدے اور کافی اشعار وقطعات ایسے پائے جاتے ہیں جن میں اس نے زمانہ کے انقلابات وحوادث، دنیا کی ناپائیداری اور بے ثباتی کا ذکر بڑے پر درد انداز میں کیا ہے۔ اس ضمن میں کبھی کبھی وہ حکمت وموعظت کی باتیں کرتا ہے اور کبھی زریں اقوال اور قیمتی نصائح پیش کرتا ہے۔

مذکورہ بالا خصوصیات کے سبب ابن حمدیس کو اندلسی شعرا میں ایک اہم مقام حاصل ہے اور اسے اندلسی ادب کا ایک نمائندہ شاعر مانا جاتا ہے۔

16.4 قصیدہ: بحکم زمان یاله کیف یحکم

بِحُكْمِ زَمَانٍ يَا لَهُ كَيْفَ يَحْكُمُ ... يُحَرِّمُ أَوْطَانًا عَلَيْنَا فَتَحْرُمُ
لَقَدْ أَرْكَبَتْنِيْ غُرْبَةُ البَيْنِ غُرْبَةً ... إلى اليومِ عَنْ رَسْمِ الْحِمَى بِيَ تَرْسُمُ
إِذَا كُلَّ عَنِيْ مِنْ سَنَا الصُّبحِ أَشْهَبٌ ... تَنَاوَلَ حَمْلِي مِنْ دُجَى الَّلَيْلِ أَدْهَمُ
وَتَحْسِبُهُ يَرْتَاضُ فِيْ غَرْسِ حَمْلِه ... وَيُسْرَجُ فِيْه كلاماً لِلرُّكُوْبِ وَيُلْجَمُ
لِكُلِّ زَمَانٍ وَاعِظٌ، وَعْظُهُ كَمَا ... يَخُطُّ كَلَاماً بِالإِشَارَةِ أَبْكَمُ
وحَادٍ رَمَى بِالْعِيْسِ كُلَّ مُضِلَّةٍ ... كَأَنَّ عَلَيْه مَجْهَلَ الْفَيْحِ مَعْلَمُ

وَقَدْ نَحَرَتْ فِيْ كُلِّ شَرْقٍ وَمَغْرِبٍ   عَلَيْهَا نُحُوْرَ الْبِيْدِ فِي الْعَزْمِ أُسهُمُ

وَأَوْجَفَ حَوْلَيْهَا الْكُمَاةُ ضَوَامِرَاً   فَلَا سُنْبُکٌ إلّا يُسَارِيْه مِنْسَمُ

فَمِنْ رَاكِبٍ يَأْتِيْ بِه الْخَصْبَ بَازِلٌ   وَمِنْ فَارِسٍ يَصْلَى بِه الْحَرْبَ شَيْظَمُ

فَإِنْ تُسْرِ فِيْ لَيْلٍ وَجَيْشٍ فَإِنَّهَا   سَفَائِنُ بَرٍّ بَيْنَ بَحْرَيْنِ عُوَّمُ

وَصِيْدٍ يَصِيْدُوْنَ الْفَوَارِسَ بِالْقَنَا   إذَا نَكَلَ الأَبْطَالُ فِي الرَّوْعِ أَقْدَمُوْا

وَيَسْتَطْعِمُوْنَ السُّمْرَ وَالْبِيْضَ إنَّهَا   نُيُوبٌ وَاَظْفَارٌ بِهَا الأُسْدُ تَطْعَمُ

دَعَتْهُمْ بُرُوقٌ بِالأكُفِّ مُشِيرَةً   إلَيهِمْ وَعَيْنٌ عَرْفُهَا يَتَنَسَّمُ

عَصَا شَمْلِهِمْ شُقَّتْ فَشَرَّقَ مُنْجِدٌ   إلَىٰ طَيِّةٍ مِنْهُمْ وَغَرَّبَ مُتْهِمُ

ومَا قَدَّ قَدُّ السَّيرِ بِالطُّوْلِ سَيْرَهُم   وَلكِنَّمَا الْمُنَقَدُّ قَلْبِي المَتَيَّمُ

16.5 ترجمہ قصیدہ ابن حمدیس

1۔ زمانے کی حکمرانی کی قسم وہ کیا ہی عجیب فیصلے کرتا ہے۔ وہ ہم پر ہمارے وطن کو حرام کر دیتا ہے تو وہ حرام ہو جاتے ہیں۔

2۔ جدائی کی دوری نے مجھے ایک ایسی اجنبیت پر سوار کر دیا ہے جو آج تک مجھے اپنے ساتھ لے کر محبوب کے نشان سے دور رکھے ہوئے ہے۔

3۔ جب صبح کی روشنی کی وجہ سے ستارے میرا بوجھ اٹھانے سے قاصر ہو گئے۔ تو رات کی تاریکی کے باعث سیاہی نے میرا بوجھ اٹھالیا۔

4۔ اور تم سمجھتے ہو کہ رات اپنے بوجھ کو اٹھا کر خوش ہے اور اس میں سواری پر زین کسی جاتی ہے اور لگام لگائی جاتی ہے۔

5۔ ہر زمانے کا ایک واعظ ہوتا ہے، اس کا وعظ ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی گونگا اشارے سے کوئی بات کہہ رہا ہو۔

6۔ اور کتنے ہی ایسے حُدی خواں ہیں جنھوں نے ہر گم گشتہ راہ جانور کا عمدہ اونٹوں کے ذریعہ سے شکار کیا۔ گویا کہ وسیع مجہول جگہ کا ان کو علم ہے۔

7۔ چہار طرف سے اس کے اوپر تیروں کی بارش ہوئی۔ اسی طریقے سے جیسے صحرا عزم و حوصلے کو خاک کر دیتا ہے۔

8۔ اس کے ارد گرد بہادروں نے چھریرے بدن کے گھوڑوں کو دوڑا دیا ہے۔ پس کوئی ایسا گوشہ نہیں ہے جہاں تک ان گھوڑوں کی کھریں نہ پہنچی ہوں۔

9۔ کتنے ہی شہ سوار ایسے ہیں جن کے ذریعہ دانا اور تجربہ کار شخص خوش حالی تک پہنچتا ہے اور کتنے ہی گھوڑ سوار ایسے ہیں کہ بہادر ان کے ذریعہ میدان جنگ میں اترتا ہے۔

10۔ پس اگر تم رات میں کسی لشکر کے ساتھ نکلو گے۔ تو تمہیں ایسا لگے گا کہ وہ خشکی کی کشتیاں ہیں جو سمندروں کے درمیان چل رہی ہیں۔

11۔ اور کتنے ہی ایسے بہادر لوگ ہیں جو نیزے سے گھوڑ سواروں کا شکار کرتے ہیں اور وہ اس وقت اقدام کرتے ہیں جب بڑے بڑے سورما ڈر کر پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔

12۔ وہ لوگ نیزوں اور تلواروں سے کھانا طلب کرتے ہیں۔ گویا کہ وہ دانت اور ناخن ہیں جن کے ذریعہ شیر کھانا کھاتے ہیں۔

13۔ ان بہادروں کو بجلیوں نے ہتھیلیوں سے ان کی طرف اشارہ کر کے اپنی جانب بلایا ہے اور خوب صورت آنکھوں والیوں نے جن کی خوشبو پھوٹے پڑ رہی تھی۔

14۔ ان کے اتحاد کا شیرازہ بکھر گیا، پس نجد جانے والے مشرق کی طرف ایک جانب چلے گئے اور تہامہ آنے والے مغرب کی طرف پہنچ گئے ہیں۔

15۔ ان کی قطع تعلقی نے صرف ان کے تعلق کو نہیں ختم کیا ہے۔ بلکہ اس نے میرے محبت کے مارے دل کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔

16.6 مشکل الفاظ کے معانی اور لغوی تحقیق

البَیْنُ	=	افتراق، جدائی
رسم یرسُم (ن)	=	مٹانا، تیز چلنا، لکھنا، نشان بنانا
الحِمیٰ	=	کوئی ایسی چیز جس کا دفاع کیا جائے
کلّ یکلّ کلاًّ و کلالة (ض)	=	تھک جانا، عاجز آ جانا
شِهاب (ج) أشهب	=	ستارہ
أدْهَم	=	سیاہ
ارتیاض باب افتعال کا مصدر ہے	=	خوش ہونا
أسرج باب إفعال	=	زین کسنا
لِجام	=	لگام لگانا
حَادٍ	=	حدی خواں
العِیْس (م) عیساء (ج) أَعْیَس	=	عمدہ گھوڑا
مَجْهَل	=	غیر معلوم جگہیں، جنگلات
الفَیْح	=	کشادگی
البِیدم بیداء (ج) بِیْدٌ	=	صحرا
أَوْجَف (إفعال)	=	گھوڑا دوڑانا
کَمِيٌ (ج) کُمَاةٌ	=	بہادر
ضَامِرٌ (ج) ضَوَامِر	=	چھریرے بدن والا
سُنْبُک	=	کھر، گوشہ، کنارہ
سارَیسارِي	=	ساتھ جانا
خَصْبٌ (ج) أخصاب	=	ہریالی، خوش حالی

بازِلٌ	=	تجربہ کار شخص
فارس	=	گھوڑ سوار
صلیٰ یصلیٰ	=	داخل ہونا
عُومۃ عُوم	=	پانی میں تیرنے والی
أصید (م) صیداء (ج) صید	=	شکار کرنے والا، بہادر
القَنَا	=	نیزہ
نَکَلَ ینکُل (ن)	=	پیچھے ہٹ جانا
الرَّوْعُ	=	خوف، ڈر
اِستِطْعَام	=	کھانا طلب کرنا
السُمْرُ	=	نیزے
البِیْضُ (ج) بیضاء، بیض	=	تلوار
برق (ج) بروق	=	بجلیاں
العِیْنُ م عیناء (ج) أعین	=	بڑی آنکھ والی
عُرْفٌ	=	مہک
تَنَسَّمَ	=	مہکنا، خوشبو پھوٹنا
عَصَا شَمْلِھِمْ	=	ان کے اتحاد و اتفاق کا شیرازہ
شَقّ یشُقّ (ن)	=	بکھرنا، منتشر ہو جانا
شرّق	=	مشرق کی طرف جانا
مُنْجِدٌ	=	نجد کی طرف جانے والا
طَیَّۃٌ	=	گوشہ، جانب
مُتْھِمٍ	=	تہامہ کی طرف جانے والا
غرّب	=	مغرب کی طرف جانا
قدّ یقُد قداً (ن)	=	کاٹنا
المُتَیَّمُ	=	محبت زدہ، عشق زدہ

16.7 ادبی صنف کا تعارف، قصیدے کا موضوع اور اس کی خصوصیات

نصاب میں شامل ابن حمدیس کا قصیدہ بھی بنیادی طور پر مدحیہ قصیدہ ہے۔ ابن حمدیس ایک طویل مدت تک معتمد کے دربار سے وابستہ رہا اور بادشاہ کی عنایتوں اور نوازشوں سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ اس نے معتمد کی مدح میں طویل قصیدے منظوم کیے ہیں جس میں معتمد کی شجاعت وفیاضی اور رومیوں کے خلاف اس کے غزوات کا ذکر بڑے شاندار لفظوں میں کیا ہے۔

ابن حمدیس اصلا صقلیہ کا رہنے والا تھا۔ صقلیہ پر رومیوں کے قبضہ کے بعد ہجرت کر کے وہ اسپین چلا آیا۔ یہاں اس کی رسائی معتمد کے دربار تک ہوگئی اور اس طرح زندگی آسودہ حال ہوگئی۔ لیکن جلد ہی معتمد کی سلطنت کے خاتمہ کے بعد اس کی خوش حالی اور فارغ البالی چھن گئی۔ وہ اشبیلیہ سے ہجرت کر کے افریقہ چلا گیا۔ وہاں بھی امرا اور وزرا کی مدح کر کے کسب معاش کرتا رہا۔

نصاب میں شامل ابن حمدیس کا قصیدہ اس کی زندگی کی تمام سچائیوں کا آئینہ دار ہے۔ ابتدا میں گردشِ زمانہ اور اس کی چیرہ دستیوں کا ذکر ہے۔ اس کے بعد شاعر نے اپنے ممدوح کی شجاعت و بہادری کا تذکرہ کیا ہے۔ اس قصیدے کی خاص خوبی یہ ہے کہ اس میں شاعر نے بھاری بھر کم الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ جب کہ ابن حمدیس کی شاعری میں عام طور پر سلاست وروانی، حلاوت وشیرینی اور موسیقیت ونغمگی پائی جاتی ہے۔ وہ عموما آسان اور واضح الفاظ استعمال کرتا ہے۔ اس کے اشعار میں گہری معنویت پائی جاتی ہے۔ دیگر اندلسی شعرا کی طرح ابن حمدیس کو بھی وصف نگاری اور منظر کشی میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ قصیدے کے آغاز میں شاعر نے گردش زمانہ کا ذکر کیا ہے کہ کیسے حالات سے مجبور ہو کر انسان ایک جگہ سے دوسری جگہ ہجرت کرتا ہے اور پھر غریب الوطنی کی زندگی میں آدمی کو کن کن حالات سے دو چار ہونا پڑتا ہے جس کا شاعر بذات خود اپنی زندگی میں تجربہ کر چکا ہے۔ پھر وہ اپنے ممدوح کی شجاعت و بہادری کا ذکر کرتے ہوئے بہترین منظر کشی کرتا ہے۔ اس ضمن میں اس نے نادر تشبیہات اور عمدہ استعارات کا استعمال کیا ہے۔

16.8 اکتسابی نتائج

اس اکائی کے پڑھنے کے بعد ہم نے درج ذیل امور سیکھا:

☆ اندلس میں عربی شاعری کے ارتقا کا ایک اہم سبب وہاں کا فطری ماحول اور اس کی پر بہار فضا تھی۔ مغرب کی رنگارنگی ہر اعتبار سے مشرقی ماحول سے جدا تھی۔ احمد حسن زیات کے الفاظ میں "یورپ کی رنگارنگ زندگی میں عرب شاعروں کو وہ سب کچھ ملا جو ایشیا میں مفقود تھا۔ یہاں کی نت نئی فضا، مناظر فطرت کی فراوانی، گھنے درخت، لبریز بہتی دریاؤں، سرسبز وشاداب میدانوں، ہرے بھرے پہاڑوں اور خوب صورت باغات نے ان کے فکر ونظر کو جلا بخشی اور ان کے نغموں میں رس گھول دیا۔

☆ اندلسی شاعری میں دریاؤں، پلوں، محلوں، قلعوں، حوضوں باغات، نہروں، چراگاہوں، تالابوں، فوّاروں اور طربیہ محفلوں وغیرہ سے متعلق بے شمار خوب صورت نظمیں ملتی ہیں۔ فطری مناظر کی تصویر کشی میں اندلسی شاعری پر یورپ کی شاعری کا رنگ وآہنگ نظر آتا ہے۔

☆ اندلسی شعرا نے مدح، غزل، مرثیہ، ہجاء، وصف، تصوف اور فلسفہ وغیرہ پر مشتمل اشعار کہتے ہیں اندلسی شاعری کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں لفظی حسن پر زیادہ زور دیا جاتا تھا جس کے باعث وہ نظمیں لوگوں کو زبانی یاد ہو جایا کرتی تھیں۔

☆ اندلس میں اشبیلیہ اور قرطبہ عربی شاعری کے بڑے مراکز تھے۔ یہاں عرب شعرا کافی تعداد میں موجود تھے۔ مردوں کے علاوہ یہاں

خواتین بھی اعلی پائے کی شاعرہ گزری ہیں۔ عائشہ اور ولیدہ جیسی شاعرات کو ملک بھر میں غیر معمولی شہرت حاصل تھی۔ مسلمانوں کے علاوہ اسپین کے یہودیوں اور عیسائیوں میں بھی اچھے شاعر گزرے ہیں جنھوں نے عربی شاعری میں قابلِ قدر اضافے کیے۔

16.9 امتحانی سوالات کے نمونے

۱۔ ابن حمدیس کے قصیدے کا خلاصہ تحریر کیجیے۔

۲۔ ابن حمدیس کی شخصیت کا بحیثیت شاعر جائزہ لیجیے۔

۳۔ اندلسی شاعری کے فروغ میں ابن حمدیس کی کوششوں اور خدمات پر روشنی ڈالیے۔

۴۔ مندرجہ ذیل اشعار کی سیاق وسباق کے ساتھ تشریح کیجیے۔

1	إذا كل عني من سنا الصبحِ أشهب	تناول حمْلي من دجى الليل أدهم
2	وتحسبه يرتاض في غرس حمله	ويسرج فيه كلاما للركوب ويلجم
3	لكل زمان واعظ، وعظه كما	يخط كلاما بالإشارة أبكم
4	وحاد رمى بالعيس كل مضلة	كأن عليه مجهل الفيح معلم

۵۔ مندرجہ ذیل اشعار میں خط کشیدہ الفاظ کی لغوی تحقیق اور ترجمہ کیجیے۔

1	وَقَدْ نَحَرَت فِيْ كُلِّ شَرْقٍ وَمَغْرِ	عَلَيْهَا نُحُوْرَ الْبِيْدِ فِي الْعَزْمِ أُسهُم
2	فَمِنْ رَاكِبٍ يَأتِيْ بِه الْخَصْب بَازِلٌ	وَمِنْ فَارِسٍ يَصْلَى بِه الْحَرْبَ شَيْظَم
3	وَصِيْدٍ يَصِيْدُوْنَ الْفَوَارِسَ بِالْقَنَا	إذَا نَكَلَ الأبْطَال فِي الرَّوْعِ أقْدَمُوْا

16.10 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

1۔ الأدب الأندلسي: موضوعاته وفنونه — مصطفیٰ الشكعة

2۔ تاريخ الأدب الأندلسي: عصر سيادة قرطبة — الدكتور إحسان عباس

3۔ تاريخ الأدب العربي: عصر الدول والإمارات-الأندلس — الدكتور شوقي ضيف

4۔ الأدب العربي في المغرب والأندلس منذ الفتح الإسلامي إلى آخر عصر ملوك الطوائف — عمر فروخ

5۔ محمد بن عمار: دراسة أدبية تأريخية — الدكتور صلاح خالص

6۔ تاریخ ادب عربی — احمد حسن زیات، ترجمہ: سید طفیل احمد مدنی

Maulana Azad National Urdu University

M.A. Arabic: III Semester Examination Model Paper

Paper: MAAR302DST Arabic Literature in Andalus

Time: 3Hrs Marks: 70

ملاحظة: اشتملت هذه الورقة على ثلاثة أجزاء، تلزم الإجابة من كل جزء وفق التعليمات.

جزء " الألف" (10 × 1 = 10)

1. اختر الجواب الصحيح من بين الخيارات فيما يلي من الأسئلة.

i. تقع الأندلس في قارة:

(A) آسيا (B) إفريقيا (C) أمريكا الشمالية (D) أوروبا

ii. دخل الإسلام بلاد الأندلس بقيادة البطل المجاهد طارق ابن زياد في عام ..... للهجرة:

(A) 90 (B) 91 (C) 92 (D) 93

iii. سُمي بـ "صقر قريش" لبراعته في الحكم في الأندلس:

(A) عبد الرحمن بن معاوية (B) عبد الرحمن الناصر (C) موسى بن نصير (D) يوسف بن تاشفين

iv. من أقوى من حَكَم الأندلس وبلغ من العِز ما جعلَ ملوك الروم يطلبون مصاهرته ابتغاء التقرب إليه۔

(A) المعتمد بن عبا د (B) عبد الرحمن الناصر (C) أبو عبد الله الصغير (D) عبد الرحمن الغافقي

v. بعد انهيار الخلافة الأموية، انقسمت الأندلس إلى دويلات صغيرة، وعُرفت بعصر:

(A) الوُلاة (B) الإمارة (C) الخلافة (D) الطوائف

vi. المملكة التي حَكَمَت الأندلس قبيل الفتح الإسلامي هي مملكة:

(A) القوط (B) البربر (C) القبط (D) العرب

vii. سُمِي بعنترة الأندلس، وأعجب أبو نواس بشعره، وقيل إنه في مرتبة جرير والفرزدق:

(A) المعتمد بن عباد (B) أبو الأجرب جَعْوَنة بن الصِمّة (C) ابن زيدون (D) ابن هاني

viii. نمط من الشعر نشأ في "الأندلس" وذاع فيها، وحافظ على العروض العربي إجمالا، عُرِف بشعر

(A) الفخر (B) المدح (C) الحنين (D) الموشح

ix. من اخترع فن الموشحات في الأندلس؟

(A) جعونة بن الصمة (B) ابن خفاجة (C) مقدم بن معافر (D) ابن حمديس

x. من أشهر خطباء الأندلس:

(A) لسان الدين بن الخطيب (B) زياد بن أبيه (C) الحجاج بن يوسف (D) ابن شهيد

جزء " ب" (5 ×6 = 30)

2. أجب عن خمسة أسئلة مما يلي، ولكل سؤال ست علامات.

i. اكتب عن جغرافية شبه الجزيرة الأيبيرية مشيرا إلى سبب تسمية الأندلس بهذا الإسم.

ii. صَوِّر دخول الإسلام بلاد الأندلس وفتحها.

iii. سَطِّر معلوماتك عن إحدى المعارك الكبرى التي شهدتها الأندلس بين المسلمين والمسيحيين.

iv. سلّط الضوء على انتشار اللغة العربية وتطورها في الأندلس.

v. ماذا تعرف عن الموشحات، سجّل معلوماتك عنها.

vi. ناقش حياة ابن زيدون الأندلسي وشعره.

vii. اكتب عن النثر الفني في الأندلس مشيرا إلى فنونه العديدة.

viii. اكتب عن الشعر العربي الأندلسي، نشأته وتطوره.

جزء " ج" (3×10 = 30)

3. أجب عن ثلاثة أسئلة فقط، ولكل سؤال عشر علامات.

i. ناقِش العصور المختلفة التي مرَّ بها تاريخ المسلمين في الأندلس.

ii. "أعتبر المشرق مرجعاً شعرياً يستمد به الشعراء الأندلسيون" ناقش الفكرة.

iii. اشرح الأبيات التالية مع ذكر قائلها مبرزا مظاهر الطبيعة والحنين فيها:

1 إنّي ذَكرْتُكِ، بالزّهْرَاء، مُشْتاقا، وَالأُفُقُ طَلقٌ وَمَرْأى الأرْض قد رَاقَا

2 وَللنّسيمِ اعْتِلالٌ، فِي أصَائِلِهِ، كأنّهُ رَقّ لِي، فَاعْتَلّ إشْفَاقَا

3 وَالرّوْضُ، عن مَائِهِ الفِضّيّ، مُبتسِمٌ، كما شَقَقتَ، عَنِ اللَّبّاتِ، أطْوَاقَا

4 يَوْمٌ، كأيّامِ لَذّاتٍ لَنَا انصرَمتْ، بِتْنَا لها، حينَ نامَ الدّهرُ، سراقَا

5 نَلْهُو بما يَسْتَمِيلُ العَينَ من زَهَرٍ جَالَ النّدَى فِيهِ، حَتّى مَالَ أعنَاقَا

iv. اكتب ملاحظة عن تطور القصة في الأندلس الإسلامي.

v. اكتب عن حياة أحد من الكُتّاب الأندلسيين الذين درستهم.